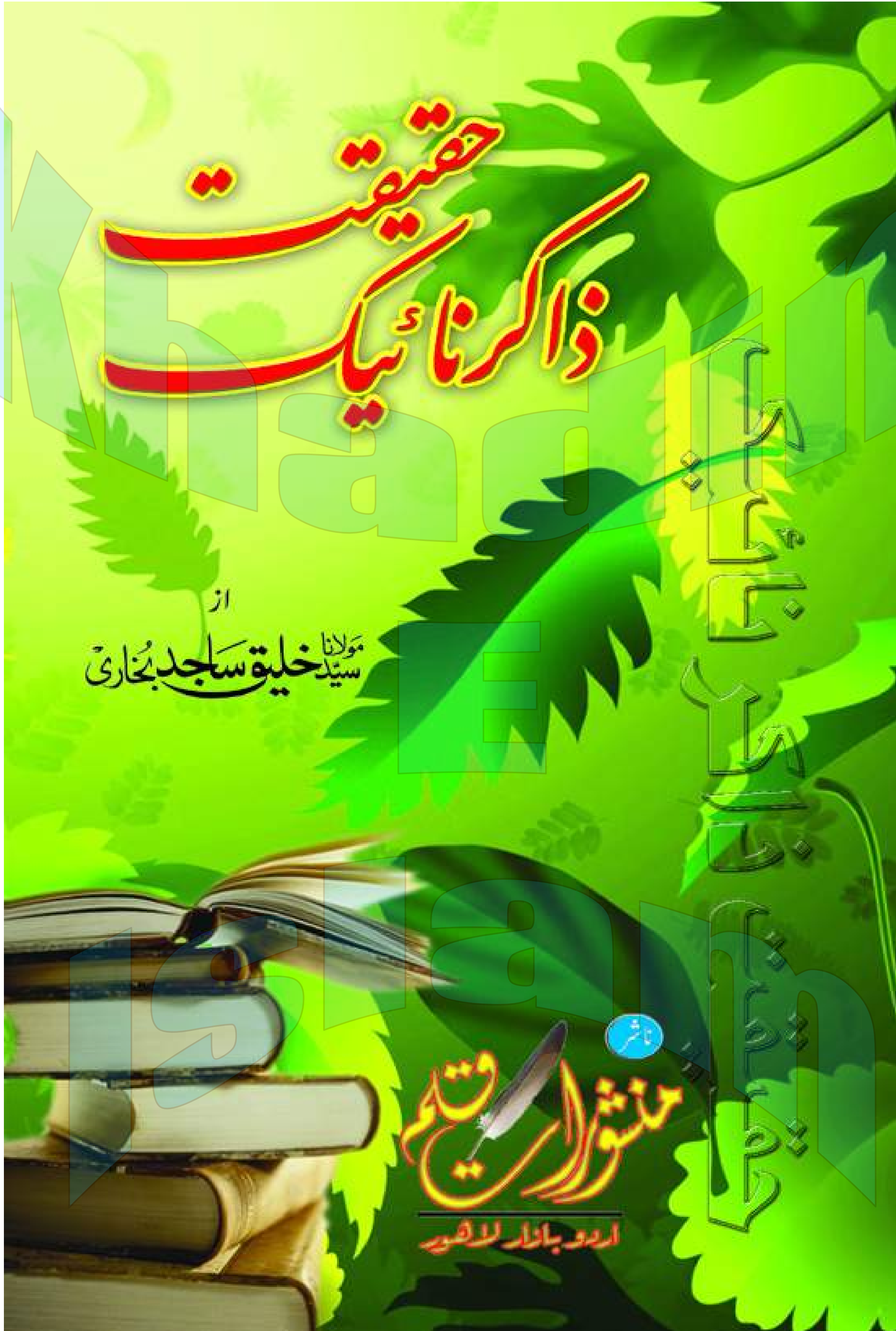
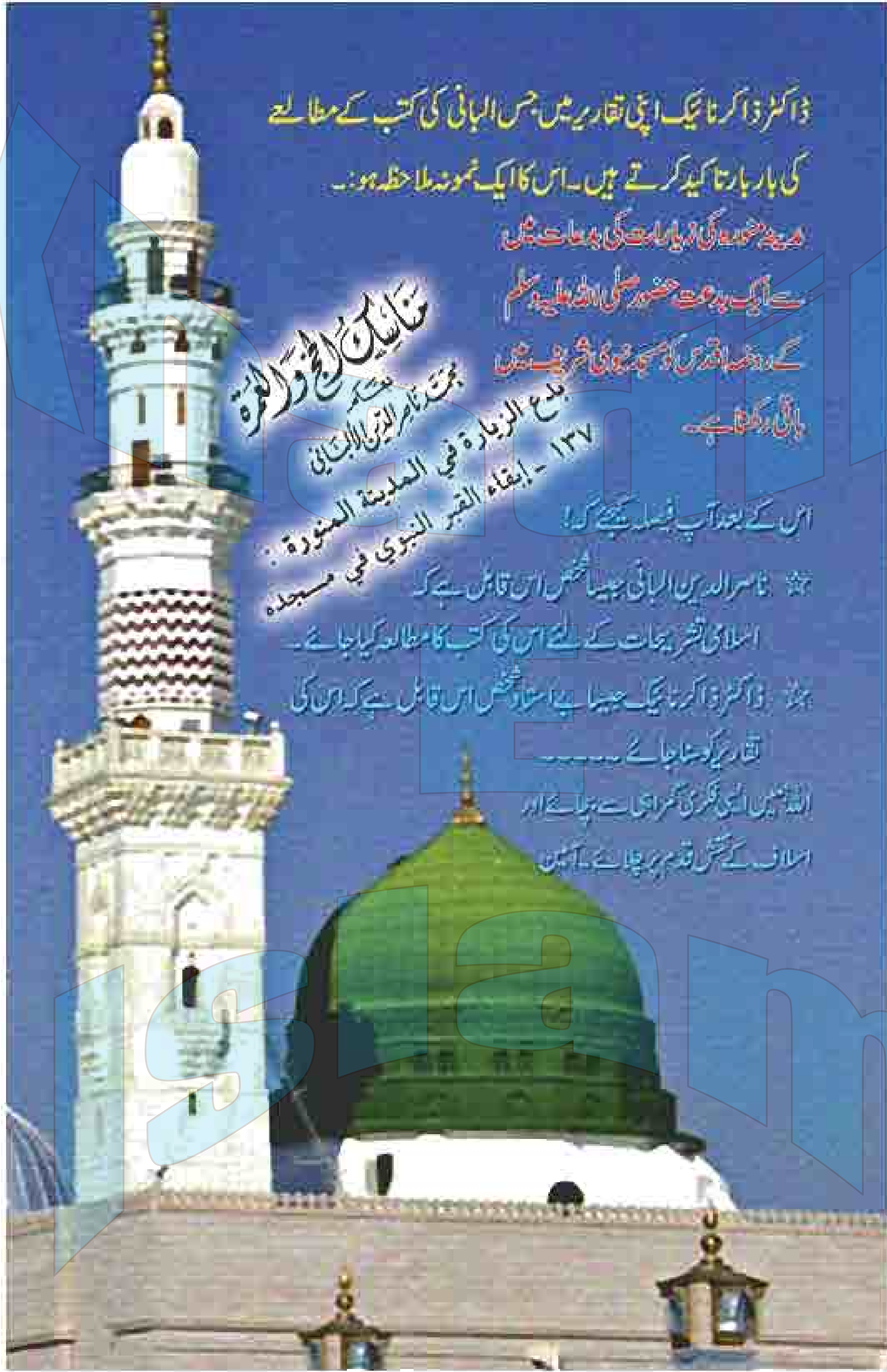

حقیقت
ذاکر نائیک
از
مولانا
سید خلیق ساجد بخاری
ناشر
منشورات قلم
اردو بازار لاہور


ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنی تقاریر میں جس البانی کی کتب کے مطالعے
کی بار بار تاکید کرتے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔
مدینہ منورہ کی زیارات کی بدعات میں
سے ایک بدعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ اقدس کو مسجد نبوی شریف میں
باقی رکھنا ہے۔
مناسك الحج والعمرة
تأليف
محمد ناصر الدين الألباني
بدع الزيارة في المدينة المنورة :
١٣٧ - إبقاء القبر النبوي في مسجده
اس کے بعد آپ فیصلہ کیجئے کہ!
☆ ناصر الدین البانی جیسا شخص اس قابل ہے کہ
اسلامی تشریحات کے لیے اس کی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔
☆ ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسا بے استاد شخص اس قابل ہے کہ اس کی
تقاریر کو سنا جائے......
اللہ ہمیں ایسی فکری گمراہی سے بچائے اور
اسلاف کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

حقیقت ذاکر نائیک

(فکری گمراہی کا تجزیہ)

مؤلف

مولانا
سید خلیق ساجد بخاری



دوسری منزل، مسلم سنٹر، اردو بازار لاہور۔

فون:042-36169646 موبائل:0333-4264303

e.mail: manshoorateqalam@yahoo.com

○ حدیث ○: لا تفعلی یا قیلة اذا اردت ان تبتاعی شیاً فاستامی به الذی تریدین۔ اعطیت او منعت۔

ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب السوم ۲۲۰۴، المسند الجامع ۱۰/۴۹۸

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قیلہ (ام بنی انمار رضی اللہ عنہا) یہ فعل اچھا نہیں۔ جو چیز بیچنے میں فروخت کرنا چاہتی ہو اتنے ہی دام کہہ دو۔ لینے والے کی خوشی ہوگی تو لے لے گا ورنہ نہیں۔ اور جو چیز خرید و اس کی ایک قیمت کہہ دو خریدار چاہے تو لے لے ورنہ نہ لے۔

نام کتاب	حقیقت ذاکر نائیک (فکری گمراہی کا تجزیہ)
مؤلف	مولانا سید خلیق ساجد بخاری
سال اشاعت	محرم الحرام ۱۴۳۱ھ جنوری 2010ء
صفحات	596
تعداد	1100
تزئین	محمد عامر خان
تصحیح	سید لبیق ساجد بخاری
قیمت	Rs.300/-
ناشر	منشورات قلم دوسری منزل مسلم سنٹر اردو بازار لاہور۔54400
ای میل:	manshoorateqalam@yahoo.com
طابع	ضرار پرنٹرز۔ آؤٹ فال روڈ۔ لاہور

فہرست

انتساب

ان حضرات کے نام۔ جو متجد دین کے پہلو میں بیٹھنے کی بجائے اسلاف اور اکابرین امت کے قدموں میں بیٹھنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اور اسی نسبت سے روز آخرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔

اظہار تشکر

میری اس کاوش میں محترم حضرت مولانا انوار خورشید صاحب دامت برکاتہم نے مشاورت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ان کی شفقت اس سلسلہ میں بے بدل ہے۔ عزیزی قاری لطیق بخاری سلمہٗ کی کمپوزنگ اکثر حوالوں کی تلاش اور تصحیح کے حوالہ سے خدمات اس لئے بھی قابل تعریف ہیں کہ دوران تعلیم وقت نکال کر یہ تمام کام سرانجام دیئے۔ ان تمام مراحل میں معاونت قدم بقدم شامل رہی۔ ورنہ مجھ جیسے اکیلے شخص کے لئے مشکل تھا کہ ذاکر نائیک صاحب کی تقریروں کو گھنٹوں سن کر اس میں سے قابل گرفت ٹکڑے علیحدہ کروں۔ پھر انہیں قلم بند کرنا۔ کمپوزنگ کے مراحل۔ نیز ان کے جوابات کو آسان پیرائے میں قارئین کے سامنے تصحیح کے مراحل سے گذار کر پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کے علم وعمل میں برکت واضافہ فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

معاشرہ میں جہاں حوصلہ شکنی کرنے والے ہوتے ہیں وہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حوصلہ افزائی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک محترم عبدالرحیم صاحب اور ان کے صاحبزادگان جناب کاشف صاحب اور جناب غضنفر صاحب ہیں جنہوں نے اپنا کمپیوٹر روم راقم کے لئے وا کر دیا اور اس میں موجود ہر طرح کی سہولت کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ محترم عامر صاحب کی خدمات سرورق کی تزئین اور کمپوز شدہ مواد کی فارمیٹنگ کے لئے میرے سہارے رہے ہیں۔ ناصر خان صاحب کے پرخلوص مشورے پہلے روز سے آخری روز تک ساتھ تھے۔

حرف آغاز

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ باری کرنے والے ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب دمشق کے ناصر الدین البانی کے فکری مقلد ہونے کے باوجود خود کو غیر مقلدین میں شمار کرتے ہیں۔ تقریروں میں عالمی بھائی چارہ کا درس دیتے نہیں تھکتے۔ لیکن اسلاف، اکابرین امت اور فقہاء کے تیار کردہ سیدھے راستے کو اپنی فکری گمراہی کے سنگریزوں سے پاٹ دیا ہے۔ عام مسلمان ان کی فکری گمراہی اور چرب زبانی سے پریشان ہو جاتا ہے کہ اسلام کا اصل راستہ کہاں کھو گیا۔ اس راستہ کو ان کی گمراہی سے صاف کرنے کی اس سلسلہ میں سب سے پہلی کوشش ہے۔ تاکہ ان کی فکری گمراہی کے جال میں عام مسلمان نہ پھنس جائیں۔

بخاری و مسلم اور صحیح احادیث کی اوٹ میں دین اسلام کو مسخ کرکے پیش کرنے کی فرقہ لامذہبیہ کی پرانی عادت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس روش پر چلتے ہوئے ذرا جدت اختیار کرلی ہے۔ عالمی بھائی چارہ (آج تک اسلامی بھائی چارہ کی اصطلاح سننے میں آتی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب عالمی بھائی چارہ متعارف کرواکے یہود و ہنود کے مشکور ہوگئے) کا درس دیتے ہوئے ہر جگہ دین حق کی تردید اور اجماع امت سے انحراف ہی شروع نہیں کیا بلکہ اپنے قاعدہ اور اصول (بخاری و مسلم اور صحیح احادیث) سے بھی انحراف کر گئے۔ دوسروں سے یہی مطالبہ کرنے والے ڈاکٹر صاحب خود اکثر مسائل میں یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی قرآن وحدیث میں ممانعت نہیں لیکن ان کے کرنے کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے وہ دین اسلام میں ممنوع ہیں۔ انہیں تو اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث میں اس کی ممانعت پیش کرنا چاہیے تھی۔ ورنہ بہت سی بدعات کو ان کے اس قاعدہ کے تحت جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ عقیدہ کے اس ناپ تول میں ڈاکٹر صاحب کو ایک ہی طرح کے باٹ رکھنے چاہیے تھے لیکن کمال چابک دستی اور الفاظ کے الٹ پھیر سے لینے اور دینے کے باٹوں میں تبدیلی کا فن انہی کا کام ہے۔ پھر بھی انہیں دعویٰ ہے کہ وہ

درست راہ پر ہیں۔ اسلام کو تختہ مشق بنانے کی بجائے انہیں چاہیے کہ اپنے پیشہ (اوزاروں سے چیر پھاڑ) کی طرف واپس آجائیں اور اسلام پر رحم فرمائیں یا پھر ڈاکٹری کی طرح اسلام کی بھی کسی ایسے ادارہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کریں جن لوگوں کی تعلیم اور فکر کا سلسلہ سنداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل پہنچتا ہے۔ نہ کہ درمیان میں منقطع ہو کر انگریزوں کی جھولی میں جا گرتا ہے۔

اسلامی بھائی چارہ (مواخات) تو سنا تھا۔ لیکن عالمی بھائی چارہ کا درس یہائیوں کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دینا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب سے پہلے بھی بہت سے متجددین اسلام میں پیوندکاری کی ناکام کوشش کر چکے ہیں۔

اسی لئے ہم نے ڈاکٹر ذاکر صاحب کے ساتھ مختلف متجددین اور ان کی چیدہ چیدہ فکری گمراہیوں کی نشاندہی کی ہے۔ تاکہ ڈاکٹر ذاکر اور اسی طرح کے دیگر متجددین سے متاثر ہوتے ہوئے یہ ضرور ذہن نشیں رہے کہ ان سب کے خیالات آپس میں کس قدر مربوط ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب کی فکری گمراہی کے تجزیہ میں اکثر غیر مقلدین کے عقائد کا تذکرہ بھی آجائے گا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی غیر مقلد ہیں اور جان بوجھ کر ان مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن میں امت مسلمہ اور غیر مقلدین کا اختلاف چلا آرہا ہے۔

نیز ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب جو دوسروں کو مسلکی بندھن توڑنے کی تلقین فرما رہے ہیں خود لامذہبیت کے جال میں پھنس کر بعض اوقات اس طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے کو ان کی (حدیث نہ ملنے کی وجہ سے) بے چارگی پر ترس آنے لگتا ہے۔ اور بعض جوابات اتنے احمقانہ ہوتے ہیں کہ ان کی عقل پر شک ہونے لگتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے وہ تمام مسائل جن میں وہ امت مسلمہ سے اختلاف کرتے ہیں مفروضہ سوالوں کی شکل میں جان بوجھ کر عام سامعین کے سامنے لائے جا رہے ہیں۔ تاکہ ان کا ذہن بھی منتشر ہو جائے۔ چنانچہ اس کتاب میں غیر مقلدین کی طرف سے کئے جانے والے اکثر اعتراضات کے جوابات ذیر بحث کی شکل میں موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد عام شخص بھی

تقلید، اجتہاد اور ضعیف احادیث کے بارے میں مطمئن ہو سکتا ہے۔

اکثر لوگ نائیک صاحب کے حافظہ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ ان کے مجہول حافظے کا یہ حال ہے کہ کہیں تو آیات اور موقع محل کے درمیان ربط نہیں ہوتا۔ اور کبھی سیاق وسباق کا لحاظ کئے بغیر حوالہ پیش فرماتے ہیں۔ ان کی تقاریر میں ایسے نوادرات تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے حافظے کی مثالیں نہیں دیکھیں یا نہیں سنیں ان کو نائیک صاحب کی رفتار گفتار پر حیران ہونے کا حق ہے۔ ورنہ مدارس کے حفظ کے مقابلوں میں ہی دیکھ لیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ایسی روانی سے آیات قرآنی سناتے ہیں کہ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ تفسیر کے مقابلہ میں صرف ترجمہ بتایا جاتا ہے اور قرآن سے اس کی آیت تلاش کرکے سنانا ہوتی ہے۔ مدارس کے طلباء عربی گرامر صرف کی گردانیں اتنی روانی سے سناتے ہیں کہ سننے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حاضر جوابی اور فن مناظرہ میں وکیل اہلسنت حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ وغیرہم جیسی شخصیتیں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب دامت برکاتہم کو جنہوں نے بالمشافہ سنا ہے ان کے سامنے نائیک صاحب تو بالکل ہیچ ہیں۔

اس کتاب میں صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزماں۔ نواب صدیق حسن۔ نواب نورالحسن۔ ثناءاللہ امرتسری وغیرہ جو کہ غیر مقلدین کے بڑوں میں شمار ہوتے ہیں ان کے بیسیوں حوالے ذکر کیے گئے ہیں۔ نیز فرقہ محمدیہ شالامار یہ غیر مقلدیہ کے بیسوں حوالے بھی درج کئے ہیں۔ اگر یہ حضرات گمراہ تھے تو غیر مقلدین کو اجتماعی طور پر ان سے برأت کا اظہار کرنا چاہیے اور گمراہ کہنا چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ یہ حضرات قرآن وحدیث کے نام پر جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ تب یہ سمجھا جائے گا کہ آپ واقعی دینی غیرت رکھتے ہیں ورنہ ہم احناف کو کوس لینے سے تو دینی خدمت اور حق گوئی کا فرض ادا نہ ہوگا۔

ہمیں معلوم ہے کہ کچھ حضرات کی طبیعت اس کتاب کا جواب دینے کے لئے مچل رہی ہوگی۔ اس کتاب کا جواب دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

قول وفعل متواتر صحیح مرفوع حدیث سے ثابت کیا جائے۔ الزامی جوابات آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔ نیز دیگر شرائط والی احادیث یا فقہی اختلافات بھی مقلدین اہل السنہ والجماعت کے لئے چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ دعویٰ اہل حدیثیت کرنے والے کو اپنے موقف کے ثبوت میں صرف مرفوع صحیح صریح حدیث ہی پیش کرنی چاہیے۔ جس میں ان کے دعویٰ کی صراحت اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام موجود ہو یا وہ فعل آخر ہو۔ صحابہ کے اقوال ان کیلئے حجت نہیں اس لیے پیش کرنے کی ضرورت نہیں (اپنا عقیدہ ثابت کرنا ہے ہمارا نہیں) عقلی دلائل کی بھی گنجائش نہیں۔ صرف بخاری ومسلم کی صحیح ۔ مرفوع اور صریح احادیث ہوں۔ کیونکہ باقی کتب کو ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب صحیح نہیں مانتے اور اسے صحاح کے درجہ میں شامل نہیں سمجھتے۔

جب صحابہ حجت نہیں۔ ائمہ اربعہ اور فقہاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اجماع امت مانتے نہیں، تو ان کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟ اور حدیث کو پرکھنے کا معیار (علم اسماء الرجال) بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ کسی امام کے کہنے سے کوئی حدیث صحیح حسن یا ضعیف وموضوع کیسے ہو سکتی ہے؟۔

☆مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں

اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن اور حدیث کے سوا کوئی بات نہیں مانتے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ اپنا نام "اہل حدیث" قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔ ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ اپنا نام قرآن وحدیث سے ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نہ قرآن میں کسی فرقہ کا نام اہلحدیث ہے۔ نہ حدیث میں کسی فرقہ کا نام اہل حدیث ہے۔ یاد رکھیں کہ ان کا نام ان کی کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ نہ قرآن میں کسی فرقہ کا نام اہل حدیث آیا ہے۔ نہ کسی حدیث میں کسی مذہبی فرقہ کا نام اہل حدیث آیا ہے۔ ہاں امتیوں کی کتابوں میں لفظ اہلحدیث یا اصحاب حدیث آیا ہے۔ لیکن وہ ایک علمی طبقے کے لیے ہے۔ اس فرق کو سمجھئے۔ ایک ہے علمی طبقہ۔ ایک ہے مذہبی فرقہ۔ آپ مسلمان ہیں۔ آپ کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی مسلمان ہے خواہ ابھی بولتا ہے یا نہیں بولتا۔ آپ کا پڑھا لکھا بھی مسلمان ہے ان پڑھ بھی مسلمان ہے۔ لیکن ایک لفظ ہے مفسر جو قرآن پاک کی تفسیر کرنے والا ہے۔ اب آپ

کسی مذہبی فرقہ کا نام مفسر رکھ لیں کہ ان کا پڑھا لکھا بھی مفسر اور ان پڑھ بھی مفسر، جاہل بھی مفسر، عورت بھی مفسر اور بچہ بھی مفسر، اندازہ لگائیں کہ یہ اس لفظ کا کتنا بڑا مذاق ہے۔ مفسر تو ایک علمی طبقہ کا نام ہے وہ کسی مذہبی فرقہ کا نام نہیں ہے اب کوئی فریق اٹھ کر اپنے فرقہ کا نام اہل منطق رکھ لے آتا کچھ بھی نہ ہو اس کا پڑھا لکھا بھی اہل منطق اور اس کا جاہل بھی اہل منطق تو یہ ایک مذاق ہے۔

اہل حدیث کا لفظ انگریز کے دور سے پہلے کی کتابوں میں محدث کے معنی میں آیا ہے، ان کو تو حق بھی نہیں اہلحدیث لکھنے کا کیونکہ یہ نام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے تاہم اگر یہ حضرات اہل حدیث بمعنی محدث لیتے ہیں تو ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ محدث کی کیا شرائط ہیں؟ کیا آپ کی ہر عورت میں وہ شرائط موجود ہیں؟ آپ کے ہر بچہ میں وہ شرائط موجود ہیں؟ آپ کے ہر دکاندار میں وہ شرائط موجود ہیں اگر وہ شرائط ثابت کر دیں تو ٹھیک ہے ہم اسے محدث مان لیں گے اگر شرائط نہ ہوں تو جیسے مرزا بغیر شرائط کے امام مہدی ہے، مرزا بغیر شرائط کے مسیح موعود ہے، تو جیسے مرزا کو مسیح موعود کہنے کا گناہ ہے اتنا ہی ان کو اہل حدیث کہنے کا ہے۔

☆ مولانا امین صفدر اوکاڑوی مرحوم ایک کتاب پر تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس دنیا میں اتفاق کے ساتھ ساتھ اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ اختلافات کی تین قسمیں ہیں (۱) ضروریات دین میں اختلاف، اس اختلاف کو اسلام اور کفر کا اختلاف کہا جاتا ہے جیسے انکار ختم نبوت وغیرہ، اس اختلاف میں ہمارا امتیازی نام مسلمان ہے۔ (۲) دوسرا اختلاف سنت اور بدعت کا اختلاف ہے، یہ اختلاف مسلمان کہلانے والوں کا اندرونی اختلاف ہے اس میں ہمارا امتیازی نام اہل السنۃ والجماعت ہے اور ہمارے مخالف فرقے قدریہ، جبریہ وغیرہ اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت میں شامل ہیں۔ (۳) تیسرا اختلاف اہل السنۃ والجماعت کے اندر فروعی اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے، یہ اختلاف صحابہ میں بھی تھا، ائمہ میں بھی اس (اختلاف) میں جو خود اجتہاد کا اہل ہو اس پر اجتہاد واجب ہے اور جو اجتہاد کا اہل نہ ہو اس پر تقلید واجب ہے، اور جو شخص نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ ہی تقلید کرے اسے غیر مقلد کہتے ہیں اس پر تعزیر واجب ہے۔ ان (غیر مقلدین) میں

سے ایک فریق نے تمام احادیث کو ماننے سے انکار کردیا اور عوام میں اپنا نام اہل قرآن رکھ لیا دوسرے فریق نے تقریبا اسی فیصد ایسی احادیث کو ماننے سے انکار کردیا جن پر امت میں متواتر عمل ہوتا چلا آرہا ہے اور اس کے خلاف ایسی احادیث پر عمل شروع کیا جو عملی تواتر والی احادیث کے خلاف ہوں۔ جیسے کوئی متواتر قرآن کو چھوڑ کر شاذ قراءتوں کی تلاوت شروع کردے اور اس فرقے نے اپنا نام اہل حدیث رکھ لیا، اور اہل السنۃ والجماعۃ جو ان احادیث پر عمل کرتے ہیں جس پر عمل متواتر ہے ان کو اہل الرائے کہہ دیا۔ اور شاذ و متروک روایات پر عمل کرنے کا نام عمل بالحدیث رکھ لیا۔

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری مدظلہ لکھتے ہیں۔

علامہ علاء الدین علی متقیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان انسان نما شیاطین کے دجل و اضلال، فتنہ پرور سازشوں اور دجالی طریقہ کار کا تذکرہ کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ:

"انظروا من تجالسون وعمن تأخذون دینکم۔ فان الشیاطین یتصورون فی آخر الزمان فی صور الرجال۔ فیقولون: حدثنا واخبرنا۔ واذا جلستم الی رجل فاسئلوه عن اسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ۔ فتفقدونہ اذا غاب۔"

(تاریخ مستدرک حاکم۔ مسند فردوس دیلمی۔ کنز العمال۔ صفحہ ۲۱۲۔ جلد ۱۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم لوگ یہ دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہو؟ اور کن لوگوں سے دین حاصل کررہے ہو؟ کیونکہ آخری زمانہ میں شیاطین انسانوں کی شکل اختیار کرکے انسانوں کو گمراہ کرنے آئیں گے اور اپنی جھوٹی باتوں کو سچا باور کرانے کے لیے من گھڑت سندیں بیان کرکے محدثین کی طرز پر کہیں گے: حدثنا و اخبرنا مجھے فلاں نے بیان کیا۔ مجھے فلاں نے خبر دی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جب تم کسی آدمی کے پاس دین سیکھنے کے لیے بیٹھا کرو تو اس سے اس کا، اس کے باپ کا اور اس کے قبیلے کا نام پوچھ لیا کرو۔ اس لیے کہ جب وہ غائب ہوجائے گا تو تم اس کو تلاش کروگے۔"

قطع نظر اس روایت کی سند کے اس کا نفس مضمون صحیح ہے۔ بہر حال اس روایت میں چند اہم باتوں کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ مسلمانوں کو ہر ایرے غیرے اور مجہول انسان کے حلقہ درس میں نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ کسی سے علمی استفادہ کرنے سے قبل اس کی پوری تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ یہ آدمی کون ہے؟ کیسا ہے؟ کس خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟۔

۲۔ اس کے اساتذہ کون سے ہیں؟ کس درس گاہ سے اس نے علم حاصل کیا ہے؟۔

۳۔ اس کا علم خود رو اور ذاتی مطالعہ کی پیداوار تو نہیں؟ کسی گمراہ، بے دین، ملحد اور مستشرق اساتذہ کا شاگرد تو نہیں؟۔

۴۔ اس شخص کے اعمال واخلاق کیسے ہیں؟ اس کے ذاتی اور نجی معاملات کیسے ہیں؟ کہیں یہ شعبدہ باز اور دین کے نام پر دنیا کمانے والا تو نہیں؟۔

۵۔ اس کا سلسلہ سند کیا ہے؟ یہ جھوٹا اور مکار تو نہیں؟ یہ جھوٹی اور من گھڑت سندیں تو نہیں بیان کرتا؟ کیونکہ محض سندیں نقل کرنے اور اخبرنا و حدثنا کہنے سے کوئی آدمی صحیح عالم ربانی نہیں کہلا سکتا، اس لیے کہ بعض اوقات مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کافر و ملحد بھی اس طرح کی اصطلاحات استعمال کیا کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر مقرر و مدرس۔ واعظ یا "وسیع معلومات" رکھنے والے "اسکالر" و "ڈاکٹر" کی بات پر کان نہ دھریں۔ بلکہ اس کے بارہ میں پہلے مکمل تحقیق کر لیا کریں کہ یہ صاحب کون ہیں؟ اور ان کے علم و تحقیق کا حدود اربعہ کیا ہے؟ کہیں یہ منکر حدیث، منکر دین، منکر صحابہ، منکر معجزات، مدعی نبوت یا ان کا چیلہ چانٹا تو نہیں؟۔

چنانچہ ہمارے دور میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ریڈیو، ٹی وی یا عام اجتماعات میں ایسے لوگوں کو پذیرائی حاصل ہو جاتی ہے جو اپنی چرب زبانی اور "وسعت معلومات" اور تک بندی کی بنا پر مجمع کو مسحور کر لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے قائل۔ معتقد اور عقیدت مند ہو

جاتے ہیں، ان کے بیانات، دروس اور لیکچرز کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی آڈیو، ویڈیو کیسٹیں، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز بنا بنا کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن جب ان بے دینوں کا حلقہ بڑھ جاتا ہے اور ان کی شہرت آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہے تو وہ کھل کر اپنے کفر و ضلال اور باطل و گمراہ کن عقائد و نظریات کا پرچار شروع کر دیتے ہیں۔ تب عقدہ کھلتا ہے کہ یہ تو بے دین، ملحد بلکہ زندیق اور دہریہ تھا اور ہم نے اس کے باطل و گمراہ کن عقائد و نظریات کی اشاعت و ترویج میں اس کا ساتھ دیا اور جتنے لوگ اس کے دامِ تزویر میں پھنس کر گمراہ ہوئے یا آئندہ ہوں گے، افسوس! کہ ان کے گمراہ کرنے میں ہمارا مال و دولت اور محنت و مساعی استعمال ہوئی ہیں۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اس بات کا بھی بطورِ خاص اہتمام کرنا چاہیے کہ مستند علماء اور اکابر اہلِ حق کے علاوہ کسی عام آدمی کو درس و تدریس کی مسند پر نہ بیٹھنے دیں اور نہ ہی اس کے حلقہ درس میں بیٹھیں۔ کیونکہ حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

"وانما حق العوام ان یؤمنوا ویسلموا ویشتغلوا بعباداتھم ومعایشھم ویترکوا العلم للعلماء۔ فالعامی لو یزنی ویسرق کان خیرا له من ان یتکلم فی العلم۔ فانه من تکلم فی الله وفی دینه من غیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لجة البحر وھو لا یعرف السباحة۔"

ترجمہ۔ "یعنی عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لا کر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں۔ علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں، اس کو علماء کے حوالہ کر دیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے۔"

(احیاء العلوم۔ صفحہ ۳۶۔ جلد ۳)

لہٰذا غیر مستند حضرات دین و مذہب میں دخل نہ دیں اور نہ ہی درس قرآن کی مسندوں پر بیٹھنے کی کوشش کریں۔ آج کل یہ فتنہ قریب قریب عام ہو رہا ہے کہ ہر جاہل و عامی محض اردو کتب اور تراجم کی مدد سے درس قرآن دینے لگا ہے۔ جبکہ یہ بہت خطرناک ہے۔

اس سے دینی، مذہبی اور علمی اعتبار سے نوجوان نسل بہت ہی اضطراب کا شکار ہو رہی ہے۔ کیونکہ وہ دین و مذہب کے بارہ میں علماء سے کچھ سنتے ہیں تو جدید اسکالروں سے کچھ اور۔ لہٰذا وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟۔

(ماہنامہ بینات محرم الحرام ۱۴۳۰ھ۔ مطابق جنوری ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا جلال پوری صاحب دامت برکاتہم کے مذکورہ بالا مضمون کے تسلسل (تناظر) میں ایک اور اقتباس بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

ایک بیوروکریٹ نے اپنے سفرنامہ میں ایک سرکاری غیر ملکی دورے کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب وہ حکومتی وفد کے ساتھ ایک ملک میں گئے۔ وہاں انہیں ایک تربیتی ادارہ کا دورہ کروایا گیا۔ لیکن اس کے بعض حصوں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا گیا کہ یہاں جانے کی اجازت نہیں۔

بیوروکریٹ صاحب کو تجسس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے وہاں ایک عہدہ دار جن سے ان کی بے تکلفی ہو گئی تھی ادارہ کے ان حصوں کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ کسی طرح ان کا وہاں داخلہ ہو گیا۔ موصوف یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے غیر ملکی مہمانوں سے چھپایا جائے۔ مختلف کمروں میں طلباء اپنی پڑھائی میں منہمک تھے۔ ان کی حیرانی دیکھ کر گائیڈ نے بتایا کہ اس شعبہ میں دنیا کے مختلف ممالک سے ذہین ترین لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ انہیں مختلف زبانیں سکھانے کے ساتھ مختلف مذاہب کی مکمل واقفیت کروائی جاتی ہے۔ ان لوگوں سے مختلف کام لئے جاتے ہیں۔ جس ملک میں بھیجنا ہوتا ہے اس ملک کے خاص علاقہ کے گلی۔ بازار۔ سڑکیں اور وہاں کے رہائشی حضرات، کے نام پتا کے علاوہ ان کی مکمل معلومات اس شخص کو یاد کروائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس شخص کو وہاں کے مکمل شناختی کاغذات اور ایک خطیر رقم کے بینک بیلنس کے ساتھ

اس علاقہ میں بھیج دیا جاتا ہے۔ وہ شخص مخصوص گلی میں بار بار چکر لگاتا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتا جاتا ہے۔ جیسے کچھ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر ایک پرانے دکاندار سے ایک ایسے شخص کا پوچھتا ہے جو مدت ہوئی وفات پا چکا ہے۔ معلوم ہونے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ پھر ایک اور صاحب کا پوچھتا ہے۔ وہ بھی یقیناً انتقال کر چکے ہیں۔ یوں اس دکاندار کی توجہ اس شخص کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ محلے کے کچھ دیگر حضرات بھی اس نوجوان کا گہری نظروں سے مطالعہ کرنے لگتے ہیں۔ جو یہاں کے قدیم رہائشی حضرات کے شجرے تک انہیں سنا دیتا ہے۔ کہ فلاں کا بیٹا کیا کر رہا ہے۔ فلاں صاحب آج کل کہاں ہیں۔ جب اس سے استفسار ہوتا ہے کہ صاحب کچھ اپنا بھی اتا پتا تاؤ کہ کہاں سے آئے ہو؟ کس سے تعلق ہے؟۔ اور اتنی درست معلومات کیسے ہیں؟۔ تو وہ صاحب اپنا رٹا ہوا سبق دہرانے لگتے ہیں۔ کہ یہاں جو فلاں صاحب رہتے تھے۔ جب فوت ہوئے تو ان کے بیٹے اپنے بچوں کے ساتھ چلے گئے۔ میں ان کا دوہی پوتا ہوں۔ لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ پھر اپنے فرضی دادا کے مکان کو حسرت سے دیکھتے ہوئے اسے خریدنے کا اظہار کرتے ہیں۔ یوں موجودہ نرخ سے کئی گنا زیادہ رقم دے کر اپنے فرضی دادا کا مکان خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ موصوف نے علاقے والوں کو بتا دیا ہے کہ وہ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ کسی غیر ملک چلے گئے تھے۔ وہاں قسمت نے یاوری کی اور تعلیم حاصل کر کے کسی بڑے عہدے پر فائز ہیں یا کوئی بڑا کاروبار کر رہے ہیں۔ اب اپنے آبائی وطن کی یاد ستائی تو سب کچھ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ پھر سال دو سال یہاں رہتے ہیں۔ علاقہ کی مسجد میں بلاناغہ حاضری دیتے ہیں۔ مذہبی جلسوں میں آگے آگے ہوتے ہیں۔ مسجد وغیرہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر مالی حصہ ڈالتے ہیں۔ علاقہ میں رفاہی کاموں کو اپنی گرہ خاص سے مکمل کرواتے ہیں۔ اور پھر پہلے مسجد کے کونے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ پھر بظاہر یہ بے ضرر سا سلسلہ تدریس ایک خاص نظریہ کی تبلیغ کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ علاقہ کے لوگ ان کی تعلیم اور روپے پیسے سے پہلے ہی مرعوب ہوتے ہیں۔ اب ان کی لچھے دار تقریروں کے گرویدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یوں ان کی مخالفت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک حلقہ

تیار کر کے یہ صاحب یہاں کی رہائش فروخت کر کے کسی دوسرے بڑے علاقہ یا شہر میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر وہاں بڑے پیانہ پر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے یہ میڈیا کے لئے اور میڈیا ان کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا بھی تانتا بندھا رہتا ہے۔ اور یہ اپنی بے دینی اور الحاد کو لفاظی اور دانش وری کے لبادہ میں چھپائے لوگوں کا ایمان بگاڑتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی تفتیش کرتا ہے تو ان کی سابقہ جگہ کے لوگ انہیں وہاں کا رہائشی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صاحب تو کسی دوسرے ملک سے درآمد کئے گئے تھے۔ اس تفصیل کے بعد گائیڈ نے کہا تو صاحب اس شعبہ کا یہ مقصد ہے۔

بیورو کریٹ صاحب نے اپنے اس مطالعاتی دورہ میں جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا۔ اس واقعہ کے پیچھے کتنی لمبی سازش بے نقاب ہوتی ہے خود اندازہ کر لیجئے۔

اس دور میں کسی سے متاثر ہوتے ہوئے ظاہری کمالات پر نظر ہوتی ہے اگرچہ باطنی طور پر وہ کتنا ہی نااہل ہو۔ گذشتہ دنوں پاکستان میں انتہائی کم عرصہ میں لاکھ سے اوپر فروخت ہونے والی ایک کتاب میں فاضل مصنف نے جا بجا البانی کے حوالے دیے ہیں کہ مشہور محدث البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے وغیرہ۔ فاضل مصنف کو ایسی علمی اور تحقیقی کتاب کی احادیث کی صحت کے لئے متقدمین میں سے کسی محدث کا حوالہ دینا چاہیے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سوء ادبی کرنے والے غیر مقلد البانی کا۔ جس نے احادیث کی دیگر کتب کے علاوہ مسلم شریف کی بھی بعض احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ اہل علم کو "تناقضات الالبانی الواضحات مؤلف حسن بن علی السقاف" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس میں ناصر الدین البانی کے سینکڑوں تناقضات کا ذکر موجود ہے۔

ہندو پاکستان کے کئی جید علماء ڈاکٹر ذاکر نائیک سے صرف اس کی چرب زبانی کی وجہ سے متاثر ہیں۔ کسی سے متاثر ہونے کو ماپنے کا ابھی تک کوئی آلہ تو ایجاد نہیں ہوا البتہ اس شخص کے بارے میں کسی کے جو خیالات ہوں وہی تاثر ہوتا ہے۔ اسی سال ۲۰۰۹ء کے اوائل میں پاکستان کے ایک کثیر الاشاعت جریدہ کے ایک مخصوص کالم میں فاضل کالم نگار نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو مختلف چیزوں

میں پروٹین کی مقدار کے حوالہ سے عصر حاضر کا مشہور محقق بتایا۔ حالانکہ یہ چیزیں بہت پہلے سے طے شدہ عام کتب میں مل جاتی ہیں۔ لیکن اسی جریدہ کے اپریل ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں اسی فاضل کالم نگار نے اپنے کالم میں ڈاکٹر نائیک صاحب کے بغیر وضو قرآن چھونے کے عقیدہ پر نقد کیا ہے۔ اگر فاضل کالم نگار اپنے سابقہ کالم میں ڈاکٹر نائیک صاحب کی بطور محقق تعریف پر رجوع کا اعلان بھی فرما دیتے تو بہتر تھا تاکہ آئندہ کوئی ان کی اس تحریر سے متاثر نہ ہو۔ اسی طرح دنیا اسلام کے ایک بہت بڑے مدرسہ کی معروف شخصیت نے یہ فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایسے ملتے جلتے الفاظ مسلمانوں کے ایک متبرک علاقہ کے مشہور واعظ صاحب نے بھی ادا کیے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعات سے علماء کرام کی شان میں گستاخی کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ علماء کرام جن کا عوام میں مقبولیت کا ایک خاص مقام ہو انہیں اپنے تاثرات کا اظہار محتاط الفاظ میں کرنا چاہیے۔

اسی طرح بعض حضرات نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ ڈاکٹر صاحب کے رد میں کتاب لکھ کر فضول کام میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نہ صرف ایک مشہور شخصیت ہے بلکہ وہ غیر مسلموں سے مناظروں کے ذریعے اسلام کی بہت خدمت کر رہا ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ مجھ جیسے یا دو چار مولویوں کو قائل کر لیں گے لیکن ڈاکٹر صاحب سے متاثر ہونے والی ایک پڑھی لکھی کثیر تعداد کو کیسے قائل کریں گے؟۔ اس کے جواب میں بلا تبصرہ ایک واقعہ پیش کرنا ہی کافی ہوگا۔

جب ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے شہر لدھیانہ میں اپنی مجددیت کا اعلان کیا تو بہت سے لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ کے دادا مولانا محمد لدھیانوی ؒ کے بھائی مولانا مفتی عبداللہ لدھیانوی رحمہ اللہ نے اعلان کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مجدد یا بزرگ نہیں بلکہ انتہاء درجہ کا ملحد اور زندیق ہے۔ اس کے جواب میں مرزا کے حامیوں نے کہا کہ تم مرزا غلام احمد قادیانی کی شہرت سن کر حسد میں مبتلا ہو گئے ہو۔ جب مفتی عبداللہ لدھیانوی ؒ

۔ان کے بھائی مولانا محمد لدھیانوی ؒ اور مولانا شاہ عبدالعزیز لدھیانوی ؒ کے علاوہ لدھیانہ کے دیگر علماء کرام نے بھی مرزا قادیانی کے عقائد کی روشنی میں کفر کا فتویٰ صادر کیا تو علماء لدھیانہ کے فتویٰ کی ابتدائی طور پر کافی مخالفت ہوئی۔ کیونکہ اس وقت مرزا قادیانی عیسائی پادریوں کے مقابلے میں مناظر کی حیثیت سے شہرت پا چکا تھا۔ چنانچہ اس فتویٰ کی تصدیق کے لئے دارالعلوم دیوبند سے رابطہ کیا گیا۔ تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ اور دیگر علماء ہندوستان نے اس فتویٰ پر تصدیقی دستخط ثبت فرمائے۔ یہ فتویٰ فتاویٰ قادریہ کے نام سے طبع ہوا۔ بعد کے واقعات نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و عزائم کا پردہ چاک کر دیا۔

ع تاخیر ہوئی تو سبب تاخیر بھی تھا

کتاب لکھنے سے لے کر طباعت تک جن نشیب و فراز سے گزرنا پڑا وہ ایک الگ داستاں ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی خرافات سے آگاہی کے بعد ادھر ادھر نظر دوڑائی تو حیرانی ہوئی کہ ابھی تک ذاکر نائیک کی فکری گمراہی پر کوئی کام نہیں ہوا۔ اور تادم تحریر کوئی کام سامنے بھی نہیں آیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس فتنہ سے خبردار کرنے کی غرض سے اپنی کم مائیگی اور سابقہ کتاب ''المنتخب من الاحادیث'' کی طباعت کے دل سوز تجربہ کے باوجود ہمت باندھ کر تیار ہو گیا۔ موضوع (عنوان) پر کام شروع کیا۔ ایک صاحب نے دلچسپی لی اور اس پراجیکٹ پر ہونے والے اخراجات میں حصہ دار بن گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہ سوچ کر پیچھے ہٹ گئے کہ ایسے معروف شخص کے خلاف لکھنا کاروباری طور پر مفید نہ رہے گا۔ چنانچہ موصوف پسپا ہوتے ہوئے اس کاوش پر ہونے والے تمام اخراجات کو راقم کے کندھوں پر ڈال کر ایک طرف ہو گئے۔ ابھی اسی سے سنبھالا نہ ملا تھا کہ کمپوزر صاحب کی ہارڈ ڈسک خراب ہو گئی اور کمپوز شدہ تمام ڈیٹا ختم ہو گیا۔ کئی ماہ تک وہ بہانے بناتے رہے۔ بالآخر دوبارہ کمپوز کر کے دیا تو اس میں پہلے سے بھی زیادہ اغلاط تھیں۔ بہ امر مجبوری اسی پر اکتفاء کیا کیونکہ انہیں پیشگی اجرت ادا کی جا چکی تھی۔ پھر اس مسودہ پر دوبارہ سے محنت کی۔ ایک اور صاحب نے کمپوزنگ کا بیڑا اٹھایا لیکن پروفیشنل کمپوزر نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی راقم کے لئے آسانی

کا سبب نہ بن سکے۔ اس دوران راقم کی چھوٹی ہمشیرہ کے دماغ میں کینسر کے موذی مرض کی تین رسولیاں تشخیص ہوئیں۔ انسان کی زندگی نہ تو کوئی کم کرسکتا ہے اور نہ ہی بڑھا سکتا ہے۔ اگر زندگی کا سفر سکون سے کٹ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑی کرم نوازی ہے۔ اسی جذبہ کے تحت اپنی ہمشیرہ کی تیمارداری میں کچھ وقت کٹ گیا۔ اور وہ چھ ماہ بعد پرسکون طریقے سے سفر آخرت پر روانہ ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور تقصیرات سے درگذر فرمائے۔ آمین۔

اس امر ربی سے فراغت کے بعد کتاب کی طرف دوبارہ توجہ دی۔ اس دوران یکے بعد دیگرے کئی حضرات نے اسے طبع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر کچھ تو نا معلوم وجوہات کی بناء پر اور بعض اعلانیہ وجوہات کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے اور راقم اس سفر پر پھر تنہا رہ گیا۔ بقول ثانی:

ع چہ پری از سر و سامان من عمر یست چوں کا کل

بات چل رہی تھی ہمدردوں کی۔ چنانچہ بعض ہمدردوں کا خیال تھا کہ اس کتاب کا مسودہ عقیدت کی پلیٹ میں سجا کر ان کے حضور پیش کر دیا جاتا تا کہ وہ خود اسے امت مسلمہ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔ ان کے نام کی وجہ سے اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوتے۔ اور اس چھوٹے سے عمل کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ صاحب تحقیق کو اجر اخروی سے اور طالب [redacted] کو اجر دنیاوی کے مستحق ٹھہراتے۔ یوں دونوں حضرات کو بقدر نیت اپنا اپنا حصہ مل جاتا لیکن بقول اقبال مرحوم۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

(بانگ درا)

راقم اس مسودہ پر کما حقہ کام نہیں کر سکا۔ کیونکہ فقدان تو بہت سی چیزوں کا تھا لیکن کتابوں کا فقدان سب پر حاوی رہا۔ ایسے میں خاص موضوعات پر سیر حاصل بحث کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں کمی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ امید ہے

اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد ہمارے علماء کرام اپنے اپنے انداز میں اس موضوع پر مزید تفصیل سے لکھیں گے۔

اب جس کا جی چاہے وہی پائے روشنی
ہم نے تو جی جلا کے سرِ راہ رکھ دیا

فقط

الفقر الی اللہ الاحد الواحد

سید عطیق احمد ساجد

یوم الجمعہ۔۲۳ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

تعارف ڈاکٹر ذاکر نائیک

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب 18 اکتوبر 1965ء کو انڈیا کے علاقہ تمدل سٹریٹ شمالی دونگری بمبئی میں پیدا ہوئے۔ عیسائیوں کے سینٹ پیٹرز ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ ہندوؤں کے کرشن چندر چلے رام کالج بمبئی سے ایف ایس سی کی۔ اور ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج بمبئی سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوؤں سے اتنی مناسبت پیدا ہوگئی کہ اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی طرح وحدت ادیان کا درس دینا شروع کر دیا۔

شیخ سعدیؒ نے گلستان سعدی میں ایک حکایت درج کی ہے۔

گلے خوش بوئے درحمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک روز حمام میں کسی دوست نے مجھے خوشبودار مٹی دی۔ میں نے مٹی سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل آویز مہک سے میں بے خود ہو گیا ہوں۔ اس نے بزبان حال کہا کہ میں تو ایک بے فائدہ چیز تھی لیکن ایک مدت تک خوشبودار پھول کی صحبت میں رہی۔ پس ہم نشیں پھول کے جمال اور مہک ہی نے میرے اندر یہ اچھا اثر ظاہر کر دیا۔ اگر اس پھول کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں بے فائدہ مٹی ہی رہتی۔

اور اکبر الہ آبادی مرحوم نے حالات حاضرہ کے مطابق اسے کچھ جدید کر دیا ہے۔

یکے ڈی علم در اسکول روزے	فتاد از جانب پبلک بدستم
بدو گفتم کہ کفری یا بلائی	کہ پیش اعتقادات تو پستم
بگفتا مسلم مقبول بودم	ولے یک عمر با ملحد نشستم
جمال نیچری در من اثر کرد	وگرنہ من ہماں شیخم کہ ہستم

ایک روز سکول میں ایک تعلیم یافتہ شخص عوام کی جانب سے میری طرف آ گیا۔ میں نے پوچھا کہ تو کافر ہے یا کوئی اور بولا۔ کہ میں بھی تیرے نظریات کے سامنے ہیچ ہوں۔ تو اس نے کہا کہ میں عام مسلمان ہی تھا لیکن میں ایک عرصہ تک بے دین کے ساتھ بیٹھتا رہا ہوں۔ ملحد کی گمراہ کن روشن خیالی کے نظریہ نے مجھ میں یہ انقلاب پیدا کیا ہے۔ (اگر میں اس ملحد کی صحبت اختیار نہ کرتا تو) میں وہی کامل مسلمان ہوتا۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب بھی فکر ولباس کی وضع وقطع کے لحاظ سے اس کا واضح ثبوت ہیں۔ علوم قرآنی سے بے بہرہ تو ہیں ہی۔ تفسیر بالرائے بھی کرتے ہیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ تفسیر میں تحریف کرتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ علوم حدیث کی مبادیات سے بھی واقف نہیں۔ اباحیت پھیلانا چاہتے ہیں۔ غیر مقلدیت کا پرچار کرتے ہیں۔ یزیدیت کے داعی ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تو ہیں ہی گنہگار مسلمانوں کے لئے شفاعت بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وحدت ادیان کا اتنا غلبہ ہے کہ اپنے آپ کو ہندو کہنا پسند کرتے ہیں۔ کیکڑے وبکرے سب مرغوب ہیں۔ مجبر العقول حافظے کا یہ حال ہے کہ قرآن میں "فلان" کے لفظ سے لاعلم ہیں۔

احمد دیدات سے ۱۹۹۴ء میں ملاقات کے بعد ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "احمد دیدات بمبئی آئے تو میں نے اپنے پیشے کو جسم کے ڈاکٹر کے بجائے اس لائن میں اپنا لیا کیونکہ داعی کا پیشہ ڈاکٹر سے بہت بہتر ہے۔"

ایک جولاہے کو سٹیل فکسر اور ایک ڈرائنگ ماسٹر کو آرکیٹکٹ کہنے سے اتنا فرق نہیں پڑے گا جتنا کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کو اسلامی سکالر کہنے سے۔ جبکہ وہ خود اقرار کرتا ہو کہ مجھے عربی آتی ہی نہیں۔ صرف انگلش لٹریچر پر گذارا ہے۔ نہ قرآن حفظ کیا اور نہ ہی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اگر ڈاکٹر ذاکر صاحب کا طریقہ فکر اور جدید اسلام کے قواعد کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو ان علماء، مدارس یا کتب کی نشاندہی کیجئے جو اس کی ترجمان ہیں۔ اگر دنیا میں کوئی فن بھی ماہرین فن کی صحبت اور تربیت کے بغیر صرف مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہو سکتا تو دین کا فہم اس

اصول سے کیوں مستثنیٰ ہے؟۔ علم چند کتابیں پڑھ لینے سے نہیں بلکہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے آتا ہے۔ ور شُور۔ شیر (جانور)۔ ڈور۔ طور اور پَر۔ شیر (دودھ)۔ ڈور۔ طور کا فرق استاد ہی سمجھائے گا۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی ایک تقریر میں کہتے ہیں:

"فرض کریں کسی شخص کو امراض قلب نے گھیر رکھا ہے۔ وہ دل کا مریض ہے۔ تو کیا اس صورت میں وہ کسی علم طب سے ناآشنا شخص کے مشورے کو اہمیت دے گا یا پھر امراض دل میں اختصاص کا درجہ رکھنے والے کسی نامور فزیشن کی رہنمائی کو زیادہ وقعت دے گا۔ وہ اس ان پڑھ اور اناڑی شخص کی بجائے فطری بات ہے کہ دل کے سپیشلسٹ ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرے گا کیونکہ وہ اس کے مرض کی کیفیت کو جانتا ہے۔ وہ اس کا بہتر معائنہ کر کے اسے تشخیص اور علاج کے لیے بہتر مشورہ دے گا جبکہ ایک انجان اور اناڑی شخص اسے مزید پریشانی سے دوچار کرنے کا موجب بن سکتا ہے"۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے آئینہ میں ان کی شخصیت کو دیکھ لیں کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

اس سے پہلے کہ ہم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی فکری گمراہیوں کا تجزیہ کریں۔ ان سے پہلے بھی جو حضرات دین میں جدیدیت کا پیوند لگانے کی کوشش کر چکے ہیں۔ ان کا مختصر تعارف علماء کرام کی زبانی آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ان متجددین کا اجمالی ذکر اس لئے کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ شخصیتوں کے علیحدہ ہونے کے باوجود ان کے افکار الفاظ کے الٹ پھیر کے ساتھ آپس میں کس قدر مربوط ہیں۔

☆ فکر سر سیّد احمد خان ولد میر متقی خان کے چند اہم نکات

☆ ملائکہ اور شیطان کوئی الگ مخلوق نہیں۔ یہ انسان میں خیر و شر کی قوتوں کے نام ہیں۔

☆ جنات سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں۔

☆ کسی نبی سے کسی قسم کا معجزہ مافوق الفطرت اور خلاف عقل واقع نہیں ہوا۔

☆ قرآن مجید میں انبیاء سے منسوب محیر العقول واقعات محض قوئی انسانی کی قوت کا مظہر ہیں۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا نہیں ہوئے کیونکہ قانون فطرت کے برخلاف ایسا نہیں ہو سکتا۔

☆ ٹٹ پونجیے عربی مدرسوں سے ہماری کوئی قومی عزت نہیں۔ اس سے کاہل۔ مال مردم خور۔ بے محنت اور خیرات کی روٹی کھانے والے ملانوں کا گروہ بڑھتا جائے گا۔

☆ اعلیٰ عہدے صرف لائق انگریزی دانوں کو دیے جانے کی پالیسی میں سختی ہونی چاہیے۔

☆ خدا لارڈ میکالے کو بہشت نصیب کرے۔ اس سے زیادہ ہندوستان کو بھلائی پہنچانے والا کوئی اور نہیں۔

☆ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور نمک حلالی خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔

☆ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو۔ مسلمان اور عیسائی بھی جو ہندوستان میں رہتے ہیں سب ایک ہی قوم ہیں۔

(افکار سرسید مرتبہ ضیاء الدین لاہوری۔ مزید تفصیل کے لئے نقش سرسید۔ سرسید کی کہانی۔ حیات سرسید۔)

قرآن مجید کی فصاحت بے مثل کو معجزہ سمجھنا ایک غلط فہمی ہے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ کا یہ مقصد نہیں ہے۔ (تصانیف احمدیہ۔ حصہ ا۔ جلد ا۔ صفحہ ۲۱)

جس مجموعہ مسائل و احکام و اعتقادات وغیرہ پر فی زمانتا اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ یقیناً مغربی علوم کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ (بروایت حالی۔ حیات جاوید۔ جلد ا۔ صفحہ ۲۴۵)

میں فرض سمجھتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں (میں اپنے تئیں لکھے پڑھوں میں نہیں سمجھتا) وہ حال کے علوم جدیدہ کا مقابلہ کریں اور اسلام کی حمایت میں کھڑے ہوں اور مثل علماء سابق کے یا تو مسائل حکمت جدیدہ کو باطل کر دیں یا مسائل اسلام کو ان کے مطابق کر دیں کہ اس زمانہ میں صرف یہی صورت حمایت اور حفاظت اسلام کی ہے۔ (مقالات سرسید۔ صفحہ ۱۰)

☆ مفسرین کی کتابیں

تمام مفسرین کی سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ (ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم۔ مطبع مفید عام آگرہ۔ صفحہ ۱۲)

تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں خواہ وہ تفسیر ابن جریر ہو یا تفسیر کبیر وغیرہ اور خواہ وہ سیرۃ ابن اسحاق ہو خواہ سیرت ابن ہشام اور خواہ وہ روضۃ الاحباب ہو یا مدارج النبوۃ وغیرہ۔ ان میں تو اکثر ایسی لغو اور نامعتبر روایتیں اور قصے مندرج ہیں جب کا نہ بیان کرنا ان کے بیان کرنے سے بہتر ہے۔
(آخری مضامین۔ صفحہ ۱۳۵)

☆ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم و کاست موجودہ قرآن میں۔ جو در حقیقت آں حضرت صلعم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود

ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے۔

(تفسیر القرآن۔ جلد ا ۔ صفحہ ۱۹۳)

ہم نے تمام قرآن میں کوئی ایسا حکم نہیں پایا اور اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ا ۔ صفحہ ۱۹۷)

میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے اور نہ علمائے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے۔ مگر علمائے متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے۔

(تفسیر القرآن۔ جلد ا۔ صفحہ ۴)

☆ کتب احادیث کی روایات

تمام کتب احادیث اور بالتخصیص کتب تفاسیر اور سیر اس قسم کی روایات کا مجموعہ ہیں جن میں صحیح اور غیر صحیح اور قابل تسلیم اور نا قابل تسلیم حدیثیں اور روایتیں مندرج ہیں۔ (آخری مضامین۔ صفحہ ۱۳۰)

تمام کتب مذہبیہ جو اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ہمارے ہاتھ میں ایسی نہیں آتی جس میں کوئی نہ کوئی ایسی بڑی غلطی ہمارے سامنے نہ آتی ہو جو اسلام کی سچی اور صحیح حقیقت کو واہی اور خیالی امر کی طرف مائل نہ کر دیتی ہو۔

(بحوالہ مجموعہ لیکچرز و سپیچ نواب محسن الملک۔ طبع نول کشور پرنٹنگ پریس۔ صفحہ ۳۶۷)

غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں، کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں۔ جس میں سے کنکر، پتھر، کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع، جھوٹی اور سچی۔ مسند اور بے سند۔ ضعیف و قوی۔ مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈ مڈ ہیں۔ (خطبات احمدیہ۔ صفحہ ۸)

☆ اجتہاد اور فقہ

اس معصوم اور سیدھے سادھے، سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سد حاوث وصفائی و بے تکلفی سے جاہل، ان پڑھ۔ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اس میں وہ

نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیوی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور منطقیہ ملائی گئیں کہ اس میں اس صفائی اور سدعاوت اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا۔ بہ مجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی۔ (تہذیب الاخلاق۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۳۹)

☆تقلید کا عمل

یہ بات سچ ہے کہ ہم کو متعدد مسائل میں مسلمانوں سے اختلاف ہے۔ ہم تقلید کو تسلیم نہیں کرتے۔ مذہب کو تقلیداً قبول کرنے سے تحقیقاً اس پر ایمان لانا بہتر جانتے ہیں اور اسی طرح اور بہت سے مسائل اعتقادی و تمدنی ہیں جن سے یا جن کے طرز بیان و طریقہ استدلال سے ہم کو اختلاف ہے۔ (مقالات سرسید۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۰۷)

جس قدر نقصان اسلام کو تقلید نے پہنچایا ہے اتنا کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ سچے اسلام کے حق میں تقلید سنکھیا سے بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ بلاشبہ ہم نے علماء کو مثل یہود و نصاریٰ کے ارباباً من دون اللہ سمجھ لیا ہے۔ (خطوط سرسید۔ صفحہ ۱۰۰)

ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایت اس میں پائے اس پر عمل کرے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی رائے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے .... ہر شخص آپ اپنے لیے مجتہد ہے۔ (خطبات احمدیہ۔ صفحہ ۱۸۲)

میں سچ اپنے دل کا حال کہتا ہوں کہ اگر خدا مجھ کو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقات حقیقت اسلام کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو یقینی مذہب کو چھوڑ دیتا۔ (خطوط سرسید۔ مرتبہ سید راس مسعود۔ مطبع نظامی پریس بدایوں۔ صفحہ ۹۳)

☆نیچری

جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے۔ خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان۔ نہ مقلد نہ لامذہب۔ نہ یہودی نہ عیسائی۔ وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے۔ وہ خود اپنے کو نیچری کہتا ہے۔ پھر اگر ہم

بھی نیچری ہوں تو اس سے زیادہ ہم کو کیا فخر ہے۔(مقالات سرسید۔جلد ۱۵۔صفحہ ۱۴۷)
جتنے پیغمبر گزرے سب نیچری تھے۔خدا خود نیچری ہے۔جب لوگوں نے نیچر کے قوانین کو چھوڑا تب ہی اس نے پیغمبر بھیجا۔جو پیغمبر آیا اس نے کیا کیا؟ پھر لوگوں کو نیچر کا رستہ بتایا اور جتنا بگاڑا تھا اتنے کو پھر سنوارا۔جب موسیٰ سے نیچر لسٹ (Naturalist) کو لوگوں نے مجنون کہا تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں؟ ہم کو جو چاہیں کہیں۔(مقالات سرسید۔جلد ۱۵۔صفحہ ۱۵۲)

☆ وحی اور الہام

جس طرح کہ انسان میں اور قویٰ ہیں اسی طرح ملکہ وحی والہام بھی اس میں ہے.....ملکہ الہام ووحی بھی بعض انسانوں میں معدوم ہوتا ہے۔بعض میں کم ہوتا ہے۔بعض میں زیادہ اور بعض میں بہت زیادہ۔(مقالات سرسید۔جلد ۱۳۔صفحہ ۲۸۸)
مطلق وحی آنا صرف انبیاء ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ انبیاء کے سوا مقدس لوگوں پر بھی وحی آتی ہے۔
(تبیین الکلام۔جلد ۱۔صفحہ ۷)

☆ کلام اللہ کا نزول

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ انبیاء اور اولیاء کوئی غیبی آواز نہیں سنتے۔سنتے ہوں گے۔مگر وہ خدا کی آواز نہیں ہے۔بلکہ وہ اس القاء کا اثر ہے جو ان پر ہوا ہے اور وہ ان ہی کے نفس کی آواز ہے جو ان کے کان میں آتی ہے۔وہ بیداری میں اسی طرح آواز کو سنتے ہیں جیسے کہ سوتے میں خواب دیکھنے والا سنتا ہے یا جیسے کہ بعض وقعہ لوگوں کو جو کسی خیال میں مستغرق ہیں۔بغیر کسی بولنے والے کے کان میں آواز آتی ہے۔(تفسیر القرآن۔جلد ۳۔صفحہ ۲۳۹)

☆ ملائکہ واجنہ وشیطان

قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہے۔بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے.....فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دیتے ہیں۔ان کا ظہور

بالشمول مخلوق موجود کے نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۹)

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قوتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۹)

☆ جبریل کی حقیقت

وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے۔ مگر مفسرین نے اس کا بیان کر دہ کیونکر دی جاتی ہے ٹھیک طور پر نہیں کیا۔ انہوں نے خدا اور رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے۔ اور جبریل کو ایک مجسم فرشتہ "بادشاہ وزیر میں ایلچی پیغام لے جانے والا" قرار دیا ہے۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۹)

خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے۔ وہی پڑھتا ہے وہی مطلب بتاتا ہے۔ اور یہ سب کام اسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قویٰ انسانی کے انبیاء میں بمقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کی ہے۔ اور وہی قوت ناموس اکبر ہے اور وہی قوت جبریل پیغامبر۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۰)

قرآن مجید میں جن کو ملائکہ حفظہ کہا گیا ہے وہی کراما کاتبین ہی...... حفظہ سے مراد کوئی وجود خارج از انسان مراد نہیں ہے۔ بلکہ حفظہ کا اور کراما کاتبین کا جن کو مفسرین متعدد مانتے ہیں صرف قویٰ انسانی پر اطلاق ہوا ہے۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۷۔ صفحہ ۴۴)

☆ جنوں کی مخلوق

جہاں جن کے لفظ کا فی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے اس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں۔ جو پوری پوری تمدنی حالت میں نہیں ہیں۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۵۔ صفحہ ۱۶۵)

ان وحشی اور جنگلی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سلیمانؑ کی سرکار میں عمارت کے لئے پہاڑ سے پتھر لاتے اور جنگلوں سے لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے۔ قرآن مجید میں جن کا اطلاق

ہوا ہے۔(تفسیر القرآن۔جلد۵۔صفحہ ۱۶۷)

☆شیطان کی اصلیت

میں شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود ہے۔خارج عن الانسان نہیں۔
(تہذیب الاخلاق۔جلد۲۔صفحہ ۳۳۶)

لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج من الانسان مراد لیا جائے تو ضرور قرآن مجید کو نعوذ باللہ غلط یا خلاف واقعہ ماننا پڑے گا۔کیونکہ حقیقت میں کوئی وجود خارجی مغوی للانسان موجود نہیں ہے۔
(تہذیب الاخلاق۔جلد۲۔صفحہ ۲۱۱)

جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں انہوں نے خود اپنی صورت ہی آئینہ میں دیکھی ہے۔(تہذیب الاخلاق۔جلد۲۔صفحہ ۲۱۱)

☆معجزات وکرامات پر اعتقاد

انسان کے دین اور دنیا اور تمدن و معاشرت بلکہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزہ پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔(مقالات سرسیدؒ۔جلد۱۔صفحہ ۱۲۳)

☆آتش نمرود

حالانکہ قرآن مجید کی کسی آیت میں اس بات پر نص نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ درحقیقت آگ میں ڈالے گئے تھے۔بے شک ان کے لیے آگ دہکائی گئی تھی اور ڈرایا گیا تھا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیں گے۔مگر یہ بات کہ درحقیقت وہ آگ میں ڈالے گئے،قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔(تفسیر القرآن۔جلد۸۔صفحہ ۲۰۶۔۲۰۸)

خدا نے ہم کو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلا دینے والی ہے۔پس جب تک یہ قانون فطرت قائم ہے اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔
(تحریر فی اصول التفسیر۔صفحہ ۴۰)

☆ مردہ پرندوں کا احیاء

یہ قصہ……ایک رویا حضرت ابراہیم کا ہے۔ انہوں نے رویا میں خدا سے کہا کہ مجھ کو دکھلا یا بتا کہ تو کس طرح مردے کو زندہ کرے گا۔ پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے انہوں نے چار پرند جانور لیے اور ان کا قیمہ کر کے ملا دیا اور پہاڑوں پر رکھ دیا۔ پھر بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے اور ان کے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے، جن کے اجزا بعد مرنے کے عالم میں مخلوط و منتشر ہو جاتے ہیں طمانیت ہوگی۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۹۲)

☆ حضرت یونس علیہ السلام کے معجزات

حضرت یونس کے قصے میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ در حقیقت مچھلی ان کو نگل گئی تھی۔ (تحریر فی اصول التفسیر۔ مطبع مفید عام آگرہ۔ صفحہ ۵۷)

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۴)

☆ آسمان پر زندہ اٹھ جانا

حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا۔ نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۸)

☆ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

بہت بڑا گروہ علماء کا اس بات کا قائل ہے کہ معراج ابتداء سے انتہا تک حالت بیداری میں اور بجسدہ ہوئی تھی مگر اس کے ثبوت کے لیے ان کے پاس ایسی ضعیف دلیلیں ہیں جن سے امر مذکور ثابت نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۶۔ صفحہ ۷۵)

قرآن مجید میں کہیں بیان نہیں ہوا ہے کہ اسرا یا معراج بجسدہ وحالت بیداری میں ہوئی تھی۔

(تفسیر القرآن۔ جلد ۶ ۔ صفحہ ۸۰)

شق قمر کا ہونا محض غلط ہے اور بانی اسلام نے کہیں اس کا دعویٰ نہیں کیا۔ (تصانیف احمدیہ۔ مطبع انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ۔ حصہ ا ۔ جلد ا ۔ صفحہ ۲۱)

☆ حجر اسود کا ورود

جو حدیثیں نسبت حجر اسود کے بارے میں وارد ہیں کہ وہ بہشت کا پتھر ہے اور چٹیں و چناں۔

وہ ضعیف ہیں۔ سند کامل نہیں رکھتیں۔ (خطوط سرسید۔ صفحہ ۸۲)

جو بات محقق ہے وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بناء ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا۔ (خطبات احمدیہ۔ صفحہ ۱۲۸)

صحیح بات صرف اس قدر ہے کہ یہ پتھر جبل ابو قبیس کا "جو مکہ کے پاس ہے" ایک پتھر ہے۔ (خطبات احمدیہ۔ صفحہ ۳۱۴)

☆ زمزم

زمزم کی نسبت ایسی ایسی دوراز کار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہے۔ حتیٰ کہ یہ چشمہ پرانا ہے اور اسی قدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغہ سے وہ روایتیں بنائی گئی ہیں۔ (الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ۔ مطبع مسلم پرنٹنگ ورکس لاہور۔ صفحہ ۳۳۶)

☆ طوفان نوح علیہ السلام

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے علماء نے صرف یہودیوں کی پیروی کر کے طوفان کا عام ہونا قرآن مجید سے نکالنا چاہا تھا ورنہ ہمارے قرآن مجید سے عام ہونا طوفان کا نہیں پایا جاتا۔ (تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام۔ مطبع پرائیویٹ پریس سرسید غازی پور علی گڑھ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۲)

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ امام مہدی

ہمارے نزدیک تو نہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے اترنے والے ہیں۔ نہ مہدی موعود پیدا یا ظاہر ہونے والے ہیں۔ (آخری مضامین۔ مرتبہ امام الدین گجراتی۔ مطبع رفاہ عام پریس لاہور۔ صفحہ ۱۰۴)

مہدی کے آنے کی کوئی پیش گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسے کہ دجال اور مسیح کے آنے کی۔ (تہذیب الاخلاق۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۳۴)

☆ یاجوج وماجوج کی ماہیت

ہمارے نزدیک...... یاجوج وماجوج تاتاری ترکوں کی ایک قوم تھی۔ اور اب بھی ہے۔ جو چین کے کنارہ پر آباد تھی۔ جن کے فسادات اور لوٹ مار روکنے کو چین کے ایک بادشاہ نے ایک دیوار بنائی تھی جو اب بھی ٹوٹی پھوٹی موجود اور عجائبات دنیا میں شمار ہوتی ہے۔ اور قوم یاجوج ماجوج نہ کہیں قید ہے اور نہ کہیں بند ہے۔ (ازالۃ الغین۔ صفحہ ۱۲)

اب اس زمانہ میں تمام تاتار پر جو یاجوج وماجوج کی قوم ہے، چینیوں کی عمل داری ہے۔ جو چینی ترکستان کے نام سے موسوم ہے۔ یاجوج وماجوج یعنی تاتاری قوم تمام دنیا میں پڑے پھرتے ہیں۔ نہ کسی کے کان بڑے ہیں اور نہ کسی کا گوشت کھاتے ہیں۔ خاصے بھلے چنگے آدمی ہیں۔ (ازالۃ الغین عن ذی القرنین۔ مطبع مفید عام اکبرآباد۔ صفحہ ۲۵)

قرب قیامت کے یاجوج وماجوج کا نکلنا عیسائیوں اور یہودیوں کا اعتقاد ہے۔ قرآن مجید سے اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ (تفسیر القرآن۔ جلد ۸۔ صفحہ ۲۵۳)

☆ عذاب قبر

اگر عذاب قبر میں گنہ گاروں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور کاٹنا بیان کیا جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ درحقیقت سچ مچ کے یہ سانپ جن کو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ مردے کو چمٹ جاتے ہیں۔ بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی ہے اس کا حال انسانوں میں اس رنج وتکلیف ومایوسی

کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا میں سانپوں کے کاٹنے سے انسان کی ہوتی ہے۔عام لوگ اور کٹ ملا اس کو واقعی سانپ سمجھتے ہیں۔(تہذیب الاخلاق۔مرتبہ منشی فضل الدین۔طبع مصطفائی پریس لاہور۔جلد۲۔صفحہ۱۲۵)

☆ لامذہبی اور اسلام

اسلام ایک سیدھا سادھا بے کھسر وپیچ مذہب ہے۔کہ لامذہبی بھی جو لوگوں نے اپنے خیال میں سمجھ رکھی ہے در حقیقت اسلام ہی کا ایک نام ہے۔عدم محض کا تو وجود ہی نہیں ہے۔پس لامذہب بھی کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہوگا اور وہی اسلام ہے۔(مقالات سرسید۔جلد۱۔صفحہ۱۷)

☆ سمت قبلہ

نماز کے لیے کسی طرف منہ کرنا اور سمت قبلہ ٹھہرانا اسلام کے اصلی اور لازمی احکام میں سے نہیں ہے۔(تفسیر القرآن۔طبع انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ۔جلد۸۔صفحہ۲۰۵)

☆ اہل کتاب کا ذبیحہ

......میں نے یہ بات لکھی اور اس پر عمل بھی کیا کہ عیسائیوں کے ہاتھ کے مارے ہوئے جانور کو جس طرح پر کہ ان کے علماء کے نزدیک مارنا درست ہو اور گو وہ طریقہ کیسا ہی ہمارے مذہب کے طریق ذبح سے مختلف یا متناقض ہو اور اگر بموجب ہمارے اصول مذہب کے اس پر ذبیحہ کا اطلاق ہی نہ ہو سکتا ہو، کھانا شرعاً درست ہے۔(مسافران لندن۔مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی۔طبع مجلس ترقی ادب لاہور۔صفحہ۱۶۱)

اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا ذکوٰۃ سمجھتے ہوں تو بھی اس کا کھانا درست ہے۔(احکام طعام اہل کتاب۔طبع منشی نول کشور کانپور۔صفحہ۱۷)

☆ عیسائیوں کے ساتھ دوستی

قرآن مجید کے موافق اگر کوئی فرقہ ہمارا دوست ہوسکتا ہے تو وہ عیسائی ہیں۔(مکتوبات سرسید۔صفحہ۲۱)

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کا الہامی دعویٰ

حضرت مرزا صاحب کی نسبت زیادہ کندہ کاوش کرنی بے فائدہ ہے۔ایک بزرگ زاہد۔نیک بخت آدمی ہیں۔جو کچھ خیالات ان کو ہو گئے ہیں، ہو گئے ہوں۔ بہت سے نیک آدمی ہیں جن کو اس قسم کے خیالات پیدا ہو چکے ہیں۔ہم کو ان سے نہ کچھ فائدہ ہے نہ کچھ نقصان۔ان کی عزت اور ان کا ادب کرنا بسبب ان کی بزرگی اور نیکی کے لازم ہے۔ان کے خیالات کی صداقت وعدم صداقت سے بحث محض بے فائدہ ہے۔ہمارے مفید صرف ہمارے اعمال ہیں۔ان کے اچھے ہونے پر کوشش چاہیے۔(مقالات سرسید۔صفحہ ۲۴۴)

☆ مودودی صاحب

☆ مودودی صاحب کہتے ہیں۔

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے کہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا"۔

(روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم۔صفحہ ۳۷)

مودودی صاحب کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں عقیدہ

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے"۔(دستور جماعت اسلامی پاکستان۔صفحہ ۱۴)

مزید ارشاد ہے۔

"معیار حق تو صرف اللہ کا کلام اور اس کے رسول کی سنت ہے۔صحابہ معیار حق نہیں ہیں بلکہ اس

معیار پر پورے اترتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسوٹی سونا نہیں ہے لیکن سونے کا سونا ہونا کسوٹی پر کسنے سے ثابت ہوتا ہے"۔ (ترجمان القرآن۔ اگست ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۸۰/۴)

☆ مودودی صاحب کا انبیاء کی عصمت کے بارے میں عقیدہ

"عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لوازم ذات سے نہیں۔ اور ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں"۔ (تفہیمات۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۷۔ طبع ششم۔)

☆ مودودی صاحب کا اصول حدیث کے بارے میں عقیدہ

"اصول روایت کو تو چھوڑ دیجئے کہ اس دور تجدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا ہے"۔ (ترجمان القرآن جلد ۱۲۔ شمارہ ۲۔ صفحہ ۱۱۱)

مزید فرماتے ہیں۔

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول جان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔........ دین کا فہم جو ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت سے ثابت ہو ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جائے۔ علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے"۔ (رسائل ومسائل۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۰)

☆ مودودی صاحب کے نزدیک "حنفی۔ سنی۔ دیوبندی۔ اہل حدیث۔ بریلوی۔ شیعہ وغیرہ جہالت کی پیداوار ہیں"۔ (خطبات مودودی۔ صفحہ ۱۲۸)

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریقہ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہائے کار سراسر باطل ہیں"۔ (ترجمان القرآن۔ جلد ۲۶۔ شمارہ ۳۔ صفحہ ۱۱۱)

☆جماعت اسلامی کے طریقہ کار

جماعت اسلامی کے طریقہ کار کے بارے میں مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

”تخریبی تنقید کے بغیر وہ الفت وشیفتگی دور نہیں کی جاسکتی جو لوگوں کو رائج الوقت خیالات اور طریقہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے۔لہٰذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے“۔(ترجمان القرآن۔جلد۱۲۔شمارہ۲۔صفحہ۱۳۴)

☆ مودودی صاحب کا مذہب

مودودی صاحب اپنے مذہب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں“۔(رسائل ومسائل۔جلد اول۔صفحہ۲۳۵)

☆تقلید کے بارے میں مودودی صاحب کی رائے۔

”میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے“۔(رسائل ومسائل۔جلد اول۔صفحہ۲۴۴)

”میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن وسنت سے سمجھنے کی کوشش کی ہے“۔(ترجمان القرآن۔مارچ تا جون۱۹۴۵ء)

”تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لیے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو۔ اس بائیس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی“۔(حقوق الزوجین۔صفحہ۹۶)

☆مودودی صاحب بڑی ڈاڑھی کے بارے میں لکھتے ہیں۔”اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کی اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے۔
(رسائل ومسائل۔صفحہ۲۰۸)

☆مودودی صاحب رسائل ومسائل جلد اول۔ صفحہ ۱۸۵ پر فرماتے ہیں کہ حدیث میں صرف ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ جتنی بھی رکھی جائے حدیث پر عمل ہو جائے گا۔اسی طرح زکوٰۃ کی تملیک کے بھی قائل نہیں۔ترجمان القرآن۔نومبر ۱۹۵۴ء۔ صفحہ ۱۲۶ پر مفروضہ استفتاء کے تحت جمع بین الاختین (ایک وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا) کے بارے میں نص قرآنی کے خلاف فتویٰ دیا۔اسی طرح ترجمان القرآن۔اگست ۱۹۵۵ء میں بوقت ضرورت جواز متعہ کا فتویٰ شائع فرمایا۔ حالانکہ پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔اور متعہ مروجہ اسلام میں ایک لمحہ کے لئے بھی حلال نہیں ہوا۔بعض حضرات نے جواز ثابت کرنے کے لئے ایک فرضی صورت پیش کی کہ اگر سمندری حادثہ میں کسی بے آباد جزیرہ پر ایک مرد اور عورت پہنچ جائیں جہاں ان کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔تو پھر وہ کیا کریں گے؟۔جواز ثابت کرنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر یہ مرد اور عورت ماں بیٹا یا بہن بھائی ہوں تو پھر یہ کیا تاویل کریں گے؟۔

مودودی صاحب کے نزدیک "یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیے"۔(ترجمان القرآن۔اکتوبر۔نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۷)

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے ....اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے۔قرآن وحدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا لحاظ بھی کیا جائے"۔

(رسائل ومسائل حصہ اول صفحہ ۲۹۰)

"لیکن فن حدیث کی ان کمزوریوں کی بناء پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے ہم اس امر کا التزام نہیں کر سکتے کہ محض علم روایت کی بہم پہنچائی ہوئی روایات پر پورا پورا اعتماد کر کے ہر اس حدیث کو ضرور ہی حدیث رسول تسلیم کر لیں جسے اس علم کی رو سے صحیح قرار دیا گیا ہو"۔(رسائل ومسائل حصہ اول صفحہ ۲۹۲)

☆ مودودی صاحب کا دجال کے بارے میں عقیدہ

پوری امت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے سچا ہونے پر اجماع ہے کہ قرب قیامت میں دجال آئے گا۔ لیکن مودودی صاحب کہتے ہیں ساڑھے تین سو سال گزرنے پر بھی دجال ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے اس کی حقیقت واضح ہو گئی۔ (رسائل و مسائل۔ صفحہ ۵۵)

نیز فرماتے ہیں۔ "کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں"۔ (رسائل و مسائل ۔جلد اول۔ صفحہ ۴۸)

☆ مرزائی

☆ مودودی صاحب کی ہدایات اور دستخط سے جماعت اسلامی ذیلدار پارک اچھرہ لاہور کے پیڈ پر ایک خط ۱۹۶۸۔۱۔۲۹ کو بحوالہ ۲۲۷ جاری کئے گئے۔ جس میں وہ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کو کافر نہیں مانتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فون نمبر ۲۰۰۰۷

جماعت اسلامی پاکستان

۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

حوالہ 227

تاریخ 12.9.1.68

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر و اسلام کے درمیان معلق ہے۔ یہ تو ایک مدعی نبوت سے بالکل برأت ہی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے افراد کو مسلمان قرار دیا جا سکے۔ نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار ہی کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جا سکے۔

خاکسار

غلام علی

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے

ابوالاعلیٰ

☆ مودودی صاحب کا تقلید کے بارے میں عقیدہ

مودودی صاحب قرآن وسنت کے اتنے شیدائی ہیں کہ کسی کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے حتی کہ ماضی کے اشخاص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ائمہ مجتہدین۔ سلف صالحین میں سے کسی سے بھی دین سمجھنا اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ قرآن وسنت سے براہ راست سمجھنے کے قائل ہیں۔ گویا اشخاص ماضی اور بزرگان دین قرآن وسنت کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ اور ہدایہ۔ کنز۔ اور عالمگیری کے مصنفین خلاف قرآن اپنی کتابوں میں درج کر گئے۔ جس کے باعث کسی عالم دین کو اس باز پرس کے جواب میں ان کے دامن میں پناہ نہ ملے گی۔ کہ تم نے قرآن کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ اور ان کتابوں میں جو کہ خلاف قرآن تھیں اس کو مانتے رہے۔ العیاذ باللہ۔

اگر کسی صحابی کی تقلید جائز نہیں بلکہ گناہ سے شدید تر ہے تو مودودی صاحب کی اطاعت وتقلید کیوں ضروری ہو؟۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ احسن الفتاوی جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۶ پر فرماتے ہیں۔

دنیا میں کوئی فن بھی کسی ماہر استاد کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی شخص دنیا بھر کی طب قدیم وجدید کی تمام کتابوں کا مطالعہ کرلے مگر جب تک وہ ماہرین فن سے تربیت حاصل نہ کرے اسے علاج کی اجازت نہیں دی جاتی۔ گھر بیٹھے وکالت کا نصاب پڑھ لینے سے کوئی وکیل نہیں بن سکتا۔ صرف کتابوں کے مطالعہ سے بھی کوئی انجینئر نہیں بنا۔ نہ ہی کوئی خوان نعمت پڑھ کر باورچی یا حلوائی بن سکا۔ ہر علم وفن کے لیے ماہر استاد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے رجال اللہ کی اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان سے بالمشافہ باقاعدہ تعلیم حاصل کئے بغیر قرآن وحدیث کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ علم حاصل کیا پھر ان سے تابعین نے بالمشافہ تعلیم پائی اور ان سے تبع تابعین نے۔ اسی طرح بالمشافہ تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ کسی ماہر استاد سے بالمشافہ تعلیم پائے بغیر قرآن وحدیث سمجھنے کا دعوی بالکل باطل ہے۔ اگر کتاب سمجھنے کے لیے معلم کی ضرورت نہیں تو اللہ

تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کو سمجھانے کے لئے رسولوں کو معلم کیوں بنایا؟ ۔ ویسے ہی کتاب نازل کر دی جاتی ۔ لوگ خود ہی اسے سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ علم کسی سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین وانما العلم بالتعلم (صحیح بخاری باب العلم قبل القول والعمل) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو حدیث مرفوع ایضا اوردہ ابن ابی عاصم والطبرانی من حدیث معاویۃ ایضا بلفظ یا ایھا الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقہ بالتفقہ ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین اسنادہ حسن لان فیہ مبھما اعتضد بمجیئہ من وجہ آخر وروی البزار نحوہ من حدیث ابن مسعود موقوفا ورواہ ابو نعیم الاصبھانی مرفوعا وفی الباب عن ابی الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء وورثتھم علی سبیل التعلم

(فتح الباری۔ جلد ۱ صفحہ ۱۴۷)

☆مودودی صاحب نے اپنی تحریر میں حضرت عثمانؓ پر بھی طعن کیا ہے۔ جس کا مختصر جواب پیش ہے۔ جو حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم نے عادلانہ دفاع میں تحریر فرمایا ہے۔

☆اقرباء کو مال دینے کا الزام

اقرباء کو مال دینے کے الزام کی صفائی خود حضرت عثمانؓ نے فرمادی تھی۔ کہ میں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا کہ میں اپنا خرچ بھی اپنے ذاتی مال سے کرتا ہوں۔ بیت المال سے اپنے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے ایک پیسہ تک نہیں لیتا۔ یہ ملحد لوگ بہتان اور غلط الزام لگاتے ہیں۔ (طبری صفحہ ۳۸۵ جلد ۳) غور فرمائیے۔ جو چیز ملحد و بے دین لوگ بطور بہتان حضرت عثمانؓ کے خلاف کہتے تھے۔ اور اس کی تردید و صفائی بھی خود حضرت عثمانؓ نے اس وقت کر دی تھی اسی کو آج کے محقق و جدید مجتہد قوم کے سامنے اس طور سے پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو

تواتر وتوارث سے ثابت شدہ ہے۔ اور قرآن مجید کی طرح نا قابل انکار۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

اسی طرح یہ بات کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اقرباء کو عہدے دیئے۔ یہ بھی ایک بے جا اور غلط اعتراض ہے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کے عمال وعہدے داروں کی تعداد چھبیس سے تیس کے درمیان ہے۔ جن میں سے صرف دو یا تین عامل ہی آپ کے رشتہ دار ہیں۔ باقی سب دوسرے خاندانوں سے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے عاملوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔	عبداللہ بن الحضرمی	عامل مکہ
۲۔	یعلی بن امیہ تمیمی	یمن
۳۔	قاسم بن ربیعہ	طائف
۴۔	ابوالاعور بن سفیان سلمی	اردن
۵۔	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (صحابی)	کوفہ
۶۔	حبیش	ماسبذان
۷۔	حبیب بن مسلمہ فہری	قنسرین
۸۔	جریر بن عبداللہ بجلیؓ (صحابی)	قرقیسیا
۹۔	حکیم بن سلامہ الحزامی	موصل
۱۰۔	سعید بن قیس	رے
۱۱۔	سائب بن اقرع	اصفہان
۱۲۔	اشعث بن قیس الکندیؓ (صحابی)	آذربائیجان
۱۳۔	عبداللہ بن ربیعہ الحضرمی الجند	
۱۴۔	عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ	حمص

۱۵۔	علقمہ بن حکیم کنعانی	فلسطین
۱۶۔	عتبہ بن النہاس	حلوان
۱۷۔	عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ	مصر
۱۸۔	عبداللہ بن عامر بن کریز اموئؓ	بصرہ
۱۹۔	حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ	شام
۲۰۔	مالک بن حبیب الیربوعی	ماہ
۲۱۔	النسیر	ہمدان

ان حاکموں کے علاوہ دوسرے عہدہ داران

۱۔	ابوالدرداءؓ (صحابی)	قاضی دمشق
۲۔	جابر المزنی	بر خراج سواد
۳۔	زید بن ثابتؓ (صحابی)	قاضی مدینہ منورہ
۴۔	سماک انصاری	بر خراج سواد
۵۔	القعقاعؓ بن عمرو (صحابی)	امیر افواج کوفہ
۶۔	عقبہ بن عمرو	محافظ بیت المال
۷۔	مروان بن الحکم اموی	کاتب

اس ساری فہرست میں بنوامیہ کے صرف تین آدمی ہیں۔

جن میں سے حضرت معاویہؓ کو حضرت عمرؓ نے عامل بنایا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے تو بنوامیہ کے صرف دو آدمی رکھے۔ باقی تمام عامل و عہدے دار دوسرے قبائل کے تھے۔ ان دو حضرات کے علاوہ بنوامیہ میں سے حضرت سعید بن العاص اور حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما کو عامل بنا کر لوگوں کی جانچ کیا

ناجائز شکایات کی بناء پر حضرت عثمانؓ نے خود معزول فرمادیا تھا۔ صرف ایک رشتہ دار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ جو بنوامیہ میں سے تو نہیں ہاں حضرت عثمانؓ کے سوتیلے مادری بھائی تھے۔ ان کو برقرار رکھا۔ کیونکہ وہ بہت بہادر اور امور سلطنت میں انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اور بری اور بحری لڑائیوں میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ جن کے باعث ان کو برقرار رکھا گیا۔

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد کے اکثر و بیشتر عمال ایسے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کے مقرر کردہ اور کسی نہ کسی عمل پر مامور و تعینات کردہ تھے۔ جن کو حضرت عثمانؓ نے ہٹادینا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ ان کو باقی و برقرار رکھنا باعث سعادت جانا۔ کیونکہ ان لوگوں کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے باعث صحابہ کرامؓ مہاجرین اولین اور انصار مدینہ کو ان عہدے داروں اور عاملوں کے خلاف کوئی شکایت یا اعتراض و ناراضگی نہ تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان ہی حضرات سابقین اولین مہاجرین وانصار کی موجودگی میں ان کے سامنے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید اموی نوجوان کو مکہ معظمہ کا عامل بنایا۔ جو اپنی وفات تک عمر بھر اسی عہدہ پر رکھے گئے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو برقرار رکھا۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار و مہاجرین سابقین اولین پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو جو غلام آزاد شدہ کے بیٹے اور کم عمر نوجوان تھے امیر لشکر بنادیا۔ تو صحابہ کرامؓ پر یہ تہمت ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کی امارت و حکومت کو ناپسند یا ناجائز سمجھتے تھے۔ کیونکہ جب ان حضرات کے سامنے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتابؓ و حضرت اسامہؓ کو عامل و امیر بنایا تھا پھر وہ کیسے اس کو ناجائز کہتے یا ناپسند کرکے اعتراض و شکایت کرتے۔

مودودی صاحب کے بعض معتقدین کہتے ہیں کہ مودودی صاحب نے صحابہؓ اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو قابل اعتراض باتیں لکھیں ہیں وہ ان کی اپنی نہیں بلکہ انہوں نے دوسروں کے حوالے نقل کئے ہیں۔ (بعض قابل اعتماد ذرائع سے انکشاف ہوا ہے کہ مودودی صاحب کی کتاب

خلافت وملوکیت مشہور شیعہ مطہر علی کی عربی کتاب "منہاج الکرامۃ ومعرفۃ الامامۃ" کا ترجمہ ہے۔)

یادرہے حوالہ لانا اور بات ہے اور حوالہ بنانا الگ بات ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب مدظلہ اپنی کتاب مدلل جواب میں لکھتے ہیں:

ایک ہوتا ہے حوالہ لانا یا حوالہ نقل کرنا اور ایک ہوتا ہے حوالہ بنانا یا حوالہ میں تحریف کرنا۔ حوالہ لانے اور حوالہ بنانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اہل حق نے کتاب وسنت کے نصوص کی تعبیر وتفسیر اور معنی ومقصود وہی صحیح سمجھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بیان فرمایا ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمجھا سمجھایا اور عملی صورت میں اختیار کیا۔ جیسے کہ قرآن مجید اور احادیث طیبہ کے الفاظ بھی صحابہ کرامؓ اور ان کے تلامذہ تابعین۔ تبع تابعین۔ ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے ذریعہ نقل ہوتے آئے ہیں۔ اسی طرح ان کے معانی اور تعبیر وتفسیر بھی انہی حضرات کے ذریعہ امت میں محفوظ ومنقول چلے آرہے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص الفاظ نصوص تو صحابہؓ وائمہ دین کے نقل کردہ مانے۔ اور ان پر اعتماد واعتبار کرے۔ مگر ان کے معانی ومقاصد اور ان کی تعبیر وتفسیر ان بزرگان کی بیان کردہ کو بے اعتبار وبے کار جانے تو ایسا شخص ان الفاظ کے ذریعہ ایک جدید حوالہ بنانے والا اور حوالہ کی تحریف کرنے والا ہے۔ حوالہ نقل کرنے اور حوالہ لانے والا ہرگز نہیں ہے۔

حوالہ نقل کرنا اور حوالہ لانا تو وہ ہے جو کہ نصوص کے الفاظ اور ان کے منقولہ وماثورہ معانی اور جملہ نصوص متعلقہ کی چھان بین اور تحقیق وتفتیش کے بعد بطور نتیجہ وخلاصہ لایا جاوے۔ اور حوالہ بنانا یہ ہوتا ہے کہ بعض نصوص کے الفاظ کو لے کر ان کا از خود معنی تیار کرلیا جاوے۔ اور دیگر نصوص متعلقہ سے روگردانی کرلی جائے۔ جملہ نصوص متعلقہ میں جس قدر بعد ومخالفت ہوجائے اس کی پرواہ نہ کی جائے اور نصوص کی منقولہ ومتفقہ تعبیر وتشریح کو درخور اعتناء نہ سمجھا جائے۔

مودودی صاحب کے معتقدین ان کی تصنیفی خدمات کے بھی بہت معترف ہیں۔ اس کا حال حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنی عربی کتاب الاستاذ المودودی وشیء من حیاته

والفکارہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

كماهو لايجيد اللغةالعربية لاخطابةً ولا كتابةً ولاقراءةً ماعدافهم، وكل ماظهر من تآليفه بالعربية فهومترجم من الأردية بقلم الشيخ مسعودعالم الندوى و تلامذه ،وكل رسائله بالعربية من هذا القبيل وإن كان مكتوباعليها "تأليف المودودى" دعايةً وادعاءً، ظن القوم وخصوصاًعلماء بلادالعرب والسعودية أنه نفسه ألفه بالعربية الفصحى بالأسلوب الأدبى الرائع المتين،

(الاستاذالمودودی صفحہ ۱۰)

اور مودودی صاحب کو عربی بھی اچھی نہیں آتی تھی ۔نہ بولنے میں، نہ لکھنے میں اور نہ پڑھنے میں سوائے سمجھنے کے۔اور مودودی صاحب کی جتنی تالیفات عربی میں ہیں وہ ساری کی ساری مولانا مسعود عالم ندوی اور ان کے شاگردوں ذریعے اردو سے عربی میں ترجمہ کروائی گئی ہیں۔

اسی طرح ان کے عربی کتابچوں کا بھی یہی حال ہے۔اگرچہ ان پر تالیف المودودی لکھا ہوا ہے۔کئی لوگوں کا خصوصاً سعودیہ اور عربی ممالک کے علماء کا یہ گمان ہے کہ یہ عربی کتب مودودی نے خود فصیح عربی اسلوب میں تحریر کئے ہیں۔(حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

☆جاوید غامدی کے گمراہ کن عقائد

☆یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے۔اس کے علاوہ سب قراءتیں فتنہ عجم کی باقیات ہیں۔(میزان۔صفحہ ۳۲)

☆اس (حدیث) سے دین میں کوئی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔(میزان۔صفحہ ۶۴)

☆کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔(ماہنامہ اشراق۔دسمبر ۲۰۰۰ء۔صفحہ ۵۴)

☆ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی ہے۔اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے ان کے لئے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کر سکتی ہے۔

(قانون عبادات۔ صفحہ۱۱۹)

☆فقہاء کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔(برہان۔ صفحہ۱۴۰)

☆عورت مردوں کی امامت کرواسکتی ہے۔(ماہنامہ اشراق۔ مئی ۲۰۰۵ء۔ صفحہ۳۵)

☆عورت نکاح خواں بن سکتی ہے۔(www.urdu.understandingislam.org)

☆مرد اور عورت برابر کھڑے ہو کر جماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

(www.urdu.understandingislam.org)

☆اجنبی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پہ لئے آ جا سکتی ہے۔ ......دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے۔اس کے بارہ میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔(ماہنامہ اشراق۔ مئی ۲۰۰۲ء۔ صفحہ۴۷)

☆یہ (شراب نوشی پر اسی کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔(برہان۔ صفحہ۱۳۹)

☆یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیر دست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔(میزان۔ صفحہ۲۷۰)

☆ان علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطور خوراک استعمال نہیں کیا جاتا وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اعضاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔(ماہنامہ اشراق۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء۔ صفحہ۷۹۔ میزان۔ صفحہ۳۲۰)

☆موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے۔اس لئے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔(ماہنامہ اشراق۔ مارچ ۲۰۰۴ء۔ صفحہ۸)

☆پیغمبروں کے دین میں موسیقی یا آلات موسیقی کو کبھی ممنوع نہیں قرار دیا گیا۔بیشتر مقامات پر اللہ

کی حمد وثناء کے لیے موسیقی کے استعمال کا ذکر آیا ہے۔(ماہنامہ اشراق ۱۹۹۶ء۔ صفحہ ۶۱)

☆ہمارے نزدیک ڈاڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا۔ لہٰذا دین کی رو سے ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں۔ (www.urdu.understandingislam.org)

☆مسلمان لڑکی کی شادی ہندو لڑکے سے جائز ہے۔

(www.urdu.understandingislam.org)

☆ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے اس لئے جائز ہے۔(غامدی کے ادارہ "المورد" کا انگریزی مجلہ RENAISSANCE شمارہ اگست ۲۰۰۵)

☆قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔(ماہنامہ اشراق۔ جنوری ۱۹۹۶ء۔ صفحہ ۶۰)

☆مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔(ماہنامہ اشراق۔ جولائی اگست ۲۰۰۳ء اور مئی جون ۲۰۰۴ء)

☆تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے۔(برہان۔ صفحہ ۱۰۰)

☆اقامت دین یعنی دین کو قائم کرنے اور دین میں شریعت کا نفاذ کرنے کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے۔(برہان۔ صفحہ ۱۴۷)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔(ماہنامہ اشراق۔ دسمبر ۲۰۰۰ء۔ صفحہ ۵۴)

☆نزول عیسیٰ کا انکار۔(ماہنامہ اشراق۔ جنوری ۱۹۹۶ء۔ صفحہ ۶۰)

☆دجال کا خروج ہمارے نزدیک یاجوج وماجوج کا بیان ہے۔ دجال ایک اسم صفت ہے جس کے معنی بہت بڑے فریب کار کے ہیں۔(ماہنامہ اشراق۔ جنوری ۱۹۹۶ء۔ صفحہ ۶۱)

☆اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے۔ لہٰذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔(ماہنامہ اشراق۔ دسمبر ۲۰۰۰ء۔ صفحہ ۵۵)

☆دورحاضر کے اس متجددین کے بارے میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب "تحفہ غامدی" میں رقم طراز ہیں کہ۔

جاوید غامدی صاحب اپنی ناعرد "دبستان شبلی" کے ایک رکن جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے خوشہ چینوں میں سے ہیں۔ خود لکھتے ہیں۔

"میں نے امین احسن کو سب سے پہلے 1973ء میں دیکھا اور پھر کسی اور طرف نہیں دیکھا۔ میرے لیے اس وقت ان کا دروازہ "در کشودہ" تھا۔ لیکن میں نے ہمت کی اور اس دروازے پر بیٹھ گیا"۔

"پھر وہ دروازہ کھلا اور اس طرح کھلا کہ گویا اپنے ہی گھر کا دروازہ بن گیا۔ اس دن سے آج تک علم و عمل کی جو دولت بھی ملی ہے خدا کی عنایت سے اور اسی دروازے سے ملی ہے"۔ (مقامات)

اور انجام کار یہاں تک لکھتے ہیں:

"فکر فراہی و اصلاحی میرے نزدیک .... ان اصولوں کا نام ہے جو فراہی و اصلاحی نے قرآن و سنت میں تفقہ اور ان سے اخذ و استنباط کے لیے اختیار کیے ہیں۔ ان اصولوں کو میں بالکل صحیح سمجھتا ہوں اور اپنی تحقیق میں ہمیشہ انہیں پیش نظر رکھتا ہوں۔" (اشراق: جون 93ص 43)

غامدی صاحب کے برعکس ہمارا جس گروہ سے تعلق ہے اس کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"ایک گروہ اس بات پر مصر ہوا کہ نہ دین کو خاص اپنے مکتب فکر کے اصول و مبادی اور اپنے اکابر کی رایوں سے بالاتر ہو کر اور براہ راست قرآن و سنت سے سمجھنا ممکن ہے اور نہ مغربی تہذیب اور اس کے علوم اس کے مستحق ہیں کہ وہ کسی پہلو سے اہل دین کی نظروں میں ٹھہریں۔ اس گروہ کے بڑوں میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی، انور شاہ کاشمیری، حسین احمد مدنی، اشرف علی تھانوی اور شبیر احمد عثمانی کے نام بہت نمایاں ہیں۔" (مقامات ص 18)

اس عبارت میں غامدی صاحب نے "اکابر کی رایوں" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جو اہل زبان کے لیے بہت کوفت کا سبب ہے۔ یہاں لفظ "آراء" کا استعمال مناسب تھا۔ (از مؤلف خلیق

بخاری علمی عنہ)

اور اس گروہ کے بارے میں غامدی صاحب کا فیصلہ ہے:

"اس گروہ کی عمر پوری ہو چکی۔ اس کی مثال اب اس فرسودہ عمارت کی ہے جو بھی تعمیر کے وقت آپ سے آپ ویران ہو جائے گی۔"

☆غامدی صاحب اور اکابر امت

غامدی صاحب اکابر اور امت کے اتفاق کو بھی رد کر دیتے ہیں جب کہ امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"کسی اجتہاد پر اجماع ہو جانے کے بعد اس کی حیثیت صرف ایک رائے کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجت شرعی بن جاتا ہے جس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں۔"
(اسلامی قانون کی تدوین:60)

"اسی طرح ائمہ اربعہ اگر کسی ایک بات پر متفق ہوں تو اس کی حیثیت بھی محض ایک رائے کی نہیں رہ جاتی۔ اگرچہ ہم اس کو اصطلاحی اجماع کا درجہ نہ دے سکیں اور اس سے اختلاف کرنے کو نا جائز نہ ٹھہرائیں۔ (اسلامی قانون کی تدوین:62)

اصلاحی صاحب کی عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر تمام ائمہ مجتہدین کسی ایک بات پر متفق ہوں تو اس سے اختلاف جائز نہیں خواہ ان کی دلیل بظاہر غلط ہی معلوم ہوتی ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی اگر کسی ایک بات پر متفق ہوں تو وہ محض ایک رائے نہیں بلکہ اس سے کچھ اوپر درجہ رکھتی ہے۔ یہ حضرات وہ اکابر ہیں جو خود جاوید غامدی صاحب کے بقول "علم دین میں مسلمہ حیثیت کے حامل تھے۔" تو علم دین کے میدان میں بارہ تیرہ صدیوں سے مسلمہ حیثیت کے حامل حضرات جن کی متفق بات محض ایک رائے سے کہیں اونچا درجہ رکھتی ہے۔ اگر امین احسن اصلاحی صاحب اور غامدی صاحب اپنی محض ایک رائے کی بنا پر اس کی مخالفت کریں بلکہ اجماعی مسئلہ کی بھی مخالفت کریں تو ہم اس کے علاوہ اور کیا کہیں کہ ؎ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

☆ مرتد کی سزا کے بارے میں موقف

غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے۔ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو)"

ہمارے فقہاء اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے۔ ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا اسے اس حدیث کی رو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اس معاملے میں ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہے تو بس یہ کہ قتل سے پہلے اسے توبہ کی مہلت دی جائے گی یا نہیں اور اگر دی جائے گی تو اس کی مدت کیا ہونی چاہیے۔ فقہائے احناف البتہ عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر مرتد کی سزا خواہ وہ عورت ہو یا مرد اسلامی شریعت میں قتل ہی ہے۔" (برہان ص127)

غامدی صاحب کی یہ ساری عبارت ہم نے یہ دکھانے کے لیے نقل کی ہے کہ خود غامدی صاحب اس بات کے معترف ہیں کہ مرتد کی بطور حد سزائے موت کے تمام فقہاء قائل ہیں۔ آگے ان سب کے بارے میں غامدی صاحب فتویٰ دیتے ہیں:

"لیکن فقہاء کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی کے ساتھ خاص تھا جس میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں امیین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔" (برہان ص127)

☆ قراءت قرآنیہ کا انکار

پوری امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ قرآن پاک کی قرأت کی مختلف نوعیتیں ہیں جن میں سے کئی ایک کا تعلق الفاظ کی ادائیگی سے ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور اسلامی دنیا میں تواتر سے لاکھوں افراد ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی بنیاد پر قرآن میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن تیرہ صدیوں بعد علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور امین اصلاحی اور جاوید غامدی جیسے لوگ پیدا ہوئے جن کو پوری امت گمراہی میں جتلا نظر آئی اور انہوں نے ان قرأتوں کے انکار میں اپنی ہدایت سمجھی۔

غامدی صاحب کے استاد امین اصلاحی صاحب تو یہ فرماتے ہیں:

''غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ قرأتوں کا اختلاف درحقیقت قرأتوں کا اختلاف نہیں بلکہ اکثر و بیشتر تاویل کا اختلاف ہے۔ کسی صاحب تاویل نے ایک لفظ کی تاویل کسی دوسرے لفظ سے کی اور اس کو قرأت کا اختلاف سمجھ لیا۔ حالانکہ وہ قرأتوں کا اختلاف نہیں بلکہ تاویل کا اختلاف ہے۔ مثلاً سورہ تحریم میں بعض لوگوں نے فَقَدْ زَاغَتْ بھی پڑھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی یہ پڑھا ہے اس نے یہ قرأت نہیں بتائی بلکہ اپنے نزدیک اس نے فَقَدْ صَغَتْ کی تاویل کی ہے لیکن لوگوں نے اس کو بھی قرأت سمجھ لیا۔'' (تدبر فروری 83ء)

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قرأت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قرأت نہ قرآن میں ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔'' (میزان ص 25)

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قرأتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں یا بعض

علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں وہ سب اسی فتنۂ عجم کی باقیات ہیں جس کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ، افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔" (میزان ص32)

☆ رجم کی سزا کا انکار

اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور اس پر پوری اُمت کا اتفاق و اجماع ہے اور امین احسن اصلاحی صاحب کے بقول اس (اجماع) کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں لیکن خود اصلاحی صاحب یہاں اجماع کی مخالفت کرتے ہیں اور غامدی صاحب ان کی مکمل تائید کرتے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی کتاب برہان میں "رجم کی سزا" کے عنوان سے کچھ مضامین لکھے ہیں جو ان کے بقول "ان تنقیدوں کے جواب میں لکھے گئے ہیں جو رجم کی سزا کے بارے میں استاذ امام امین احسن اصلاحی کے اس موقف پر ہوئی ہیں جو انہوں نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں بیان کیا ہے۔" (برہان ص34)

اجماع ثابت ہونے کے بعد اب دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اصلاحی اور غامدی صاحب بلکہ ان کے بھی امام جناب حمید الدین فراہی صاحب اس اجماع کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔

یہ تینوں حضرات یہ بات تو مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بعض لوگوں کو رجم کیا گیا لیکن ان کا کہنا یہ تھا کہ وہ رجم زنا کی حد کے طور پر نہیں تھا بلکہ فساد اور سرکشی کی سزا کے طور پر تھا۔

(رجم کے بارے میں تفصیل امین اصلاحی صاحب کے ذیل میں صفحہ 111 پر ملاحظہ فرمائیں)

☆ قرآن کے قانون وراثت میں دخل اندازی

باپ کی موجودگی میں تنہا لڑکیوں کو جب وہ دو یا زائد ہوں قرآن کے مطابق کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اس پر ائمہ اربعہ سمیت امت کے تمام مجتہدین کا اجماع و اتفاق ہے۔ خود غامدی صاحب اس اتفاق کو یوں نقل کرتے ہیں:

"فقہیان کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصے بہر صورت پورے ترکے میں سے دیئے جائیں گے۔ ان حضرات کی یہی غلطی ہے، جس کی وجہ سے انھیں عول کا وہ عجیب و غریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے، جس کو ماہرین فقہ و قانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا۔

کسی شخص نے کبھی علمی دنیا کے عجوبوں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست ہوگی۔

حیرت ہوتی ہے کہ اسلوبِ بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے اور آیات پر غور و تدبر کرنے کی بجائے ان حضرات نے یہ چیستان اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا ہے اور اس کی دریافت کا سہرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا ہے۔ اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔''

(میزان سابقہ ایڈیشن حصہ اول ص 50)

اب مثلاً میت کے وارثوں میں ایک شوہر ہو، والد اور والدہ ہوں اور دو بیٹیاں ہوں تو آیت کے ظاہری مفہوم کے مطابق شوہر کو کل ترکہ کا چوتھا حصہ۔ والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ اور بیٹیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اگر ہم ترکہ کے کل بارہ حصے کریں تو ان میں سے شوہر کو تین حصے، والدین میں سے ایک ہر ایک کو دو دو حصے اور دو لڑکیوں کو آٹھ حصے ملیں گے۔ یہ کل پندرہ حصے بنتے ہیں۔ اب دشواری یہ ہوئی کہ بارہ میں سے پندرہ نہیں نکل سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دشواری کا یہ حل بتایا کہ بجائے بارہ کے اصل مسئلہ پندرہ کو قرار دیا جائے جس سے وارثوں کی میراث اگرچہ کچھ کم ہو جائے گی لیکن اصل تناسب برقرار رہے گا۔ اس حل اور طریقہ کا نام عول کا طریقہ ہے۔ بعد کے تمام فقہا و مجتہدین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعلیم کردہ اس طریقہ کو اختیار کیا اور یہ طریقہ ریاضی کے قواعد کے عین مطابق ہے۔

میراث میں عول کے مسئلہ کو ریاضی کے قواعد کے موافق پرکھنے کے لیے یوں سمجھیں کہ ایک شخص کل بارہ ہزار روپے کی رقم چھوڑ کر مرا جب کہ اس کے قرض خواہوں میں سے ایک کا قرض تین ہزار، دوسرے کا دو ہزار، تیسرے کا دو ہزار، چوتھے کا چار ہزار ہے۔ اب ظاہر ہے یہی کیا جائے گا کہ بارہ ہزار کو پندرہ حصوں میں تقسیم کریں گے تو ہر حصہ بجائے ہزار کے آٹھ سو پر مشتمل ہوگا اور قرض کی ادائیگی اس طرح کی جائے گی کہ دو ہزار والے کو سولہ سو اور تین ہزار والے کو چوبیس سو اور چار ہزار والے کو بتیس سو دیے جائیں گے۔

یہ سیدھی سی بات تھی جو قرآن سے بلا تکلف سمجھ میں آتی ہے اور صحابہ و مجتہدین یہی بات کہتے ہیں۔ صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ شوہر اور والدین کو ان کے پورے حصے دینے کے بعد باقی جو پانچ حصے بچتے ہیں صرف وہی ان دو لڑکیوں کو دیتے ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو مقرر حصہ والوں کے حصے دینے کے بعد باقی کل لڑکیوں کو دیتے ہیں۔ جب کہ غامدی صاحب لڑکیوں کو باقی کا بھی صرف دو تہائی دیتے ہیں) لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے سے کوئی ایک آدمی بھی متفق نہیں تھا۔ خود غامدی صاحب نقل فرماتے ہیں:

"(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد) عطاً کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے ابن عباس! مجھے اور آپ کو اس کا کیا فائدہ؟ ہم دنیا سے رخصت ہوئے تو ہماری میراث بھی اسی طریقے کے مطابق تقسیم کی جائے گی جو لوگوں نے ہماری رائے کے خلاف اختیار کر رکھا ہے۔" (میزان ص53 سابق ایڈیشن)

لیکن جناب سخن شناسی تو غامدی صاحب پر ختم ہے لہٰذا فیصلہ جاری فرماتے ہیں:

"کسی رقم میں سے دو تہائی اور نصف بیک وقت ادا کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ تقسیم کی یہ صورت انگلی اٹھا کر بتا دیتی ہے کہ لڑکیوں کا یہ حصہ بھی باقی روپے ہی میں سے دیا جائے گا۔ بڑا ظلم کرے گا وہ شخص جو ان جملوں کا یہ مطلب سمجھے کہ قائل نے لڑکیوں کو بہر حال پوری رقم کا دو تہائی دینے کے لیے کہا ہے اور چونکہ اس ہدایت کے مطابق روپے کو تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ذوا ضعاف اقل نکال کر حصوں میں ایک جیسی کمی کر دینا چاہیے۔ کلام کا یہ منشا اگر کوئی کہنے والے سے منسوب کرتا ہے تو اس سے اپنی سخت ناشناسی ہی کا ثبوت نہیں دیتا قائل کے بارے میں دوسروں کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ پہیلیوں کی زبان میں بات کرتا ہے۔" (میزان، ص49)

☆ کلالہ کی غلط تفسیر

"کلالہ کے تین معنی ہیں: یہ اس شخص کے لیے اسم صفت ہے، جس کے پیچھے اولاد اور والد دونوں میں سے کوئی نہ ہو اور ان پسماندگان کے لیے بھی جن کا تعلق مرنے والے سے اولاد اور والد کا نہ ہو۔ اس

کا اطلاق اس قرابت پر بھی ہوتا ہے کہ جو اولاد اور والد کی طرف سے نہ ہو۔" (میزان: ص 173)
"پہلے معنی یعنی اس شخص کے لیے جس کے پیچھے اولاد اور والد دونوں میں سے کوئی نہ ہو اس کا استعمال اگرچہ اصول عربیت کے مطابق ہے لیکن اس کی کوئی نظیر کلام عرب میں ہم کو نہیں مل سکی۔" (میزان: ص 174)
"جہاں تک پہلے معنی کا تعلق ہے فقہاء نے اگرچہ یہاں بالاتفاق وہی مراد لیے ہیں لیکن آیت میں دلیل موجود ہے کہ یہ معنی یہاں مراد لینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" (میزان: ص 176)
غامدی صاحب جس کو حجت کہیں وہ قطعی ہوتی ہے اور جس دلالت کو یہ تسلیم کریں وہ دلالت قطعی ہی ہوتی ہے۔
ان حضرات کے نزدیک حجت قطعی کی جو حقیقت ہے اس کو سمجھنے کے بعد اب تعجب کیجیے کہ یہ دونوں یعنی اصلاحی اور غامدی صاحبان اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کے الفاظ کی دلالت اپنے معانی پر قطعی ہے لیکن غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ اس مقام پر کلالہ کا پہلا معنی لینا کسی طرح بھی ممکن نہیں جب کہ اصلاحی صاحب یہاں پہلا معنی ہی لینے پر مصر ہیں اور اپنی تفسیر تدبر قرآن میں آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔
"اگر کسی مرد یا عورت کی وراثت اس حال میں تقسیم ہو کہ نہ اس کے اصول میں کوئی ہو نہ فروع میں اور ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو...... (تدبر قرآن: ص 31 ج 2)
اور سورہ نساء کی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"کلالہ سے مراد وہ مورث ہے جس کے نہ اصول میں کوئی ہو نہ فروع میں، صرف بھائی، بہن وغیرہ ہوں۔" (تدبر قرآن: ص 211 ج 2)
لیجیے "دبستان شبلی" کے یہ درخشندہ ستارے جن کو اس دور کی امامت حاصل ہے حجت قطعی اور دلالت قطعی کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آپس میں ہی دست و گریباں ہو گئے۔ ہمیں تو اسی میں عافیت نظر آتی ہے کہ ان دونوں سے الگ ہو کر صحابہؓ کے دامن کو تھام لیں۔

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں ذکر کرتے ہیں:

(الف) عن الحسن بن محمد قال سالت ابن عباس عن الکلالۃ فقال من لا ولد له ولا والد

حسن بن محمد کہتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (قرآن میں مذکور) کلالہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد ہو۔ (یعنی جس کے اصول وفروع میں نہ ہوں)

(ب) روی طاؤس عن ابن عباس قال کنت آخر الناس عهدا بعمر بن الخطاب فسمعته یقول القول ماقلت قلت و ماقلت قال الکلالۃ من لا ولد له

طاؤس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ سے ملاقات کرنے والا تھا تو میں نے ان کو وہی بات کہتے سنا جو خود میں کہتا تھا۔ طاؤس کہتے ہیں میں نے پوچھا آپ کیا کہتے تھے؟ فرمایا (میں یہ کہتا تھا کہ) کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو۔

رہی یہ بات کہ پہلے معنی میں استعمال کی کوئی نظیر غامدی صاحب کو کلام عرب میں نہیں مل سکی تو یہ دوسروں سے پوچھ لیتے۔ **انما شفاء العی السؤال**

امام رازی رحمہ اللہ فرزدق کا یہ شعر نقل کرتے ہیں اور فرزدق بھی ان شعراء عرب میں سے ہیں جن کا کلام حجت مانا جاتا ہے۔

ورثتم قناۃ الملک لا عن کلالۃ عن ابنی مناف عبد شمس و هاشم

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرزدق نے اس شعر میں کلالہ کا استعمال مورث کے لیے کیا ہے۔

فان معناہ الکم ماورثتم الملک عن الاعمام بل عن الآباء فسمی العم کلالۃ وهو ههنا مورث لاوارث۔

ترجمہ: کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ملک چچاؤں سے میراث میں نہیں پایا۔ بلکہ آباء سے پایا

ہے۔ فرزدق نے اس شعر میں چچا کو کلالہ کہا جو یہاں مورث ہے وارث نہیں ہے۔

☆ مزید بے اعتدالیاں:

غامدی صاحب کی مزید بے اعتدالیاں اُن کی کتاب "میزان" میں ملاحظہ کریں

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیم کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

اس ذریعہ سے جو دین ملا ہے وہ یہ ہے۔

1۔ اللہ کا نام لے کر دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔
2۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔
3۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔
4۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان یا بائیں میں اقامت۔
5۔ مونچھیں پست رکھنا۔
6۔ زیر ناف کے بال مونڈنا۔
7۔ بغل کے بال صاف کرنا۔
8۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔
9۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔
10۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔
11۔ استنجا۔
12۔ حیض ونفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب۔
13۔ حیض ونفاس کے بعد غسل۔

14- غسل جنابت۔

15- میت کا غسل۔

16- تجہیز و تکفین۔

17- تدفین۔

18- عید الفطر۔

19- عید الاضحیٰ۔

20- اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تزکیہ۔

21- نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔

22- زکوٰۃ اور اس کے متعلقات۔

22- نماز اور اس کے متعلقات۔

24- روزہ اور صدقۂ فطر۔

25- اعتکاف۔

26- قربانی۔

27- حج و عمرہ اور اس کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔

دین لاریب، انہی دو صورتوں میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز دین ہے نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبار آحاد جنہیں بالعموم "حدیث" کہا جاتا ہے ان کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا

ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ دین سے متعلق جو چیزیں ان میں آئی ہیں وہ درحقیقت قرآن وسنت میں محصور اسی دین کی تفہیم وتبیین اور اس پر عمل کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا بیان ہیں۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے چنانچہ دین کی حیثیت سے اس دائرے سے باہر کی کوئی چیز نہ حدیث ہو سکتی ہے اور نہ محض حدیث کی بنیاد پر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ (میزان: ص 11-9)

جس طرح خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا اس طرح سنت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے لیے مکلف تھے۔ اخبار آحاد کی طرح اسے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ چاہیں تو اسے آگے نقل کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔"

(میزان: ص 67)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ حدیث وسنت کے الفاظ ایک شرعی اصطلاح ہیں اور شریعت کوئی آج کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا وجود چودہ صدیوں سے ہے۔ اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس اصطلاح کے بارے میں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک ان کے کیا مفاہیم تھے۔

سنت وحدیث کا جو مفہوم اور حکم غامدی صاحب بتا رہے ہیں اسلاف اس سے بالکل متفق نہیں۔ وہ سنت کے لیے تواتر عملی اور اجماع کے ہونے کی کوئی شرط عائد نہیں کرتے اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ خبر واحد جب کہ وہ قبولیت کی شرائط پر پوری اترتی ہو اس سے دین میں کسی عمل تک کا بھی اضافہ نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک صحابہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی کوئی بات اخذ کرنے کا تعلق ہے تو وہ اس کے حق میں قطعی الثبوت تھی خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اخذ کرنے والوں کے حق میں اس کے ظنی الثبوت ہونے کا

شائبہ بھی نہ تھا لہٰذا ان کے حق میں متواتر عملی اور خبر واحد کی کوئی تفریق نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات بھی قابل اخذ اور قابل اتباع تھی وہ ان کے حق میں سنت تھی خواہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی بتائی ہو یا کر کے دکھائی ہو یا کسی سے ہوتے ہوئے دیکھ کر سکوت کیا ہو۔

پھر وہ امور جن کی معاشرے کے سب یا بہت سے افراد کو ضرورت پیش آتی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی اس پر عمل کریں گے اور اس کی شرعی حیثیت کا اعتقاد بھی رکھیں گے اور نسل در نسل وہ کام ہوتے رہیں گے۔ ان کا تذکرہ بھی زیادہ ہوگا اور ان کی تعلیم بھی زیادہ ہوگی۔

بعض وہ امور جن کی ضرورت معاشرے کے بعض افراد کو کبھی کبھی پیش آتی ہے مثلاً خرید و فروخت کے بعض احکام۔ ظاہر ہے کہ ان کا تذکرہ بھی کم ہوگا اور ان پر عمل بھی کبھی کبھی ہوگا۔

غرض وہ امور عام ہوں یا امور خاص ہوں صحابی کے حق میں وہ سب ہی سنت ہیں اور جب اُمت کے ایک طبقہ کے حق میں ان کی یہ حیثیت تھی تو باقی طبقوں میں بھی مختلف نہ ہوگی۔ وہ سب امور ان کے حق میں بھی سنت ہوں گے۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ صحابہ کے حق میں تو وہ قطعی الثبوت تھے اور باقی طبقوں میں اگر وہ باتیں تواتر سے پہنچیں تو ان کے حق میں بھی قطعی الثبوت ہوں گی ورنہ جب نقل کرنے والے واسطے قابل اعتماد ہیں تو ظنی الثبوت ہوں گی یعنی گمان غالب ہوگا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں اور ان پر عمل کرنا اور ان کو قبول کرنا دین میں واجب ہے۔

تیسری بات یہ کہ بعض وہ چیزیں جو دین ابراہیمی میں شامل تھیں اور جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ ان کو غامدی صاحب نے سنت کی فہرست میں شامل ہی نہیں کیا جن میں سے ایک ٹھوڑی سے نیچے مشت بھر ڈاڑھی رکھنا بھی ہے اس پر امت کا تواتر عملی بھی موجود ہے اور جن حدیثوں میں مونچھوں کے کتروانے کا حکم ہے (جس کو غامدی صاحب نے سنت میں شامل کیا ہے) انہی بہت سی حدیثوں میں اس کے ساتھ ڈاڑھی بڑھانے کا بھی حکم ہے۔

☆ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار

ماہنامہ اشراق اپریل 1995ء صفحہ 45 پر غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ قرآن مجید سے سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کی روح قبض کی گئی اور اس کے فوراً بعد ان کا جسد مبارک اٹھا لیا گیا تھا کہ یہود اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ یہ میرے نزدیک ان کے منصب رسالت کا ناگزیر تقاضا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ" اس میں دیکھئے توفی وفات کے لیے اور "رفع" اس کے بعد رفع جسم کے لیے بالکل صریح ہے۔"

اشراق جولائی 1994ء صفحہ 32 پر لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے ان کی روح ہی قبض نہیں کی ان کا جسم بھی اٹھا کر لے گئے۔ مبادا یہ سرپھری قوم ان کی توہین کرے۔"

☆ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھا لیا جانا اور قرب قیامت میں دوبارہ نازل ہونا اُمت کے اجماعی عقیدوں میں سے ہے اور نزولِ مسیح علیہ السلام کا مضمون تواتر سے ثابت ہے)۔

☆ نظریہ تصوف اور غامدی صاحب

غامدی صاحب عربی اشعار کی کچھ واقفیت اور اسلوب بیان کی نزاکتوں کے اختراع کو اپنی پونجی بنا کر عالمگیر منصف بن گئے ہیں اور ان کے قلم نے یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا ہے کہ امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید اور سلسلہ تصوف سے منسلک تمام ہی حضرات عالمگیر ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے۔

لکھتے ہیں:

"اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ کی ہدایت یعنی اسلام کے معاملے میں تصوف وہ عالمگیر ضلالت ہے جس نے دنیا کے ذہین ترین لوگوں کو متاثر کیا ہے۔" (برہان: ص 156)

یہ ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے جس پر علماء کرام نے ضخیم کتب تحریر فرمائیں ہیں۔ جن کی خواہش

جو مطالعہ فرمالیں۔ غامدی صاحب کا اتنے بڑے حضرات کو گمراہ اور ضلالت میں مبتلا کہنا دراصل خود غامدی صاحب ہی کے ضال ہونے کی دلیل ہے۔

☆ڈاکٹر اسرار صاحب

دین اسلام میں اصلاح کے ایک اور داعی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بارے میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

کسی دینی تحریک کے سربراہ کے لیے جو اوصاف ضروری ہیں ڈاکٹر اسرار صاحب ان کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں: ایک یہ کہ وہ باضابطہ اور مستند عالم دین ہو اور دوسرے یہ کہ متقی اور مزکی ہو۔ (جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی 522)

لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب ان اوصاف کو ضروری سمجھتے نہیں اور لکھتے ہیں:

"ان میں سے دوسری چیز (یعنی تزکیہ نفس) تو کسی ناپ تول میں آنے والی نہیں ہے اور اس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا آخری تجزیے میں شرط واحد یہ رہ جاتی ہے کہ علم دین کا حصول مروجہ معیارات کے مطابق ہو اور مسلمۃ المقام علماء سے سند فراغت حاصل کی ہو۔ اس پر سب سے پہلی گزارش تو راقم کی یہ ہے کہ کسی ایک ہی ایسے بڑے فتنے کا نام بتا دیا جائے جس کا آغاز کرنے والے مستند عالم دین اور مسلم حیثیت کے مالک علماء کرام کے فیض یافتہ نہ ہوں۔ چنانچہ کیا مسلم انڈیا کی تاریخ کے سب سے بڑے فتنے یعنی دین الٰہی کے مصنف ابو الفضل اور فیضی مسلم عالم دین نہ تھے۔ اسی طرح عہد حاضر کے عظیم فتنوں کے بانیوں میں سے کیا سرسید احمد خان مرحوم وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق عالم دین اور بہترین علماء کے فیض یافتہ نہ تھے؟ کیا نور الدین بھیروی نے وقت کے چوٹی کے علماء سے کسب علم نہیں کیا تھا؟ (اور واضح رہے کہ غلام احمد قادیانی کی گمراہی میں اصل دخل اسی شخص کو حاصل تھا) کیا مولوی عبداللہ چکڑالوی اور علامہ اسلم جیراجپوری علماء میں سے نہ تھے؟ (غلام احمد پرویز کا ذکر چھوڑ دیجئے کہ وہ ان ہی اصحاب ثلاثہ یعنی سرسید، علامہ جیراجپوری اور عبداللہ چکڑالوی کا خوشہ چین ہے خود کچھ نہیں) مزید قریب آ کر دیکھئے کیا مولانا امین احسن

اصلاحی مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ کے سند یافتہ فارغ التحصیل اور پھر علامہ فراہی ایسے محقق قرآن اور محدث، مبارکپوری ایسے عالم وشارح، حدیث نبویؐ کے فیض یافتہ نہیں ہیں؟ اس سے بھی زیادہ قریب اس کی مثال درکار ہو تو کیا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی باضابطہ سند یافتہ (فاضل علوم دینیہ) اور خود حضرت مولانا مودودیؒ کے فیض یافتہ نہیں ہیں؟

مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: ہمیں حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ کوئی ایسا بڑا فتنہ بتا دیا جائے جس کا آغاز کرنے والا مستند عالم دین اور مسلم حیثیت کے مالک علماء کرام کا فیض یافتہ نہ ہو۔ لیجئے ان ہی کے پیشوا مودودی صاحب کا اٹھایا ہوا فتنہ اور ان کا پورا لٹریچر اور اس کو قبول کرنے والی جماعت۔

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کا قلم ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔

"......لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالمگیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے۔ صحابہ کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے۔ آخر تفہیم القرآن اور خلافت وملوکیت اور ترجمان القرآن میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آگئی ہیں۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا والی بات ہے۔ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیف وتحریرات کو مطالعہ کرکے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق (ص 58 مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین)

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جن کے تقوے کے ڈاکٹر صاحب بھی معترف ہیں (دیکھئے ص 27 جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی) وہ مودودی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ جماعت گمراہ جماعت ہے۔ اس کے عقائد اہل سنت والجماعت اور قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ اس جماعت کی کوشش اس اسلام کے لیے نہیں جو کہ حقیقی ہے بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی اور نئے اسلام کے لیے ہے۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکا دینے اور اپنا ہم بنانے کے لیے اسلام اور دین کا نام لیتے ہیں۔ ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اصلی اور دیندار ہیں۔ ان کے رسالوں اور کتابوں میں دینی پیرائے میں وہ بد دینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر بین اور ناواقف انسان سمجھ نہیں سکتا اور بالآخر اس اسلام سے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور امت محمدیہ جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے عمل پیرا رہی ہے بالکل علیحدہ اور بیزار ہو جاتا ہے۔ آپ حضرات سے امیدوار ہوں کہ اس فتنہ سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے سکوت اور غفلت اور چشم پوشی کو روا نہ رکھیں۔"

مودودی صاحب کے مستند عالم اور مسلم حیثیت کے مالک علماء کرام کے فیض یافتہ نہ ہونے کی شہادت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ سے سنئے:

"اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے جو بچپن ہی سے طباع و ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ابتداء میں اخبار بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار مسلم سے وابستہ رہے۔ پھر چند سالوں کے بعد اخبار الجمعیۃ دہلی میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا۔ دہلی سے نکلتا تھا۔ غالباً سہ روزہ تھا۔ تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب و تاب سے نکلتے تھے۔ اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی۔ والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے۔ پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہو گئی۔ اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلات وجرائد سے بہت فائدہ اٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی۔ بدقسمتی سے نہ کسی دینی درس گاہ سے فیض حاصل کر سکے نہ جدید علوم کے

گریجویٹ بن سکے، نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا۔ بلکہ بدقسمتی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد و زندیق کی صحبت نصیب رہی ان کی صحبت و رفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات و میلانات پیدا ہوگئے۔" (ص 54 مودودی صاحب اور ان کی تحریرات سے متعلق چند اہم مضامین)

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب فرماتے ہیں: عجیب اتفاق دیکھئے کہ ڈاکٹر اسرار صاحب نے جتنے فتنہ گروں کے نام گنوائے ہیں ان میں فتنہ کی جڑ پہلے سے موجود تھی۔ یعنی اجتہاد کی اہلیت نہ ہونے کے باوجود ترک تقلید اور اپنے کو کسی دوسرے اہل اجتہاد کی رہنمائی کا محتاج نہ سمجھنا۔ جب اپنے اندر اہلیت و صلاحیت نہ ہو اور دوسرے اہل کی رہنمائی بھی قبول نہ کرے تو اس بات کو سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ایسے لوگ فتنے ہی اٹھائیں گے اور شیطان کے آلہ کار بنیں گے۔ یہی مرض مودودی صاحب میں بھی تھا اور اسی مرض کو ڈاکٹر اسرار صاحب بھی اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے ہیں بلکہ اپنی جماعت کے لیے بھی اس کو پسند کرتے ہیں اور وہ چونکہ اس کو مرض ہی نہیں سمجھتے بلکہ ایک نوع کا کمال سمجھتے ہیں اس لیے وہ اپنے مرض کی صحیح تشخیص کرنے سے عاجز ہیں۔

یہاں جو ذکر کیا گیا کہ ڈاکٹر اسرار صاحب میں دینی قیادت کے ضروری اوصاف نہیں ہیں تو اس اجمال کی تفصیل آگے ملاحظہ کیجئے۔

"حقیقت و ماہیت ایمان" کے عنوان سے ڈاکٹر اسرار صاحب کی ایک آڈیو کیسٹ دستیاب ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

"قانونی مومن (یعنی جس نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہو اس) کی باطنی اعتبار سے تین کیفیتیں ہیں۔

1۔ دل میں مثبت طور پر ایمان ہو۔ اس کو وہ حقیقی ایمان اور Plus Value سے تعبیر کرتے ہیں۔

2۔ پہلی کے برعکس یعنی دل میں کفر ہو۔ یہ منافق ہے اور اس کو Minus Value سے تعبیر کرتے ہیں۔

3۔ان دونوں کے بین بین Zero Value ہے کہ نہ دل میں مثبت طور پر ایمان ہو اور نہ منفی طور پر نفاق ہو بلکہ ایک خلا کی کیفیت ہے اندر کچھ بھی نہیں۔ ہم میں سے اکثر کا حال یہی ہے۔ یہ پونجی وراثت میں ملی ہے لیکن دلوں کو ٹٹولیں تو یقین قلبی والا ایمان نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اس کی دلیل سورۃ حجرات کی آیت 14 میں ہے:

ترجمہ: "بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔"

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ یہ منافقین کا ذکر ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور یہ مغالطہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ پھر تو یہ منافق ہوئے کہ ظاہر میں اسلام ہے اور دل میں ایمان نہیں کیونکہ آگے اعمال کے قبول ہونے کا فرمان ہے۔

ترجمہ: "اور اگر تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تو نہیں کمی کرے گا تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی۔"

جب کہ منافق کا تو کوئی بھی عمل مقبول نہیں۔

اگرچہ قانون تو یہی بنتا ہے کہ اگر ایمان نہیں تو اطاعت مقبول نہ ہو لیکن اللہ اپنی شان غفاری و رحیمی کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں۔" (کیسٹ حقیقت و ماہیت ایمان نمبر 4)

☆ زیرو ویلیو

اوپر جس Zero Value کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر اسرار صاحب کہتے ہیں:

"اگرچہ قانون تو یہی بنتا ہے کہ اگر ایمان نہیں تو اطاعت قبول نہ ہو لیکن اللہ اپنی شان غفاری و رحیمی کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں۔"

"لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اطاعت کلی ہو جزوی نہ ہو۔ الا یہ کہ کسی وقت جذبات و ہیجان میں مبتلا ہو کر کوئی لغزش ہو جائے اور نہایت پشیمانی کے ساتھ رجوع کرے، توبہ کرے تو اور بات ہے۔ اللہ نے اس کی توبہ کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ (سورہ نساء:17)

اس کے مقابلے میں ایک معصیت سوچ سمجھ کر Calculations کر کے مستقل ڈیرا ڈال کر کی تو ایسا ایک گناہ ہمیشہ کے لیے جہنمی بنانے کے لیے کافی ہے۔ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ وہ گناہ جو انسان کا احاطہ کرے وہ معاشی گناہ ہے کیونکہ یہ اکل حرام ہے جو ریشے ریشے میں سرایت کر جاتا ہے۔ (کیسٹ حقیقت و ماہیت ایمان۔ کیسٹ ایمان اور اسلام)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ جواب میں فرماتے ہیں۔

اگر تو "سوچ سمجھ کر مستقل ڈیرا ڈال کر" سے مراد یہ ہے کہ وہ معصیت کے جائز اور حلال ہونے کا اعتقاد کر لیتا ہے یا شریعت کے حکم کے استخفاف اور استہزاء کی نظر سے دیکھتا ہے تو یہ کفر ہے اور اس کفر کی بدولت وہ ہمیشہ کا جہنمی ہوگا۔

اور اگر مراد حلت کے اعتقاد اور استخفاف کے بغیر ہی وہ کسی معصیت کا بار بار ارتکاب کیے جاتا ہے اور دل میں کفر نہیں آیا تو ڈاکٹر صاحب کے قاعدے کے مطابق وہ ہمیشہ کا جہنمی ہوگا۔ کیونکہ ڈاکٹر اسرار صاحب ایمان تو اس کے دل میں مانتے ہی نہیں۔ نفاق نہ ہونے کی وجہ سے اللہ نے اس کے اسلام کو اطاعت کلی کی شرط کے ساتھ قبول کیا تھا۔ اطاعت کلی پائی نہیں گئی کیونکہ معصیت کا ارتکاب یہاں کسی وقتی ہیجان کے زیر اثر نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر ہے۔ لہٰذا وہ اسلام بھی مقبول نہیں رہا اور وہ ہمیشہ کا جہنمی بن گیا۔ لیکن اہل سنت کا عقیدہ اس سے مختلف ہے۔

آدمی کا کسی معصیت پر اصرار کرنا، ہو سکتا ہے کہ ترقی کرتے کرتے اس کو کفر تک لے جائے۔ لیکن اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک اس کے اندر کفر نہیں آ جاتا اس کے اندر جو ایمان و تصدیق ہے اس کی وجہ سے وہ آخر کار جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

آگے حدیث مذکور ہے جس سے ڈاکٹر اسرار صاحب کا عقیدہ باطل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ ایک سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے۔ میں دوبارہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا جو بندہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہے پھر اس پر مرجائے تو جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو؟ اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے کہا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو؟ اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے پوچھا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو؟ اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو ابوذر کی ناک خاک آلود ہونے کے باوجود۔ (یعنی ابوذر کے نہ چاہنے کے باوجود بھی)

"الا دخل الجنة" کے قول کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اس میں بشارت ہے کہ انجام کار جنت میں داخل ہوگا۔ اگر چہ اس کے گناہ کثیر ہوں۔ لیکن اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہوگا۔ چاہیں گے تو اس کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمائیں گے اور چاہیں گے تو اس کے گناہوں کے بقدر عذاب دیں گے پھر اس کو جنت میں داخل کریں گے۔

نیز اس حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ زنا اور سرقہ وہ ہے جو وقتی ہیجان کے باعث ہو گیا یا کہ وہ سوچ سمجھ کر کیا ہو۔ نہ ہی یہ کہیں مذکور ہے کہ اس معصیت کا ارتکاب اتفاقیہ بھی ہو گیا ہو یا کہ اصرار اور تکرار کے ساتھ۔ پھر یہ کہ زنا اور سرقہ دونوں ہی ایسی معصیتیں ہیں جو عام طور پر سوچ سمجھ کر کی جاتی ہیں اور جن سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی یقیناً حرام ہے۔ اکل حرام کے باوجود حدیث سے اس بات کا امکان ملتا ہے کہ اس کی موت لا الٰہ الا اللہ پر آئے یعنی یہ تصدیق اس کے دل میں موجود ہو۔

☆ نظریہ ارتقاء اور ڈاکٹر اسرار صاحب

نظریہ ارتقاء کے قائلین کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی کہ پہلے مٹی گارے سے ان کا پتلا بنایا گیا ہو پھر اس میں روح پھونکی گئی ہو بلکہ ان کے نزدیک آدم اور حوا علیہا السلام انسانوں سے مشابہہ بندروں کی اولاد تھے اور بندر بھی ہمیشہ سے بندر نہیں تھے بلکہ وہ اس سے

پہلے کمتر درجے میں تھے۔ ان کے نزدیک دنیا میں حیات کی ابتداء ایک خلیاتی (Unicellular) صورت میں شروع ہوئی جو کروڑوں اربوں سالوں میں مختلف جانداروں میں ارتقائی منازل طے کر کے انسان تک پہنچی۔ یہ نظریہ محض ایک مفروضہ ہے اور پہلے خیال تھا کہ حیات کا ابتدائی مظہر امیبا (Amoeba) ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء والوں کی سوچ مزید ترقی کر کے امیبا سے آگے نکل کر وائرس (Virus) تک پہنچ گئی ہے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کی ایک ریکارڈ شدہ تقریر "قرآن اور نظریہ ارتقاء" کے نام سے دستیاب ہے۔

اس تقریر میں نظریہ ارتقاء کو قبول کرتے ہوئے:

ڈاکٹر اسرار صاحب نے قرآن پاک کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے:

خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ۔ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ۔ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ

ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آخر کہیں تراب اور کہیں طین اور کہیں طین لازب اور کبھی صلصال کا ذکر ہے تو اس میں کسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ پھر یہ نتیجہ نکالا کہ کیچڑ سوکھی اور مٹی کھنکھنانے لگی یعنی اس میں خمیر پیدا ہوا اور اس سے پہلا ذی حیات امیبا Amoeba وجود میں آیا اور امیبا عام طور پر جوہڑوں اور تالابوں میں پایا جاتا ہے۔

ارتقاء کے مجوزہ ماہرین حیاتیات کے نزدیک حیات کی ابتداء وائرس Virus سے ہوئی ہے۔ وائرس کی دریافت سے پہلے امیبا Amoeba کو ابتدائی مظہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب وائرس کی سادہ تر ترکیب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو یہ مقام دیا گیا ہے۔

"امیبا سے انسان تک" کی تعبیر عام طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ گویا کہ یہ ارتقاء کی عظیم وسعت کو محیط ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ امیبا سے بھی مقدم تر حیات کے ابتدائی مراحب کا وسیع میدان موجود ہے۔ یک خلیاتی جانداروں میں فلیجلا اب پوری دنیا میں امیبا کی جنس حائی زو پوڈا کے مقابلے میں قدیم تر مانی جاتی ہے اور غالباً امیبا کے اجداد میں سے ہے۔

پھر ماہرین حیاتیات کے نزدیک وائرس کا وجود مٹی، کیچڑ یا کھنکھناتی مٹی کا بھی محتاج نہیں تھا۔" اور

اس لیے یہ عمل شروع ہو گیا ہوگا۔ ابتدائی فضائی گیس، برق اور ماورائے بنفشی روشنی کی موجودگی میں متحد ہو کر سادہ نامیاتی مرکبات میں تبدیل ہو گئی ہوگی۔ جوں جوں زمین ٹھنڈی ہوتی گئی، آبی بخارات جم کر تالاب، دریا اور سمندروں میں منتقل ہو گئے ہوں گے۔ سادہ نامیاتی مواد ان پانیوں میں لاکھوں سالوں میں جمع ہوتے گئے ہوں گے۔ اس یخنی (مجموعہ) کے مرکبات کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے میں عمل کر کے مختلف کیمیائی چیزیں بنائی ہوں گی۔ ہم یہ فرض کر چکے ہیں حیات کی ابتدائی صورتوں نے ان محیط سمندر کے نامیاتی مرکبات کو اپنی زندگی اور تناسل کے لیے استعمال کیا ہوگا۔"

اس سارے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1۔ نظریہ ارتقاء ابھی تک محض ایک مفروضہ اور قیاس آرائی ہے اور اگرچہ اس کے لیے کچھ شواہد بھی ذکر کیے گئے ہیں لیکن وہ خود کامل اور تام نہیں۔ خصوصاً عالم حیوانات اور اس میں بھی بالخصوص انسان کے بارے میں تو یہ ابھی مفروضہ اور قیاس آرائی سے زیادہ کچھ نہیں۔

2۔ حیات کی ابتداء وائرس سے ہوئی جس کے وجود کے لیے مٹی وغیرہ کی حاجت نہیں تھی۔ محض ایک مفروضہ اور وہ بھی متروک ہو گیا۔ اس کی بنیاد پر قرآن وحدیث کی تصریحات کو نظر انداز کرنا اور بلاوجہ دور از کار تاویلات کرنا ڈاکٹر اسرار صاحب کی بڑی زیادتی ہے جس میں وہ کسی بھی درجہ میں معذور نہیں ٹھہرتے۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔

نظریہ ارتقاء قرآن وحدیث کی واضح تصریحات میں باطل ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 59 میں ہے۔ ان مثل عیسی عنداللہ کمثل ادم خلقه من تراب۔ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے۔ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

علامہ رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے "کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت نجران کے وفد کے حضور کے پاس آنے کے وقت نازل ہوئی۔ ان کے شبہات میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے بشری والدنہ تھے تو لازم ہے کہ اللہ ہی والد ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے نہ باپ تھے نہ ماں۔ ان کے لیے لازم نہ ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ کیسے لازم ہوا"۔

اس آیت کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ نہ تھے۔ لیکن نظریہ ارتقاء کی رو سے ان کے ماں باپ ہونا چاہئیں۔

سورۃ الم سجدہ آیت نمبر 7 اور 8 میں ہے و بدا خلق الانسان من طین ۔ ثم جعل نسله من سللة من ماء مهین ۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو گارے سے بنانے کا ذکر ہے اور نسل کی تخلیق نطفے سے کی۔ یعنی دونوں کی تخلیق جدا جدا طریقے سے ہوئی۔ اس طرح بھی نظریہ ارتقاء غلط ہو گیا کیونکہ آدم علیہ السلام کا بھی نطفہ سے پیدا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت حوا علیہا السلام بھی نطفہ سے پیدا نہیں ہوئیں جبکہ نظریہ ارتقاء کے مطابق وہ بھی نطفہ سے پیدا ہوئیں۔

الغرض ارتقائی طریقہ سے تخلیق انسانی کا نظریہ اور عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

☆ تصور دین و مذہب

ڈاکٹر اسرار صاحب اپنے تصور دین و مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دین اپنی فطرت کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے۔ وہ دین درحقیقت دین ہے ہی نہیں جو غالب نہ ہو۔ چنانچہ انگریز کے دور غلامی میں جس دین کی اصل حکمرانی تھی وہ دین انگریز تھا۔ تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی۔" (ص 92 مطالبات دین)

"معلوم ہوا کہ ہر نظام غلبہ چاہتا ہے اور اگر اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے جیسا کہ فی الواقع وہ ہے۔ "ان الدین عند الله الاسلام" تو اس کو غلبہ درکار ہے۔ یہ منزل انگریزوں کی دو سو سالہ غلامی کی وجہ سے ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

میں بڑے عزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام جب غالب ہوتا ہے تو دین ہوتا ہے اور جب مغلوب ہوتا ہے تو صرف مذہب رہ جاتا ہے۔" (ص 186 جماعت شیخ الہند اور تنظیم الاسلام)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ جواب میں لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کا یہ بات کہنا بوجوہ ذیل غلط ہے۔ ان ہی وجوہ سے ڈاکٹر صاحب کی بیان کردہ تفریق میں مضمر مفاسد بھی ظاہر ہو جائیں گے۔

(1) لغت والے ایسی کوئی تفریق نہیں کرتے۔

(2) اسلام کے ابتدائی دور میں یعنی کی دور میں جب کہ مسلمانوں کو اور اسلام کو غلبہ حاصل نہ تھا اس وقت بھی قرآن پاک نے اسلام کو دین کہا۔ دیکھئے سورۃ کافرون میں ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ اسی طرح سورہ یونس میں ہے:

ترجمہ: "کہہ دے کہ اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو کھینچ لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر۔"

ترجمہ: "ہم نے اتاری ہے تیری طرف ایک کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے دین۔"

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ جواب میں مزید لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ چونکہ انگریز کے دور غلامی میں اسلام غالب نہیں تھا لہذا ہندوستان کے مسلمانوں کا وہ دین نہ رہا تھا بلکہ ان کا دین، دین انگریز تھا اور ان کا مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی اور ایسا نتیجہ کیوں نہ نکلے جب کہ ڈاکٹر اسرار صاحب فرماتے ہیں۔

"دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ مطاع کون ہے، حاکم کون ہے، حاکمیت کس کی ہے، قانون کس کا چلے گا، مرضی کس کی چلے گی اور وہ حاکمیت کس طرح روبعمل ہوگی۔ کس کے واسطے سے ہوگی، کون اس کا نمائندہ ہوگا۔" (ص 96 مطالبات دین)

جب یہ تمام امور مثلاً حکمران انگریزوں کے نظام میں موجود تھے اور وہ نظام ہندوستان میں عملاً رائج

تھا تو معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں کا بشمول مسلمانوں کے دین، دین انگریز تھا اور دین اسلام محض چند عقائد اور چند رسوم کا مجموعہ بن کر مذہب میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ان کا مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی اور اس کی مرضی چلتی تھی۔

ڈاکٹر اسرار صاحب نے الفاظ کے الٹ پھیر میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی تحریک وجدوجہد آزادی کی پوری تاریخ کو طاق نسیان پر رکھ دیا ہے بلکہ مسلمانوں پر اپنے دین کو ترک کرنے اور دین انگریز کو اختیار کرنے اور برطانوی پارلیمان کو مطاع مطلق ماننے کی العیاذ باللہ، تہمت بھی لگائی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی بحیثیت مجموعی جدوجہد آزادی شروع سے آخر تک رہی۔ تحریک شہیدین (یعنی سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ)، تحریک مجاہدین، 1857ء کی جنگ آزادی، تحریک خلافت، تحریک ریشمی رومال، تحریک پاکستان۔ یہ سب تحریکیں اور کاوشیں آخر کس کو مطاع مطلق مان کر تھیں۔ اگر برطانوی پارلیمان ہی ان کی مطاع مطلق تھی تو کیا یہ سب قربانیاں اسی کی اطاعت میں تھیں؟ ڈاکٹر صاحب کو اختیار ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے اسباب کو معاشرتی و معاشی کہیں لیکن وہ اس سے انکار نہیں کر سکیں گے کہ مسلمان عوام سے ووٹ، اسلام، اسلامی آئین اور اسلامی نظام کے نام پر لیے گئے تھے۔ جب مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی آئین جاگزیں تھا اور وہ اس کے لیے قربانیاں دے رہے تھے تو یہ تو نہیں ہو سکتا کہ انگریز کا آئین بھی ان کے دلوں میں پیوست تھا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے تو جب تک کسی کو مطاع مطلق تسلیم نہ کیا جائے اس کا دین قبول نہ ہوگا۔ لہٰذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی دین انگریز کو کبھی قبول نہیں کیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ انگریزی دین اور انگریزی قانون کے درمیان فرق ڈاکٹر صاحب پر مخفی نہیں ہوگا اور مسلمانوں کی مجموعی و انفرادی کوششیں بھی اس لیے تھیں کہ انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون آئے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں۔ ما دینك (تیرا دین کیا ہے؟) مومن مسلم ہو تو جواب دیتا ہے۔ دینی الاسلام (میرا

دین اسلام ہے) ڈاکٹر اسرار صاحب کے قول کے مطابق جب اسلام مغلوب ہو چکا تو مسلمان کا دین اسلام تو نہ رہا۔ پھر نہ جانے انگریزوں کے آنے کے وقت سے اب تک مرنے والے مسلمان ان کو کیا جواب دیتے ہوں گے؟۔

تصور دین کے بارے میں ڈاکٹر اسرار صاحب ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ دین کا مطلب کبھی وہ کچھ بتاتے ہیں اور کبھی کچھ بتاتے ہیں۔ مثلاً:

1۔ اپنی کتاب "مطالبات دین" کے ص 92 پر لکھتے ہیں۔

"دین اللہ یہ ہے کہ صرف اللہ کو مطاع و حاکم مطلق اور حقیقی مقنن تسلیم کرکے اس کی جزا کی امید اور اسی کی سزا سے خوف کرتے ہوئے صرف اسی کے قانون، اسی کے ضابطے اور اسی کی دی ہوئی شریعت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو انجام دیا جائے۔ بالفاظ دیگر صرف اور صرف اس کی کامل اطاعت میں پوری زندگی کو جکڑ دیا جائے۔"

یہاں دین کا مطلب خاص طرز اور ضابطہ کے مطابق عمل کرنا، معاملات سرانجام دینا اور زندگی بسر کرنا بتایا ہے۔

2۔ مطالبات دین کے ص 91 پر لکھتے ہیں:

"دین اسلام کے معنی ہیں ایک پورا نظام زندگی اور مکمل ضابطہ حیات جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی (یا ادارے) کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔

لہٰذا دیکھئے یہاں بادشاہی کے اس پورے نظام کو جو بادشاہ کی حاکمیت کی بنیاد پر مصر میں رائج تھا دین الملک سے تعبیر کیا گیا۔"

یہاں ڈاکٹر اسرار صاحب نے دین کا مطلب رائج ضابطہ حیات اور نظام زندگی بتایا ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ ضابطہ حیات اور نظام زندگی اور چیز ہے اور اس کے مطابق

زندگی بسر کرنا اور اس پر عمل کرنا اور چیز ہے۔

3۔ مطالبات دین ص 96 پر لکھتے ہیں:

"دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ مطاع کون ہے، حاکم کون ہے، حاکمیت کس کی ہے، قانون کس کا چلے گا، مرضی کس کی چلے گی اور وہ حاکمیت کس طرح روبعمل ہوگی، کس کے واسطے ہوگی، کون اس کا نمائندہ ہوگا۔"

یہاں ڈاکٹر اسرار صاحب نے دین کو آئین (Constitution) کے معنی میں بتایا ہے۔ آئین تو ایک فکری چیز ہے جس پر ایک نظام قائم کیا جاتا ہے اور لوگ اس نظام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز دوسرے سے جدا حقیقت رکھتی ہے۔

4۔ مطالبات دین ص 95 پر لکھتے ہیں:

"دین حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء و رسل کا ایک ہی رہا ہے۔ اس میں کبھی دور میں بھی قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ سب کا دین ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل توحید کے ساتھ۔ ملائکہ، نزول کتب اور ارسال انبیاء پر ایمان اور بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، جزا وسزا اور جنت و دوزخ یعنی آخرت میں پیش آنے والے تمام احوال پر ایمان اور اس بات پر ایمان کہ حاکم مطلق صرف اللہ ہے۔ وہی مقنن حقیقی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے یہاں دین کو آئین کے معنی تو دیئے ہیں لیکن اس کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں بھی شامل کردی ہیں جن کا اصل موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ وہ خود ہی ص 96 پر وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ مطاع کون ہے، حاکم کون ہے، حاکمیت کس کی ہے، قانون کس کا چلے گا......الخ"

اب سابقہ انبیاء ورسل پر ایمان لانا، سابقہ کتابوں پر ایمان لانا، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ دیگر فرشتوں پر ایمان لانا، تقدیر پر ایمان لانا ان باتوں کا ڈاکٹر اسرار صاحب کے بتائے ہوئے اصل

موضوع سے تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ آگے لکھتے ہیں۔

تصور دین کے بارے میں ڈاکٹر اسرار صاحب کے انتشار ذہنی اور دیگر اغلاط سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ان کے دیئے ہوئے تصور اقامت دین کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی گمراہی سے خالی نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب نے اقامت دین کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

ترجمہ: "اے مسلمانو! تمہارے لیے ہم نے مقرر کیا از جنس دین وہی جس کی وصیت کی تھی نوح کو اور جو وحی کیا گیا ہے اے نبی تیری جانب اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ دین کو قائم کرو۔" (سورہ شوریٰ:13)

بعد میں لکھتے ہیں:

"اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا تھا اور خاتم النبیین وہ المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل پایا اس کے نزول کا مقصد تھا اس دین اللہ کا بالفعل قیام ونفاذ۔ چنانچہ آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا کہ ان اقیموا الدین (دین کو قائم کرو) یعنی بالفعل نافذ ہو۔ (اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ) کے مطابق تمام معاملات طے ہوں، تمام امور کا تصفیہ کیا جائے، کسی کام کو حرام و حلال، جائز و ناجائز قرار دینے کا اللہ کو کامل مختار و مجاز تسلیم کیا جائے۔ اس سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ جب تک امر واقعہ میں یہ صورتحال عملاً نافذ نہیں ہوتی اس وقت تک دین کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہوتا جو انزال وحی، ارسال کتب اور بعثت انبیاء ورسل کا بنیادی واساسی مقصد ہے۔ (مطالبات دین ص94)

اور امر واقعہ میں یہ صورتحال عملاً اس وقت نافذ سمجھی جائے گی جب کسی علاقہ میں اسلامی نظام پر مبنی اسلامی حکومت قائم ہو جائے جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے دین حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن من دھن سے کوشاں ہو۔ اس کے لیے قرآن حکیم کی چار اساسی اصطلاحات ہیں۔ تکبیر رب،

اقامت دین، اظہار دین الحق علی الدین کلہ اور حدیث نبویؐ میں ایک پانچویں اصطلاح وارد ہوئی ہے۔ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اور......

تین عام فہم تعبیرات ہیں۔ قیام حکومت الٰہیہ، نفاذ نظام اسلامی اور اسلامی انقلاب۔" (ص 109 جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی)

ڈاکٹر اسرار صاحب نے جس آیت سے استدلال کیا ہے ان کے بقول اس میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کو اقامت دین کا حکم ہوا۔ بالفاظ دیگر ان کو حکومتی سطح پر اسلامی انقلاب برپا کرنے اور حکومت الٰہیہ قائم کرنے کا حکم ہوا لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کی جانب سے حکومت قائم کرنے کی کوئی بھی کوشش منقول نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے صرف چند افراد مسلمان ہوئے۔ ان کے اپنے گھر والوں میں سے بعض افراد کفر پر قائم رہے۔ وہ اپنی کوشش سے حکومت الٰہیہ قائم نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے کافر قوم کو غرق کر دیا پھر جو چند مسلمان تھے ان کی تعداد ہی اتنی قلیل تھی کہ کسی حکومت کی تشکیل کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میدان تیہ میں وفات ہوئی۔ نہ کوئی شہر تھا نہ ملک تھا۔ حکومت الٰہیہ کیا قائم ہوتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے چند لوگ تھے۔ یہود جان کے دشمن بن گئے تو آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ایسے میں اسلامی حکومت وریاست قائم کرنے کی کوشش کیسے متصور ہو سکتی ہے؟

مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی جانب سے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوئی شعوری اور بلاواسطہ محنت مفقود ہے۔ مشرکین مکہ جب جان کے درپے ہو گئے تو مجبوراً ہجرت کرنا پڑی۔ مدینہ منورہ میں حکومت الٰہیہ قائم ہوئی تو وہ محض عطیہ خداوندی تھی۔

ہماری اس بات پر اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حکومت قائم کرنے کے لیے کوشش تو ابتداء ہی سے کرنی ہو

گی۔ اس سے تو ہمیں انکار نہیں لیکن جب حکم تو یہ ہو کہ دین بالفعل نافذ ہو یعنی بالفعل حکومت الٰہیہ قائم کرو تو معاملہ اگر ابتدائی تبلیغ پر رک جائے اور حکومت بالفعل قائم نہ ہو تو اس کو حکم پورا کرنا نہیں کہتے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب بھی مجبور ہو کر یہی عذر بتاتے ہیں۔ لہٰذا لکھتے ہیں:

"قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت (حضرت نوح علیہ السلام) پر ان کے گھر والے ہی ایمان لائے تھے۔ اس میں ایک بیٹے نے دعوت حق قبول نہیں کی تھی۔ وہ کفر پر ہی اڑا رہا تھا۔ ممکن ہے کہ چند انگلیوں پر گنے جانے والے اور لوگ بھی ایمان لائے ہوں۔ بہر حال ساتھی نہ ملے۔ جمعیت فراہم نہیں ہوئی، اگلا قدم کیسے اٹھتا، اعوان و انصار نہ ہوں تو ان کی منزل کی طرف پیش رفت کیسے ہو۔ لیکن نوح علیہ السلام کی استقامت و مصابرت دیکھئے کہ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ میں لگا دیئے اور کھپا دیئے اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر دیا۔" (ص 197 جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی)

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عام عقل والا شخص بھی اس کو تسلیم نہیں کرے گا کہ حکم تو دیا گیا ہو ایک نظام برپا کرنے کا تاکہ عبادت اور شہادت حق علی الناس بکماله ادا ہو سکیں اور حضرت نوح علیہ السلام اس کو پورا بھی نہ کر پائیں پھر بھی وہ اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے والے کہلائیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو محض اجتماعی نظام کی برکتوں کے مشاہدہ سے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ ان کو یہ موقع بھی فراہم نہ ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے اپنے فلسفہ کے علی الرغم باوجود اس کے کہ عبادت بھی ناقص کی، شہادت حق بھی پورا نہیں کیا اور نظام اسلامی برپا کرنا تو بہت ہی دور رہا لیکن پھر بھی اقیموا الدین پر پورا عمل ہو گیا اور فرض منصبی بکمالہ ادا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی ناقص سمجھ سے محفوظ رکھیں۔

جب ڈاکٹر صاحب کے بتائے ہوئے معنی درست ثابت نہیں ہوئے تو اب ہم درست معنی نقل کرتے ہیں۔

روح المعانی میں ہے:

لم یبعث نبی الا أمر باقامة الصلوٰة وایتاء الزکوٰة و الاقرار باللّٰہ تعالیٰ و طاعة

سبحانه و ذالك اقامة الدين۔

ترجمہ: "کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور اللہ تعالیٰ کو ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا اور یہی اقامت دین ہے۔"

نیز روح المعانی میں ہے:

اى دين الاسلام الذى هو توحيد الله تعالىٰ و طاعته و الايمان بكتبه و رسله و يوم الجزاء و سائر مايكون العبدبه مومنا و المراد باقامته تعديل اركانه و حفظه من ان يقع فيه زيغ و المواظبة عليه۔

ترجمہ: "دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت ہے اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم جزا اور وہ تمام باتیں جن سے ایک بندہ مومن بنتا ہے ان پر ایمان لانا ہے۔ اور دین کی اقامت سے مراد اس کے ارکان کی اچھے طریقے سے پابندی ہے اور دین کی اس بات سے حفاظت کرنا ہے کہ اس میں کوئی کجی واقع ہو اور اسی پر ہمیشگی کرنا ہے۔"

ڈاکٹر اسرار صاحب مودودی صاحب کے اتباع میں عبادت کا بھی کچھ اور ہی مطلب بتاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ اس کے لیے نصوص کے باوجود اول تو انہوں نے قرآن و سنت میں نماز، روزے وغیرہ کو عبادت کہنے ہی کی نفی کر دی۔ لکھتے ہیں:

دو عملی ستون چار ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور رمضان کے روزے۔ ان ہی کو ہم عبادات کہہ دیتے ہیں۔ اگر چہ پورے قرآن مجید میں ان کے لیے لفظ عبادت کہیں نہیں آیا، عبادت کا لفظ اس مفہوم میں ہے جس کی میں نے تشریح کی ہے۔" (مطالبات دین ص 14)

حالانکہ ان کے لیے کتاب و سنت میں کہیں بھی عبادات کا لفظ استعمال نہیں ہوا حدیث میں ان کو ارکان اسلام کہا گیا ہے عبادات نہیں۔ (میثاق جون 83ء)

اور عبادت کا جو تصور پوری امت میں رہا ہے اس کو وہ محدود بلکہ مسخ شدہ تصور کہتے ہیں۔

نماز کو ہم عبادت سمجھتے ہیں۔ روزہ عبادت ہے۔ زکوٰۃ عبادت ہے۔ حج عبادت ہے۔ بلاشبہ یہ

عبادات ہیں۔ لیکن جب عبادت کو ان میں منحصر کر لیا جائے اور جب یہ سمجھ لیا جائے گا کہ بس ان کو ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا ہو گیا تو تصور دین محدود ہی نہیں بلکہ مسخ ہو جائے گا۔" (ص 18 مطالبات دین)

ڈاکٹر اسرار صاحب کے نزدیک ارکان اربعہ اصل عبادت کے لیے مددگار ہیں خود اصل عبادت نہیں۔ لکھتے ہیں:

"عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں محدود و منحصر نہیں بلکہ جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا یہ وہ اعمال ہیں جو پوری زندگی کو خدا کی زندگی اور غلامی میں دینے کے لیے انسان کو تیار کرتے ہیں۔ یہ چیزیں حقیقی عبادت کی ادائیگی میں ممد و معاون بنتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے انسان میں وہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں جو اس عظیم عبادت کے حقوق کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو اگر انسان اپنی زندگی میں قائم کر لے تب اس کے لیے آسان ہوگا کہ وہ اپنی پوری زندگی میں اس روش کو اختیار کرے جس کا نام عبادت ہے۔" (ص 19 مطالبات دین)

"اس سلسلہ میں جو سب سے زیادہ محدود تصور ہے اور جو ہمارے ہاں سب سے زیادہ عام ہے اور جو عوام الناس کے ذہنوں میں صدیوں کے انحطاط کے بعد پوری طرح راسخ ہو گیا ہے وہ یہی ہے کہ عبادت سے مراد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہے اور بس یہ ہیں عبادات۔ باقی زندگی عبادت سے خارج ہے۔" (ص 22 مطالبات دین)

اس سے ذرا وسیع تصور جو پیدا ہوا ہے اور خوش قسمتی سے اس دور میں بہت سے اہل قلم کی کاوشوں، کوششوں کے نتیجے میں اب یہ بات ہمارے پڑھے لکھے طبقہ کی اچھی خاصی تعداد کے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ عبادت پوری زندگی میں کامل اطاعت کا نام ہے۔ (ص 19 مطالبات دین)

ڈاکٹر صاحب نے جن بہت سے اہل قلم کا ذکر کیا ہے ان میں سرفہرست جناب مودودی صاحب ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا مرحوم (مودودی صاحب) میرے والد کی عمر کے تھے۔ پھر میرے محسن بھی تھے کہ ان کی

تصانیف کے مطالعہ سے مجھے دین کا صحیح مفہوم اور ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل ہوا تھا۔" (میثاق ستمبر 84 ص 28)

دیکھیے مودودی صاحب تفہیمات جلد اول میں رقم طراز ہیں:۔

"غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ عبادت صرف تسبیح و مصلیٰ اور مسجد و خانقاہ تک محدود ہے۔ مومن صالح صرف اسی وقت تک عبادت گزار نہیں ہوتا جب وہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک مہینے کے روزے رکھتا ہے اور سال میں ایک وقت زکوٰۃ دیتا ہے اور عمر بھر میں ایک بار حج کرتا ہے۔ بلکہ درحقیقت اس کی ساری زندگی عبادت ہی عبادت ہے۔ جب وہ کاروبار میں حرام کے فائدوں کو چھوڑ کر حلال کی روزی پر قناعت کرتا ہے تو کیا وہ عبادت نہیں کرتا؟ جب وہ معاملات میں ظلم و جھوٹ اور فریب اور دغا سے پرہیز کر کے انصاف اور راست بازی سے کام لیتا ہے تو کیا یہ عبادت نہیں ہے؟ پس حق یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی پیروی اور اس کی شریعت کے اتباع میں انسان دین اور دنیا کا جو کام بھی کرتا ہے وہ سراسر عبادت ہے۔ حتیٰ کہ بازاروں میں اس کی خرید و فروخت اور اپنے اہل و عیال میں اس کی معاشرت اور اپنے خالص دنیاوی اشغال میں اس کا انہماک بھی عبادت ہے۔" (تفہیمات جلد اول ص 67 طبع جدید)

نیز لکھتے ہیں:

"افسوس کہ عبادت کے اس سچے اور حقیقی مفہوم کو مسلمان بھول گئے۔ انہوں نے چند مخصوص اعمال کا نام عبادت رکھ لیا اور سمجھے کہ بس انہی اعمال کو انجام دینا عبادت ہے اور انہی کو انجام دے کر عبادت کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس عظیم الشان غلط فہمی نے عوام و خاص دونوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔" (تفہیمات جلد اول ص 71 طبع جدید)

لیجئے ڈاکٹر اسرار صاحب کے تصور عبادت کی جڑیں بھی مودودی صاحب سے جا ملیں۔

ایک غیر فرض کام کو فرض عین قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر اسرار صاحب لکھتے ہیں:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ"

ہر انسان پر حجت قائم کردی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی کم اور کیسی ہی معمولی استعداد کا حامل کیوں نہ ہو، فلسفہ و منطق اور علوم وفنون سے کتنا ہی نابلد اور زبان وادب کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو وہ قرآن سے تذکر کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی طبع سلیم اور فطرت صحیح ہو اور ان میں ٹیڑھ اور کجی راہ نہ پا چکی ہو اور وہ قرآن کو پڑھتے ہوئے اس کا سادہ مفہوم روانی کے ساتھ سمجھتا چلا جائے۔

لیکن تذکرہ بالقرآن کے لیے بھی عربی زبان کا بنیادی علم بہر حال ناگزیر ہے اور متن کے ساتھ ساتھ قرآن کے کسی مترجم نسخے میں ترجمہ دیکھتے رہنا اس مقصد کے لیے قطعا ناکافی ہے اور اس میں پوری دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ عربی کی اس قدر تحصیل کہ انسان قرآن مجید کا ایک رواں ترجمہ از خود سمجھ سکے اور تلاوت کرتے ہوئے بغیر متن سے نظر ہٹائے اس کے سرسری مفہوم سے آگاہ ہوتا چلا جائے۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔

..........اور میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسا مسلمان جس نے کچھ بھی پڑھا لکھا ہو کجا یہ کہ غیر ملکی زبان تک سیکھی ہو، بی اے، ایم اے پاس کیا ہو، ڈاکٹری اور انجینئرنگ جیسے مشکل علوم وفنون حاصل کیے ہوں وہ اللہ تعالی کی عدالت میں اتنی ہی عربی نہ سیکھنے پر کیا عذر پیش کر سکے گا جس سے وہ اس کے کلام پاک کا فہم حاصل کر سکتا۔ حضرات! میں پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا عربی سیکھ کر قرآن کا فہم حاصل کرنے سے باز رہنا اللہ کے کلام کا تمسخر اور استہزاء ہی نہیں بلکہ اس کی تحقیر وتوہین ہے اور آپ خود سوچ لیں کہ اپنے اس طرز عمل سے ہم اپنے آپ کو اللہ کی کیسی شدید باز پرس اور کتنی سخت عقوبت کا مستحق بنا رہے ہیں۔ (مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ص34-35)

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کے اصلاح کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار صاحب کی ایک اور عبارت یوں ہے:

"لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا خاصا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے

بہت سے علوم وفنون حاصل کیے ہوں مادری نہیں بلکہ غیر ملکی زبان بھی سیکھی ہوں اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر وتوہین اور تمسخر واستہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے۔" (خط کشیدہ الفاظ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے ہیں)

اس دوسری عبارت میں ڈاکٹر اسرار صاحب نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو پڑھے لکھے ہوں اور جنھوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا خاصا عرصہ صرف کیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم وفنون حاصل کیے ہوں، مادری نہیں بلکہ غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں جب کہ پہلی عبارت جو کہ قرآن مجید کے حقوق میں موجود ہے اس میں ہر اس مسلمان کو شامل کیا ہے جس نے کچھ بھی پڑھا لکھا ہو۔

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کے الفاظ پر ایک اور نظر ڈالیں۔

"اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں گے تو عین ممکن ہے...........الخ"

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ سمجھنا بھی صرف عربی سیکھنے سے ہو محض ترجمہ دیکھنا کافی نہ ہو۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ تذکر بالقرآن کے لیے بھی عربی زبان کا بنیادی علم بہر حال ناگزیر ہے اور متن کے ساتھ ساتھ قرآن کے کسی مترجم نسخے میں ترجمہ دیکھتے رہنا اس مقصد کے لیے قطعاً ناکافی ہے۔ محض بے دلیل بات ہے۔ اگر یہ ایسا ہی ناگزیر تھا تو خاندان ولی اللہ اور پھر شیخ الہند رحمہ اللہ اور دیگر اکابرین کو ترجمہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی بلکہ اس طرح سے تو انھوں نے گویا ایک "فرض عین" کے ترک کرانے میں اعانت کی۔ آخر ترجمہ سے استفادہ بھی تو وہی لوگ کریں گے جو کچھ پڑھے لکھے ہوں۔

اصل چیز تو قرآن پاک کو سمجھنا ہے۔ خواہ وہ عربی اور دیگر علوم ضروریہ سیکھ کر ہو یا ترجمہ دیکھ کر یا کسی عالم سے ترجمہ کروا کر۔ اب اس دور میں دیکھا جائے تو احوط طریقہ کسی عالم سے ترجمہ کروا کر سمجھنا ہے۔ عربی زبان سیکھ بھی لے تب بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بات صرف الفاظ کی نہیں ہوتی بلکہ ان الفاظ اور اس کلام کی مراد کو بھی سمجھنا اصل مرحلہ ہوتا ہے۔ اُردو زبان کی کتنی عبارتیں ایسی

ہیں جن کو ایک عام اردو پڑھا لکھا شخص نہیں سمجھ سکتا، تو قرآن کی عبارت کو محض عربی کے کچھ بنیادی قواعد سیکھ کر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے کہ ہر شخص اس کو اور اس کی مراد کو سمجھ لے گا۔ بلکہ یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ کتنے ہی لوگ عربی کے کچھ قواعد سیکھ کر قرآن میں اپنی رائے دینے پر جری ہو جاتے ہیں اور پھر مادیگر ے نیست کا نعرہ لگانے لگتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تذکرہ ہوگا قرآن پاک کے ترجمہ کو سمجھنے سے اور ترجمہ سمجھنے کے متعدد طریقے ہیں۔ کسی ایک طریقے میں تذکر کو مقید کر دینا درست نہیں اور جب یہ درست نہیں تو عربی زبان کا بنیادی علم سیکھنا تذکر کرے کے لیے شرط بھی نہیں اور جب شرط نہیں تو فرض عین بھی نہیں۔ باقی رہی عربی زبان کی فضیلت تو وہ مسلم ہے اور اگر قرآن وحدیث سمجھنے کی غرض سے عربی زبان کی تحصیل کے لیے ترغیب دی جائے تو انتہائی مناسب ہے لیکن اس کے ساتھ کسی اچھے عالم یا بصورت دیگر کسی معتبر تفسیر کی احتیاج بھی مدنظر رہے۔ یہ محض تذکر کے لیے بھی موجودہ دور میں ضروری ہے۔

☆ مزارعت

مزارعت کے بارے میں ڈاکٹر اسرار صاحب لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ میں فقہاء امت کے درمیان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کی مزارعت حرام ہے۔ Absentee Landloreism کا ان کی رائے میں اسلام میں کوئی امکان سرے سے موجود نہیں۔ بعض دوسرے فقہاء نے ان احادیث پر غور کرنے کے بعد اس میں استحسان اور مصالح مرسلہ کے اصول کے تحت کچھ گنجائشیں نکالی ہیں اور یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ اس دور کے خاص حالات میں ایک موجود الوقت نظام کو کلیتاً بدلنا ممکن نہ تھا، لہٰذا کچھ ناگزیر شرائط کے ساتھ ان کی گنجائش پیدا کی گئی۔ ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مزارعت پر لفظ ربا کا اطلاق کیا ہے.......... ہمارے ہاں مزارعت کی جو شکلیں رائج ہیں اس میں بھی مالک بیج اور بہت سی دوسری چیزوں میں شامل ہوتا ہے۔ یہ اس حرام کو حلال بنانے کے لیے کچھ اضافی شرائط عائد کی گئی ہیں۔ ورنہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ آنکھیں کھول دینے کے قابل ہے۔ مجھے امام

صاحب کی اس رائے سے کاملۃً اتفاق ہے۔" (اسلام کا معاشی نظام ص 27-28)

"یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب ہماری اکثریت امام ابو حنیفہ کی فضیلت بیان کرتی ہے تو ان کو امام اعظم اور سید الفقہا قرار دیتی ہے اور ان کے بعض فتاویٰ کو درست ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے مگر "میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو" کے مصداق ایسے اہم معاملات پر ان کے فتویٰ کو سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔" (حاشیہ اسلام کا معاشی نظام 28)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ عبارت کئی اعتبار سے قابل اعتراض ہے۔ اول تو ان کا انداز تکلم نہایت غیر منصفانہ ہے بلکہ سوقیانہ ہے۔ ان کے الفاظ تو ملاحظہ فرمائیں۔

(i) "چونکہ اس دور کے خاص حالات میں ایک موجود الوقت نظام کو کلیتاً بدلنا ممکن نہ تھا لہٰذا کچھ ناگزیر شرائط کے ساتھ ان کی گنجائش پیدا کی گئی تھی ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مزارعت پر لفظ ربا کا اطلاق کیا ہے۔"

(ii) "یہ اس حرام کو حلال بنانے کے لیے کچھ اضافی شرائط عائد کی گئی ہیں ورنہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔"

(iii) "مجھے امام صاحب کی اس رائے سے کاملۃً اتفاق ہے۔"

(iv) "مگر میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کے مصداق ایسے اہم معاملات پر ان کے فتوے کو سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔"

اندازہ کیجئے ڈاکٹر اسرار صاحب کی جانب سے یہ سب کچھ اس اعتراف کے بعد ہے۔ "میں یہ بات کئی بار عرض کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ میں عالم دین ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہوں۔ مجتہد ہونا تو بہت دور کی بات ہے فقہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود ہے۔" (میثاق 84 ص 44)

اور فقہ ہی کیا ڈاکٹر اسرار صاحب کو نہ تو اصول فقہ کا پتا ہے، نہ اصول حدیث کا پتا ہے، نہ ہی علم حدیث پر ان کو دسترس حاصل ہے، نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ اصول فتاویٰ کیا ہیں۔ ہاں ان کو اسلاف پر زبان

طعن دراز کرنے کا بتایا ہے۔

مزارعت کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں دو رائیں تھیں۔

جہاں ایک طرف حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل نَھٰی عَنِ الْمُخَابَرَةِ جیسی حدیث ہے وہاں دوسرے مجتہدین کی دلیل دوسری بہت سی روایتیں ہیں۔ مشکوٰۃ میں باب المساقاة والمزارعة کے تحت دیکھیں تو یہ احادیث ہیں:

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغ اور اس کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اپنے مال سے اس پر کام کریں گے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پھل کا نصف ہوگا۔" (رواہ مسلم)

"اور بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین عطا کی کہ وہ اس پر کام کریں اور زراعت کریں اور اس کی پیداوار میں سے ان کے لیے نصف ہوگا۔

☆ڈاکٹر اسرار صاحب کی قلابازی

ایک طرف ڈاکٹر اسرار صاحب مزارعت کے ربا ہونے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کاملۃً اتفاق کرتے ہیں لیکن دوسری طرف خراجی زمین کو مزارعت پر دینے کو جائز سمجھتے ہیں اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ زمین دینے والا ایک فرد نہیں ہے بلکہ ریاست ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس زمین کے مزارع ریاست کے مزارع ہوں گے اور یہ مزارعت موروثی چل سکتی ہے۔" (میثاق اپریل 85ء)

بھلا بتایئے ایک معاملہ کی حرمت کی وجہ جب معلوم ہوگئی کہ ربا یعنی سود ہے تو کیا کسی ریاست کو خواہ وہ اسلامی ریاست ہی ہو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سودی معاملہ کرے۔ دین اسلام میں تو ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

☆مضاربت

اسلام کا معاشی نظام ص 26 پر ڈاکٹر اسرار صاحب مضاربت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک شخص محنت کر سکتا ہے، دکان چلا سکتا ہے مگر اس کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور کسی دوسرے شخص کے پاس زائد سرمایہ موجود ہے۔ اب یہ دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ ایک کی محنت ہوگی دوسرے کا سرمایہ۔ اس صورت میں محنت اور سرمایہ کا امتزاج وجود میں آئے گا اور اس کا نام مضاربت ہے۔ یہ دین میں جائز تو ہے مگر پسندیدہ نہیں مثلاً طلاق۔ اگر کسی کے پاس سرمایہ ہی اتنا ہے کہ جس پر خود اس کی معیشت کا دارومدار چل سکتا ہے تو وہ خود دکان لگائے، محنت کرے اور رزق حلال کمائے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضروریات کے لیے کوئی اور ذریعہ موجود ہے اور وہ فاضل سرمایہ اپنے ایسے بھائی کو دے رہا ہے جو سرمایہ نہ ہونے کے باعث کسی اور کے سرمائے پر کام کرنے پر مجبور ہے لیکن یہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سرمایہ کی بنیاد پر اس کی محنت میں حصہ ڈالتا ہے۔.... ......الخ"

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر ڈاکٹر اسرار صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں۔

(1) مضاربت کی تعریف جو کتب فقہ میں ملتی ہے وہ یوں ہے۔ عقد الشرکۃ بمال من احد الجانبین و العمل من الجانب الآخر یعنی ایسا عقد شرکت جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہو۔ لیکن اس میں "زائد سرمایہ" کی کوئی قید نہیں جو کہ ڈاکٹر صاحب کے کلام میں موجود ہے اور وہ یہ کہ "اور کسی دوسرے شخص کے پاس زائد سرمایہ موجود ہے۔" اب چونکہ یہ قید لگا چکے اس لیے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کسی کے پاس سرمایہ تو ہو لیکن زائد نہیں تو اس کے بارے میں یہ ہدایت کی کہ "وہ خود دکان لگائے، محنت کرے اور رزق حلال کمائے۔" اب اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ اگر اس کے پاس اپنی معیشت کے بقدر سرمایہ ہے لیکن وہ دکانداری اور تجارت کے طریقوں سے ناواقف ہے یا مثلاً عورت ہے یا یہ کہ اس کی طبیعت اور ذہن اس میں نہیں چلتا یا مثلاً یہ کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے مثلاً وہ طالب علم ہے یا عالم ہے یا بغیر معاوضہ کے تبلیغ کرنا چاہتا ہے یا کم تنخواہ پر ملازم ہے تو پھر کیا کرے؟۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تیسری صورت کے لیے تو گنجائش ہی نہیں

چھوڑی۔

اسی بات کو صاحب ہدایہ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ وھی مشروعة للحاجة الیھا فان الناس بین غنی بالمال غبی عن التصرف فیہ و بین مھتد فی التصرف صفر الید عنہ فمست الحاجة الی شرع ھذا النوع من التصرف لینتظم مصلحة الغبی والذکی والفقیر والغنی۔ یہ حاجت کی بناء پر مشروع ہے کیونکہ لوگوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو مالدار ہوں لیکن مال میں تصرف سے غبی ہوں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو کام کے طریقے خوب جانتے ہیں لیکن خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔ تو حاجت اس نوع کے تصرف کی مشروعیت کا باعث ہوئی تاکہ غبی اور ذکی اور فقیر اور غنی کی مصلحت کا انتظام ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا یہ بھی کوئی شرط ہے کہ صاحب محنت کا اپنا سرے سے کوئی سرمایہ نہ ہو؟ حالانکہ یہ صورت بھی مضاربت کی ممکن ہے کہ محنت والے کا اپنا سرمایہ بھی اسی کام میں لگا ہو۔

رہی یہ بات کہ یہ دین میں پسندیدہ نہیں تو دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی کتنی ہی صورتیں ہیں جن میں ایک شخص دوسرے کی محنت کے بل بوتے پر خوب کماتا ہے۔ کاروباری اداروں میں اور دکانوں میں ملازمت، اسی طرح کارخانوں میں ملازمت۔ اگر "قل العفو" کے تحت مضاربت ناپسندیدہ ہے تو یہ سب صورتیں بھی ناپسندیدہ ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اگر ضرورت سے زائد سرمایہ ان ملازمین کو دے دیا جائے تو یہ بھی اپنے طور پر کوئی کاروبار یا دھندا کر کے سرمایہ دار کو نفع میں شریک کرنے پر راضی ہوتے ہیں۔

ہدایہ اور اس کی شرح عنایہ میں ہے کہ مضاربت سنت اور اجماع سے ثابت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے اس حال میں کہ لوگ اس کا ارتکاب کرتے تھے اور آپ نے ان کی تقریر فرمائی جیسا کہ روایت ہے کہ ابن عبدالمطلب جب مضاربت کے طور پر مال دیتے تھے تو مضاربت پر شرط لگاتے تھے کہ وہ اس کو لے کر سمندری سفر پر نہ جائے، کسی وادی میں نہ اترے اور اس سے کسی جاندار کو نہ خریدے اور اگر اس نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو

آپ نے اس کو پسند فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ایسے امر پر جس کا آپ نے معائنہ کیا ہو سنت کی اقسام میں سے ہے جیسا کہ معلوم ہے اور صحابہ کا بغیر کسی انکار کے اس پر تعامل رہا ہے تو یہ اجماع ہوا اور ان صحابہ میں حضرت عمر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ہیں۔

اب ایک کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلکہ آپ کے پیچھا کرتے ہوں اور فقہاء صحابہ کرتے ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے غیر پسندیدہ ہونے کی نہ کوئی تصریح کی ہو اور نہ ہی اس کا کوئی اشارہ دیا ہو اور کسی طرف سے نکیر بھی نہ ہو، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دین میں ناپسندیدہ ہے دین میں ناجائز دخل اندازی ہے۔

☆خراجی زمین

خراجی زمین کے بارے میں ڈاکٹر اسرار صاحب لکھتے ہیں۔

''.........فقہ حنفی کی رو سے ہمارے بعض علماء کی نہایت ہی قابل غور اور فکر انگیز رائے یہ ہے کہ پاکستان کی اکثر و بیشتر قابل کاشت اراضی خراجی زمینیں ہیں عشری نہیں ہیں۔ خراجی زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک کو مسلمانوں نے فوجی قوت سے فتح کیا ہو وہاں کی زمینیں انفرادی ملکیت میں نہیں رہتی بلکہ وہ حکومت کی اجتماعی ملکیت ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی دوسری قوم ملک پر قابض ہو جائے لیکن جب مسلمان اسے دوبارہ حاصل کر لیں یا وہ ملک آزاد ہو جائے تو پھر بھی زمین کی حیثیت خراجی رہے گی۔ گویا جو زمینیں ایک مرتبہ خراجی ہو گئیں وہ ہمیشہ خراجی رہیں گی۔ اس زمین کے مزارع ریاست کے مزارع ہوں گے اور یہ مزارعت موروثی چل سکتی ہے۔ کوئی زمیندار مالک بن کر ان پر قابض نہیں رہ سکتا۔ اب یہ مسئلہ بھی انتہائی غور اور حل طلب ہے۔ اس پر غور و فکر ہونا اور اسلام کی منشاء کے مطابق ہمارے یہاں کے کاشتکاری کے موجودہ نظام کو استوار کرنا لازم و لابد ہے جس کے بغیر یہاں نہ صحیح طور پر جمہوریت آ سکتی ہے اور نہ ہی اسلامی نظام قائم و نافذ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی برکات سے ہمارا ملک فیض یاب ہو سکتا ہے۔'' (میثاق اپریل 85ص 15-16)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی لاعلمی دیکھئے کہ وہ اراضی کے خراجی ہونے کا بڑے شد و مد سے بیان دیتے ہیں جب کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ خراجی زمین تو مملوکہ زمین ہوتی ہے جس کے مالک کو زمین کا ٹیکس جس کو خراج کہتے ہیں دینا پڑتا ہے۔ اگر زمین مملوکہ نہ ہو، وقف ہو تو اراضی بیت المال یا اراضی وقف کہلاتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب نے جن بعض علماء کی رائے نقل کی ہے انہوں نے بھی اراضی کو خراجی نہیں بلکہ اراضی بیت المال کہا ہے۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی بلکہ اراضی حوزہ ہیں۔ یعنی حکومت کے بیت المال کی ملکیت ہیں کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہیں۔ (اسلام کا اقتصادی نظام ص 401)

☆ نیم تقلیدی فلسفہ

ڈاکٹر اسرار صاحب اپنے نیم تقلیدی فلسفہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”تقلید جامد اور اجتہادِ مطلق کے درمیان ہمیں ایک معتدل راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ تقلید جامد سے میری کیا مراد ہے؟ یہ کہ بس ایک فقہ کو اس طرح پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ اس سے ذرا بھی ادھر یا اُدھر نہ خود ہوں گے نہ برداشت کریں گے۔ انسان اس معاملہ میں اتنا زود حس اور الرجک ہو جائے کہ کسی دوسرے فقہ کی کوئی بات سامنے آئے تو وہ یہ سمجھے کہ میں کوئی اور ہوں اور یہ کوئی اور ہے۔ یہ حقیقت وحدت امت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ رہا عوام کا معاملہ تو ان کے بارے میں، میں کہوں گا کہ اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے کسی ایک فقہ کو مستقلاً اختیار کر لیں تو مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان پر یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اہل سنت کے تمام مسالک مبنی بر کتاب وسنت ہیں۔ تاکہ دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے متعلق ان کے دلوں میں غیریت کا احساس بالکل پیدا نہ ہو۔ رہا ان حضرات کا معاملہ جو دین کے خادم ہیں، جو میدان میں آ کر خدمت کر رہے ہیں، جن کے سامنے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے دین کی منزل ہے انہیں تو یقیناً اس تقلید جامد سے نکلنا پڑے گا۔“

(جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ص367/368)

"........جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ فقہی ہدایت میں نے تنظیم اسلامی کے رفقاء کو دی ہے۔ فقہی مسائل کے بارے میں، میں اپنی رائے کے اظہار سے بھی حتی الامکان گریز کرتا ہوں البتہ میرا ایک مزاج ہے۔ میں اسے چھپانا نہیں چاہتا۔ میں مقلد محض نہیں ہوں۔ میں نیم مقلد ہوں۔ میں ان پانچوں ائمہ کا مقلد ہوں۔ ان پانچوں دائروں سے باہر جانے کو میں غلط سمجھتا ہوں۔ یہ ہماری مشترک متاع ہے۔ ان دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنۃ اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔ میرے مزاج، میری افتادِ طبع اور میری احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ آپ کے اس شہر لاہور ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی مشہور علمی درسگاہ اور دارالعلوم کی ایک جید شخصیت عالم دین شیخ الحدیث کی خدمت میں آج سے قریباً ڈھائی سال قبل میں نے حاضر ہو کر اپنی تمام کتابیں ان کے قدموں میں ڈال دیں اور ان سے عرض کیا کہ اگر ان میں سے آپ کسی ایسی بات کی نشان دہی فرما دیں جو ائمہ اربعہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے دائرے سے باہر کی ہے تو میں ان کو اپنی کتابوں سے حذف کر دوں گا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف حنفیت میں منحصر ہے تو میرا راستہ اور ہے اور آپ کا اور۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ ہم ان سب کو اہل سنت کے ائمہ تسلیم کرتے ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں ان شاء اللہ ان تمام باتوں سے رجوع کر لوں گا جو امت کے مسلمہ ان پانچ ائمہ عظام کے دائرے سے باہر کی ہوں گی۔ (جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ص371)

ڈاکٹر اسرار صاحب کا یہ کہنا کہ "تقلید جامد وحدت امت کے لیے سخت نقصان دہ ہے"۔ تو کیا شتر بے مہار کی طرح ہر جگہ منہ مارنا یہ وحدت امت کے لیے بہت مفید ہے؟۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ احتساب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(1) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔ "ان (پانچوں) دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنۃ اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

لیجئے چونٹی کو بھی پر لگ گئے کہاں تو وہ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ "میں یہ بات کئی بار عرض کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ میں عالم دین ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہوں۔ مجتہد ہونا تو بہت دور کی بات ہے فقہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود ہے۔" (میثاق:84،ص44)

یعنی نہ عالم ہیں نہ فن حدیث پر کچھ عبور ہے، نہ فقہ اور اصول فقہ سے کچھ ممارست ہے۔ لیکن اب سبحان اللہ ایسے پر لگ گئے ہیں کہ مجتہدین کے اقوال اور ان کے دلائل کو پرکھ سکتے ہیں اور ان کے درمیان فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس کی بات درست ہے اور سنت کے زیادہ قریب ہے۔

(2) الحمدللہ مسلمانوں میں چاروں فقہوں کا احترام موجود ہے اور مسلمان سب کو اہلسنت میں سے شمار کرتے ہیں اور بعض مسائل کے اختلاف کے باوجود ان میں یہ تصور سرے سے نہیں ہے کہ میں کوئی اور ہوں اور یہ کوئی اور ہے۔

ہاں ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلواتا ہے اور تقلید کو شرک کہتا ہے۔ اس طبقہ کی وجہ سے امت کے اندر انتشار پھیلا۔

ڈاکٹر اسرار صاحب بھی چونکہ بوجوہ کسی ایک مجتہد کی تقلید کے پابند نہیں رہنا چاہتے اس لیے ان کو اس طبقہ کے ساتھ ایک مناسبت اور ہمدردی ہے اس لیے لکھتے ہیں:

"البتہ چونکہ مسالک اربعہ کے پیروؤں میں سے تو ہمارے یہاں شاید احناف کے سوا شاذ ہی کسی اور مسلک کے لوگ موجود ہوں لیکن اہل سنت کا ایک اور گروہ برصغیر پاک و ہند میں معتدبہ تعداد میں موجود ہے جو غیر مقلد یا اہلحدیث یا سلفی المسلک الغرض مختلف ناموں سے موسوم ہے............اور اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ صرف ایک مسلک ہے، کوئی معین مذہب نہیں اور اصولی طور پر اس میں کسی معین مجتہد کی تقلید خارج از بحث ہے تاہم اکثر و بیشتر مسائل میں یہ حضرات امام بخاریؒ کے اجتہادات ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ کچھ حضرات انہیں طنزاً مقلدین بخاریؒ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

اور جیسا کہ میں نے اپنی زیر بحث تقریر میں عرض کیا تھا امام بخاریؒ وہ شخصیت ہیں جن کے مرتب کردہ

مجموعہ احادیث کو جملہ اہلسنت اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ مزید براں اکابر علمائے احناف نے ان کی فقاہت کو خراج تحسین ادا کیا ہے لہذا میں نے اپنی ذات کی حد تک نیم تقلید کا جو دائرہ بنایا ہے اس میں ائمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کو بھی شامل کیا ہے۔ (میثاق 84ء ص 29,30)

ڈاکٹر صاحب اپنے مزاج کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ لکھتے ہیں۔ "میرا ایک مزاج ہے۔ میں اسے چھپانا نہیں چاہتا۔ میں مقلد محض نہیں۔ میں نیم مقلد ہوں۔" (ص 271۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی)

ڈاکٹر اسرار صاحب کی سوچ یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کے کام کرنے والے میں کوئی فقہی لیبل چسپاں نہ ہونا چاہیے۔ لکھتے ہیں۔ "دعوت اللہ کی طرف ہو۔ اس کے ساتھ ہی داعی کی سیرت و کردار علم صالح کا مظہر ہو۔ مزید براں وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے، مسلمان کہلائے۔ کسی فقہی مسلک کی طرف نہ دعوت ہو اور نہ ہی اس کا لیبل چسپاں ہو۔" (میثاق اگست 84ء ص 27)

ان دو وجھوں میں سے پہلی وجہ تو بے وزن ہے کیونکہ محض کسی کا خاص مزاج ہونا کوئی دلیل نہیں ہے۔ مزاج کو شریعت کے تابع کیا جاتا ہے شریعت کو مزاج کے تابع نہیں کیا جاتا۔ رہی دوسری وجہ تو یہ پہلی سے بھی زیادہ بے وزن ہے۔ امام غزالی پر شافعی ہونے، ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب پر حنبلی ہونے، شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید اور مولانا الیاس پر حنفی ہونے کا لیبل چسپاں تھا لیکن اس سے ان کے کام اور ان کی دعوت کو کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔

غرض ڈاکٹر اسرار صاحب کا نیم تقلیدی فلسفہ اپنی بنیاد اور آثار دونوں کے لحاظ سے بے وزن تو ہے ہی، خطرناک بھی ہے۔ اسی سے ڈاکٹر صاحب کے وہ افکار و نظریات پھوٹے ہیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اپنے مناہج فہم قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اور الحمدللہ کہ ان دروس و خطابات کے ذریعے قرآن کے جس فہم و فکر کی اشاعت ہو رہی ہے وہ کسی

ایک لکیر کے فقیر یا کنویں کے مینڈک کی مانند نہیں ہے بلکہ اس میں کم از کم چار منبعوں سے پھوٹنے والے سوتوں کا قران السعداء موجود ہے۔ یعنی:

ایک: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسوخ فی العلم۔

دوسرے: ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی جدید فلسفہ و سائنس اور جدید سیاست و اقتصادیات کے ضمن میں تنقیدی بصیرت۔

تیسرے: مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا جذبہ حرکت و عمل اور تصور جہاد فی سبیل اللہ۔ (مودودی صاحب کے تصور جہاد کی تفصیل "الجہاد فی الاسلام" اسی کتاب کے صفحہ 393 پر ملاحظہ ہو)

چوتھے: مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کا تعمق و تدبر قرآن کا اسلوب و منہاج۔

(جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ص 24)

ڈاکٹر اسرار صاحب کی فکر دیکھئے۔ اگر کوئی شخص صرف مولانا محمود حسن اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر تک محدود رہے تو وہ اس کو لکیر کا فقیر اور کنویں کا مینڈک سمجھتے ہیں۔ اب ان کے فہم قرآن کے دیگر منابع پر بھی نظر ڈال لیجئے:

ڈاکٹر اسرار صاحب نے تصور دین اور تصور عبادات مودودی صاحب ہی سے اخذ کیے ہیں اور ان تصورات کے غلط ہونے کو ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے اپنے لیے جو نیم تقلیدی فلسفہ ایجاد کیا ہے اس کی اصل فکر بھی انہوں نے مودودی صاحب سے ہی حاصل کی ہے۔

☆ اُمی اُمتی

(حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" میں لکھتے ہیں)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطاب میں بھی اور اپنے وضاحتی نوٹ میں بھی اپنے لیے "امی نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کا امی امتی" کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے چنانچہ وضاحتی نوٹ میں اپنے رفیق شیخ جمیل الرحمٰن کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

""اس سب کے باوصف یہ اندازہ تو جملہ قارئین "میثاق" کو ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بھی بالکل میری طرح، اُمی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کے اُمی امتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میری طرح ان کی تحریروں میں بھی بعض فاش غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ادھر میرے "ان پڑھ" ہونے کا یہ عالم ہے کہ......""

(میثاق دسمبر 1984ء ص 8)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب مقدس...... امی...... مدح کے لیے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے لیکن کسی امتی کے حق میں تو یہ لفظ بطور مدح استعمال نہیں ہوتا۔ (الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا ہو) اب اگر "امی نبی کا امی امتی" میں امی کا لفظ مدح کے لیے ہے تو ڈاکٹر صاحب پر اس لفظ کا اطلاق کیسے ہوتا ہے؟ اور اگر یہ "کسر نفسی" کے لیے ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ ملانے کی کیا تک ہے؟...... علاوہ ازیں امی تو اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اس اعتبار سے بھی اس کا اطلاق ڈاکٹر صاحب پر محض تک بندی ہے۔ الغرض اگر ڈاکٹر صاحب "امی نبی کا جاہل یا بے علم امتی" لکھتے تو صحیح تھا مگر "امی نبی کا امی امتی" لکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سوءِ ادب کا پہلو رکھتا ہے۔

بظاہر یہ ایک لفظی سا مناقشہ ہے لیکن ایک تو معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ہے اس لیے اس پر تنبیہ ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ ڈاکٹر صاحب (اپنی تمام خوبیوں کے باوصف) چونکہ علم راسخ نہیں رکھتے اس لیے معمولی علمی تعبیرات میں بھی ان سے کیسی کیسی لغزشیں ہوتی ہیں جن میں ان کو تنبہ بھی نہیں ہوتا۔

☆ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے افکار:

1- ڈاکٹر اسرار صاحب نے نظریہ ارتقاء اور اس کے دلائل کو ڈاکٹر رفیع الدین صاحب سے حاصل کیا

ہے جس کو انہوں نے تفصیل سے اپنی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' میں لکھا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کا بطلان ہم ثابت کر چکے ہیں۔

2۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۔ (سورۃ معارج)

چڑھیں گے اس کی طرف (یعنی پیشی کے لیے حاضر ہوں گے) فرشتے اور لوگوں کی روحیں (قیامت کے) اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب اس آیت کا کچھ اور ہی مطلب بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ ''یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات کا ارتقاء قوانین قدرت کا ارتقاء ہے۔ یہاں ان قوانین قدرت کو ملائکہ کہا گیا ہے کیونکہ ان کے عمل پر ملائکہ مامور ہیں۔ جب زندگی بلند سطحوں کی طرف ارتقاء کرتی ہے تو وہ نئے قوانین کے عمل کی زد میں آجاتی ہے اور پھر نئے بلند سطحوں کے ملائکہ اس پر مامور ہوتے ہیں۔ یہی فرشتوں کا عروج الی الحق ہے اور یہاں روح سے مراد زندگی ہے جو جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں موجود ہے اور رفتہ رفتہ ارتقائی مدارج طے کر کے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہی زندگی کا عروج الی الحق ہے۔

اس لیے ڈاکٹر رفیع الدین اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

اور اس کی طرف وہ قوتیں جو قوانین قدرت کے عمل کو حرکت میں لانے کے لیے مامور ہیں اور زندگی، یہ دونوں چیزیں ارتقاء کرتی ہیں ایسے ایک دور میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوتی ہے۔ (قرآن اور علم جدید)

3۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ۔ (سورہ اعراف:172)

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب بولے ہاں کیوں نہیں۔ (سورہ اعراف 172)

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں۔

''ظاہر ہے کہ ایسا وعدہ جو خدا نے ہمیں بھلا دیا ہے ہمارے لیے باعث حجت نہیں ہو سکتا لیکن ہماری فطرت کے اندر خدا کی عبادت کی خواہش کا موجود ہونا خدا کی ربوبیت کا ایک ایسا اقرار ہے جو انکار میں بدل نہیں سکتا۔

یہ آیت کسی واقعہ کو بیان نہیں کرتی بلکہ ایک واقعہ کی شکل میں فطرت انسانی کے ابدی اور ازلی حقائق کو بیان کرتی ہے۔'' (قرآن اور علم جدید)

جس واقعہ کا ہونا حدیث سے ثابت ہے اور قرآن کا ظاہر الفاظ بھی جس کا متقاضی ہے اور پوری امت جس پر متفق رہی ہے ڈاکٹر رفیع الدین صاحب اس واقعہ کا ہی انکار کر رہے ہیں حالانکہ اگر ہم بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب سے اور اپنے رسولوں کی وساطت سے ہمیں وہ واقعہ یاد دلایا ہے اور انسانی فطرت کے اندر خدا کی عبادت کی خواہش اس واقعہ کے وقوع پر ایک بڑا قرینہ ہے۔

4۔ حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کے قصہ کے وقوع کا انکار کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں:

''خدا کو اس بات کی حاجت نہیں کہ وہ فرشتوں سے اپنے عزائم اور مقاصد کے بارے میں کوئی گفتگو یا مشورہ کرے اور نہ فرشتوں کا یہ مقام ہے کہ وہ خدا پر دبی زبان سے بھی اعتراضات کریں اور پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ فرشتوں کو اپنے اعتراضات میں بر سر غلط ثابت کرنے کے لیے ایک ایسے علم میں آدم کے ساتھ ان کے مقابلہ کا امتحان منعقد کرے جو فریقین کو اسی کی طرف سے عطا کیا گیا ہو.......... نہ فرشتوں کا سجدہ کرنا زمین پر سر جھکنے کے مترادف ہے اور نہ ابلیس کا انکار سر جھکنے سے انکار ہے۔ پھر جنت عالم حقیقی کی چیز ہے عالم مادی کی نہیں۔'' (قرآن اور علم جدید)

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ تو ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اپنی کتاب قرآن اور علم جدید میں اہلسنت کے بہت سے عقائد کو ترک کر کے فلسفیوں کے سے تصورات کو اختیار کیا ہے۔

☆ امین احسن اصلاحی صاحب کا تدبر قرآن:

ڈاکٹر اسرار صاحب کے فہم قرآن کا ایک منبع امین احسن اصلاحی صاحب کا تدبر قرآن کا اسلوب و منہاج ہے۔ اس اسلوب و منہاج کو اصلاحی صاحب کی اپنی تحریر میں پڑھیے اور ہوا کا رخ دیکھیے۔

☆ حدیث کی تنقیص کا پہلا طریقہ:

"(رہنمائی کی صورت) یہ ہوگی کہ ایک آیت پر اس کے الفاظ کی روشنی میں پوری طرح غور کیا۔ قرآن مجید میں جو آیات اس کی مماثل ہیں ان کی روشنی میں بھی اس کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ سیاق و سباق اور عمود و نظم کے پہلو سے بھی اس پر نگاہ ڈال لی لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی پوری تشفی نہیں ہوتی۔ الفاظ کچھ چاہتے ہیں لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کیا چاہتے ہیں؟ اب ہم احادیث اور اقوال صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کوئی ایسی بات پا لیتے ہیں، جس سے اس آیت کا تمام عالم روشن ہو جاتا ہے۔ الفاظ کو اس کے بعد کسی بات کا انکار نہیں رہ جاتا۔ نظم اور سیاق کلام سب کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ تو اس بات کو اگر وہ صحیح طریقہ سے منقول ہوگی قبول کر لیں گے۔" (مبادی تدبر قرآن ص 145-147)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

یہاں اسلاف کے طریقہ تفسیر اور اصلاحی صاحب کے طریقہ تفہیم میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اسلاف تو حدیث کو اس کے مرتبہ میں قرآن کا شارح اور مفسر سمجھتے ہیں اور جہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ہو سکتی ہو حدیث سے ہوتی ہو وہاں حدیث ہی کو مفسر قرار دیتے ہیں لیکن اصلاحی صاحب حدیث کو قرآن کا شارح اور مفسر نہیں مانتے بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جہاں قرآن کی تفسیر فقط قرآن سے کرنے میں کامیابی نہ ہو وہاں وہ قرآن کی تفسیر کرنے میں حدیث سے مدد تو لیں گے لیکن پھر بھی حدیث کو مفسر اور شارح کے طور پر نہیں لیں گے اور یہ مدد بھی اس لیے نہیں کہ حدیث کو تفسیر میں دخل ہے بلکہ محض اس لیے کہ اپنے غور و فکر سے وہ جس نتیجہ تک پہنچے ہیں اور اس کے بارے میں کچھ کھٹک ہے تو وہ کھٹک دور ہو جائے اور اطمینان ہو جائے کہ ان کا غور و فکر صحیح ہے اور صحیح نتیجہ دے رہا

ہے۔اس لیے وہ جس حدیث سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کا احسان نہیں مانتے اور اس کو تفسیر کے طور پر ذکر نہیں کرتے۔

اصلاحی صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں۔اس کی وجہ وہ خود لکھتے ہیں۔

”اگر ان روایات کی تحقیق وتنقید کر کے ان کے اندر جو سقم ہے اس کو الگ بھی کیا جا سکے جب بھی تنہا انہی کو تفسیر میں فیصلہ کن چیز قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔اس لیے کہ یہ روایات صحت کے معیار پر پوری اترنے کے بعد بھی ظن کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔اس لیے اگر قرآن مجید کی تفسیر میں تنہا انہی کو فیصلہ کن چیز مان لیا جائے تو قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچے گا اور یہ چیز کسی طرح بھی گوارا نہیں کی جا سکتی۔دوسرے شواہد ودلائل کے ساتھ مل کر تو بلاشبہ یہ روایات قرآن مجید کے صحیح مفہوم کی تعیین میں بہت زیادہ مددگار ہو سکتی ہیں لیکن تنہا انہی کی مدد سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔“

اصلاحی صاحب نے اس طرح سے کھل کر یہاں حدیث کی تنقیص کی ہے اس کی مزید تفصیل ان کی کتاب مبادی تدبر حدیث میں موجود ہے۔کیا ہی عجیب بات ہے کہ ان کے غور وفکر کو تو قطعیت حاصل ہو اور حدیث صحیح ہونے کے باوجود بھی تفسیر میں اس وجہ سے قابل اعتبار نہ ٹھہرے کہ وہ ظن کے شائبہ سے پاک نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اصلاحی صاحب نے نہ تو قطعیت کے معنی کو سمجھا ہے اور نہ ہی حدیث میں ظنیت کے معنی سے انصاف کیا ہے۔اس کے بارے میں مزید تفصیل کتاب ”تحفہ اصلاحی“ میں موجود ہے۔

اصلاحی صاحب کا حدیث کی تنقیص کا دوسرا طریقہ:

”صحیح راہ یہی ہے کہ آدمی......صرف قرآن کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنائے۔اس کی ایک ایک آیت بلکہ ایک ایک لفظ پر تدبر کرے۔ٹھیک مفہوم متعین کرے۔طبیعت میں جو سوال پیدا ہو اس پر بار بار غور کرے جو بات سمجھ میں آئے اس کے نظائر وشواہد تلاش کرے۔سیاق وسباق سے اس کی مطابقت معلوم کرے۔نظم کے اعتبار سے اس کا موقع ومحل دیکھے۔عمود کلام کے پہلو سے اس کی مناسبت کو جانچے پھر اس پر خود اپنی طرف سے شکوک وشبہات وارد کرے اور جب دیکھ لے کہ اس نے جو بات

سمجھی ہے بالکل پکی ہے اس میں کسی پہلو سے کوئی خامی نہیں ہے تب تفسیروں میں اس کو دیکھے اور ہمیشہ صحیح روایات پر نگاہ رکھے۔ ضعیف اور کمزور روایات کو جن سے کتب تفسیر بھری ہوئی ہیں کبھی ہاتھ نہ لگائے۔ ان شاء اللہ صحیح روایات سے اس کی تائید ہوگی اور اپنے دل میں ایک ایسی خوشی کا جوش محسوس کرے گا جس میں اطمینان، بلندی اعتماد اور عشق و محبت قرآن کی نہیں معلوم کتنی کیفیتیں ملی ہوئی ہوں گی۔

لیکن فرض کیجئے یہ سارے جتن کرنے کے بعد آپ کسی آیت کے بارے میں ایک نتیجہ تک پہنچے اور جب تفسیر کی کتابوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحیح حدیثیں اور سلف کے اقوال آپ کے اختیار کردہ مطلب کے خلاف ہیں اور کوئی ادنی تائید بھی آپ کے ساتھ نہیں ہے تو اس وقت کیا کریں گے؟ کیا روایات اور اقوال سلف کو چھوڑ کر اپنی بات پر جم جائیں گے؟ نہیں! طالب صادق کی راہ یہ نہیں ہے بلکہ آپ ان احادیث اور اقوال کی روشنی میں اپنی تاویل پر دوبارہ غور کریں گے۔ اس صورت میں گمان غالب تو یہی ہے کہ اگر آپ غلطی پر ہوں گے تو آپ کی غلطی خود واضح ہو جائے گی۔ لیکن فرض کیجئے آپ نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا مگر آپ کو اپنی ہی تاویل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اب کیا کریں گے؟ اب خود حدیث پر غور کریں گے۔ اس کو ہر پہلو سے پرکھیں گے۔ ہر کسوٹی پر جانچیں گے۔ ان شاء اللہ یہ چیز مفید ثابت ہوگی۔ یا تو آپ کی تاویل کا ضعف واضح ہو جائے گا یا حدیث کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی لیکن طالب کے لیے یہ مرحلے نہایت سخت ہیں اور ان میں صبر و ثبات کی ضرورت ہوتی ہے۔ عجلت اور تیز گامی اس منزل میں معصیت ہے۔ اس طرح کے مواقع پر عرصہ تک توقف کرنا چاہیے اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ جب قلب پوری طرح سے ایک بات کے لیے کھل جائے کسی طرح کی بھی کوئی خلش باقی نہ رہ جائے تو اس بات کو اختیار کر لینا چاہیے اور پھر اس امر کی ذرا بھی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ کوئی چیز اس کے خلاف ہے۔ (مبادی تدبر قرآن 54-55)

یہاں بھی اصلاحی صاحب اپنے غور و فکر کو صحیح حدیث پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اگر چہ اس صحیح حدیث پر

دوبارہ نئے سرے سے غور بھی کر لیا ہو اور ہر پہلو سے اس کو چھان پھٹک بھی لیا ہو۔ کیا یہی وہ تدبر قرآن کا اسلوب ہے جس پر ڈاکٹر اسرار صاحب تحریر کر رہے ہیں۔

امین اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"کسی اجتہاد پر اجماع ہو جانے کے بعد اس کی حیثیت صرف ایک رائے کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجت شرعی بن جاتا ہے جس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں۔"

(اسلامی قانون کی تدوین:60)

یہ بات واضح ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور اس پر پوری امت کا اتفاق و اجماع ہے اور امین احسن اصلاحی صاحب کے بقول اس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں بلکہ خود اصلاحی صاحب یہاں اجماع کی مخالفت کرتے ہیں۔

امین احسن اصلاحی صاحب کے استاد مولانا حمید الدین فراہی لکھتے ہیں:

"جن احادیث کا ماخذ معلوم کرنے میں علماء کو اشتباہ ہوا ہے ان میں وہ حدیث بھی ہے جو حد زنا کے باب میں وارد ہوئی ہے یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ یہ حدیث:

ترجمہ: "اگر زانی غیر شادی شدہ ہو تو سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر زانی شادی شدہ ہو تو سزا سو کوڑے اور رجم کی ہے۔"

فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب جرم ایک سے زیادہ مرتبہ صادر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ لوگوں کو عبرت کے لیے سخت سزا دی اور غیر شادی شدہ لوگوں کو نسبتاً خفیف سزا دی۔ اس لیے حدیث میں لفظ ثُمَّ (پھر) واقع ہوا ہے۔ بعض حدیثوں میں جو ابوداؤد میں آئی ہیں ان سے بھی ثُمَّ ہی کا مفہوم مراد ہے اور عربی میں کبھی کبھی واؤ اسی معنی میں استعمال ہوتی ہے۔" (ماہنامہ اشراق مارچ 88ء ص 39-38)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں رجم کے جو دو تین واقعات پیش آئے مثلاً ماعز رضی اللہ عنہ اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کا وغیرہ۔ تو تفتیش و جستجو کے باوجود یہ بات نہیں ملتی کہ ان کو پہلی مرتبہ زنا کرنے پر کوڑے

گئے ہوں اور اس پر بھی باز نہ آنے پر اور دوبارہ ارتکاب کرنے پر ان کو رجم کیا گیا ہو بلکہ ان کو پہلی ہی دفعہ اور وہ بھی ان کے خود آ کر متعدد بار اعتراف جرم کرنے اور پاک صاف کرنے کے مطالبہ پر رجم کیا گیا تو بظاہر ان کی جانب سے حدود اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ پائی گئی۔ لہٰذا فراہی اور اصلاحی صاحبان کے ضابطہ کے مطابق ان کو رجم کی سزا نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس مشکل کے حل کے لیے اصلاحی صاحب نے پہلے تو ضابطہ نکالا کہ ''رجم یعنی سنگسار کرنا ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے اس وجہ سے وہ غنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں جو اغواء اور زنا کو پیشہ بنا لیں جو دن دیہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس مفہوم میں داخل ہے۔''(تدبر قرآن 272:2)

پھر یہ حضرات اس کے درپے ہوئے کہ ان بے چاروں کو نہایت خطرناک قسم کے بدمعاش ثابت کیا جائے۔ اس لیے فراہی صاحب لکھتے ہیں:

''چونکہ وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کی بداخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی یہ سب نیب التبیس''(اشراق: مارچ88ء ص39)

اور اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

''ماعز کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس آدمی تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بد خصلت غنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دلوائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔''(تدبر قرآن: ص505ج4)

دیکھئے اصلاحی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ دلائل و واقعات سے ماعزؓ کا سرکش ہونا ثابت کرتے اور پھر یہ ثابت کرتے کہ ان کو رجم کی سزا حدود اللہ کے مقابلہ میں سرکشی کرنے اور فساد کرنے پر دی گئی۔ اس کے بجائے رجم کی سزا کی بنیاد پر ماعزؓ کی بدکرداری اور فساد و سرکشی ثابت کر رہے ہیں۔

دعوے کو دلیل سے ثابت کرنے کی بجائے وہ دعوے کو ہی دلیل بنا رہے ہیں۔

پھر اصلاحی صاحب کی نظر میں ماعزؓ اور غامدیہؓ کا کردار کیا ہے؟ اس کی تفصیل بھی پڑھیے۔

"اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بہت سی ڈیرے والیاں ہوتی تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور ان کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں جو زیر زمین یہ پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قرآن کی گرفت میں آئے تو مائدہ کی اسی آیت کے تحت آپ نے ان کو رجم کرایا۔" (تدبر قرآن ص506 ج4)

اصلاحی صاحب کی مزید تحقیق ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (یعنی ماعز) کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آ گیا۔ آپ نے اس کو بلوا کر جیسے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب اقرار کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم کا حکم دے دیا۔" (تدبر قرآن 506/4)

اب کوئی اصلاحی صاحب کے استاد فراہی صاحب سے ہی پوچھے کہ ماعزؓ اور غامدیہؓ کے مسلمان ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ کے عظیم ہونے کی خبر بھی دی۔ کیا خود مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ ڈیرے چلاتے تھے اور بدمعاشیاں کرتے تھے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ کس وقت کی تھی؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قانون کی کون سی شق کے تحت ان کے خلاف اقدام سے باز رہنے پر مجبور تھے؟ پھر وہ قانون کی گرفت میں کس طرح سے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن لوگوں کے ہاتھ ماعزؓ کو گرفتار کرایا؟ اور کیا ماعزؓ ایسا بزدل قسم کا بدمعاش غنڈہ تھا کہ تنبیہ سے باز تو نہیں آیا محض ایک تیکھی نظر سے

اس نے سب کچھ اگل دیا؟ اور سزا سے پہلے اس غنڈے بدمعاش نے توبہ کس وقت کی تھی یا کسی سرکش مجرم کی سزا خود بخود اس کی توبہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی جانب سے توبہ کے کچھ آثار بھی ظاہر نہ ہوں؟

کیا اصلاحی صاحب کی نظر میں ان سوالات کو حل کرنا قابل التفات نہیں اور کیا فراہی صاحب اور اصلاحی صاحب کی شخصیتیں ایسی ہیں جن کے دعوے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مسلم ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ حالت اسلام میں رجم کے واقعہ سے پہلے بھی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے ہیں اور اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ میں علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں کہ کتب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا باسلام قومہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کے اسلام کی تحریر لکھوا کر دی۔ ان کے رجم کیے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ماعز بن مالک کو بخش دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ لوسعتھم یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک جماعت کے درمیان تقسیم کردی جائے تو اس کی نجات کے لیے کافی ہو جائے۔

اتفاق سے ان سے زنا سرزد ہو گیا تھا ورنہ ویسے وہ بھلے آدمی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر ان کے اپنے لوگوں نے کہا ما نعلم باسا یعنی (یہ بھلے آدمی ہیں) ہمیں ان میں کسی برائی کا علم نہیں۔ زنا کے ارتکاب سے وہ بے چین ہو گئے۔ زنا کی حد کا انہیں علم نہ تھا اور نہ ان کے آس پاس کے لوگوں کو اس کا علم تھا۔ البتہ کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں توبہ کی کوئی صورت بتائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں حیثیت حاکم اور قاضی کی بھی تھی۔ قاضی اور حاکم کے سامنے اگر کوئی شخص چار مرتبہ زنا کا اقرار کرلے تو اس سے جرم ثابت ہو جاتا ہے اور پھر حد کو لامحالہ نافذ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی بے چینی میں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر زنا کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوٹا دیا لیکن وہ بار بار آ کر اسی طرح اعتراف کرتے رہے۔ چار مرتبہ کے اقرار کے بعد اور دیگر ضروری تفتیش کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رجم کا فیصلہ دیا۔ اس سزا کا ان کو پہلے سے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ جب ان کو پتھر لگے تو یہ بھاگے لیکن لوگوں نے ان کو نہ چھوڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ تم نے ان کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے کردار کی بھلائی اور وقتی گناہ پر سچی ندامت اور بے چینی اور توبہ ہی اس بات کا سبب تھی جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی کہ:

والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انھار الجنۃ ینغمس فیھا

ترجمہ: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔"

یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ ماعز رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف بھی تھے لیکن اصلاحی صاحب یہ ماننے کے باوجود کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف اپنی جگہ بڑا شرف ہے اور ایک مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے۔" (مبادی تدبر حدیث 5) یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اس کا کردار و ایمان پر بھی اثر پڑتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر امتی قرنی (میری امت میں بہترین لوگ میرے زمانے والے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

☆ قرآن پاک کی قراءت

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔

پوری امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ قرآن پاک کی قراءت کی مختلف نوعیتیں جن میں سے کئی ایک کا تعلق الفاظ کی ادائیگی سے ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور اسلامی دنیا میں تواتر سے لاکھوں افراد ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہیں اور ان کے مطابق تصنیف شدہ

ہزاروں کتابیں موجود ہیں یہاں تک کہ ان کے مطابق طبع شدہ قرآن پاک بھی کھلے عام فروخت ہوتے ہیں اور لوگ ان میں سے پڑھتے ہیں۔

تیرہ صدیوں تک امت ان قراءتوں کو مانتی رہی ہے اور پڑھتی پڑھاتی چلی آئی ہے اور ان کی بنیاد پر قرآن میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن تیرہ صدیوں کے بعد علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور امین احسن اصلاحی جیسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کو پوری امت گمراہی میں مبتلا نظر آئی اور انہوں نے ان قراءتوں کے انکار میں اپنی ہدایت سمجھی۔

امین احسن اصلاحی صاحب تو یہ فرماتے ہیں:

"غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ قراءتوں کا اختلاف دراصل قراءتوں کا اختلاف نہیں بلکہ اکثر و بیشتر تاویل کا اختلاف ہے۔ کسی صاحب تاویل نے ایک لفظ کی تاویل کسی دوسرے لفظ سے کی اور اس کو قرأت کا اختلاف سمجھ لیا گیا حالانکہ وہ قراءتوں کا اختلاف نہیں بلکہ تاویل کا اختلاف ہے۔ مثلاً سورہ تحریم میں بعض لوگوں نے فَقَدْ زَاغَتْ بھی پڑھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی یہ پڑھا ہے اس نے یہ قرأت نہیں بتائی بلکہ اپنے نزدیک اس نے فَقَدْ صَغَتْ کی تاویل کی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس کو بھی قرأت سمجھ لیا۔" (تدبر فروری 83ء)

اب دیکھئے اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تاویل کا اختلاف تھا۔ ایک معلم نے قرآن کے ایک لفظ کا مطلب بتایا لیکن شاگرد سب کے سب ایسے باکمال نکلے کہ انہوں نے مطلب بتانے والے لفظ کو خدا کی جانب سے نازل شدہ سمجھ کر علیحدہ قرأت بنا لیا اور صرف کسی ایک استاد کے شاگردوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اور بہت سے حضرات کے شاگردوں نے ایسا کیا اور یہ غلطی پوری امت میں پھیل گئی اور اس نے پورے فن کا روپ دھار لیا۔ اس کے بارے میں ہزار ہا کتابیں لکھیں اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اُمت نے متعدد قراءتوں کو کیسے اپنایا اس کے بارے میں امین احسن اصلاحی صاحب یوں فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اس اختلاف قرأت کے مسئلہ پر بھی لوگوں نے صحیح نہج سے غور نہیں کیا۔ اس وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ قرآن مجید کی سات قرأتیں ہیں۔ یہ غلط فہمی غالباً اس حدیث سے پیدا ہوئی جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انزل القرآن علی سبعة احرف (قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے) سات حرفوں کے معنی اگر یہ لیے جائیں گے کہ قرآن کے تمام الفاظ سات طریقوں سے پڑھے جاسکتے ہیں تو اس صورت میں قرآن ایک معمہ بن کر رہ جائے گا۔ لیکن جو لوگ قرأتوں کے اختلاف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ قرآن کے کسی لفظ کی قرأت سات طریقوں سے کی گئی ہے۔ ابن جریرؒ قرأتوں کے اختلاف نقل کرنے میں بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں لیکن انہوں نے بھی کسی لفظ کی دو تین سے زیادہ قرأتیں شاید ہی نقل کی ہوں۔

سبعة احرف سے کیا مراد ہے اس میں علمائے فن کا اختلاف ہے۔ اس کے متعلق چالیس سے زیادہ قول ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اس قدر اختلاف کی صورت میں سبعة احرف سے سات قرأتیں مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھیے کہ بعض علماء سات کے عدد کو متعین سات کے معنی میں نہیں بلکہ کثرت کے مفہوم میں لیتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک قرأتیں دراصل بہت ہیں۔ ہمارے نزدیک قرأتوں کے اختلاف کو خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنیؓ نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا اور انہوں نے یہ عظیم کارنامہ تمام صحابہ کے اتفاق رائے سے انجام دیا۔ اس وجہ سے اس کو اجماع کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد اس کے باقی رہنے کے لیے کوئی جواز نہیں ہے۔

سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں جب یہ معلوم ہوا کہ مملکت کے بعض شہروں میں قرآن کے بعض الفاظ کی قرأت مختلف طریقوں سے ہوتی ہے تو آپؓ نے قرآن کے تمام اصحاب علم صحابہ کرام کو جمع کر کے ان کے سامنے تمام مختلف فیہ الفاظ کو رکھا اور ایک ایک پر بحث کر کے اتفاق رائے سے لوگوں

کو اس قرأت پر جمع کر دیا جو قریش کی قرأت تھی۔ اس لیے کہ یہ بات نص قرآن سے ثابت ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے پھر اس قرأت کے مطابق قرآن کے نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھجوا دیے گئے کہ لوگ اس قرأت کی پیروی کریں، ہمارے ہاتھوں میں جو مصحف ہے وہ اسی قرأت پر ہے۔ اس قرأت کو قرأت حفص کہتے ہیں۔ متواتر قرأت صرف یہی ہے جس پر خلیفہ راشد کی قیادت میں امت کا اجماع ہے۔ اس کے مقابل میں دوسری قرأتوں کی حیثیت شاذ قرأتوں کی ہے جس کی متواتر قرأت کے مقابل میں کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ (ترتیب: عبداللہ غلام احمد)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ جواب میں لکھتے ہیں۔

امین احسن اصلاحی صاحب کی فن قرأت سے ناواقفیت کی انتہا دیکھئے کہ قرأت اور روایت کے درمیان فرق نہیں سمجھتے اس لیے اکثر جگہ قرأت حفص کہتے ہیں حالانکہ اختلاف کی نسبت اگر امام کی طرف ہو تو قرأت ہے اور راوی کی طرف ہو تو روایت ہے۔ عاصم رحمہ اللہ امام و قاری ہیں لہذا ان کی طرف اضافت و نسبت کر کے قرأت کہیں گے۔ شعبہؒ اور حفصؒ امام عاصمؒ کے دو راوی یعنی شاگرد ہیں۔ ان کی طرف جب نسبت ہوگی تو روایت کہلائے گی۔ لہذا روایت حفص یا روایت شعبہ کہیں گے۔

اصلاحی صاحب نے حضرت عثمانؓ کے واقعہ کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اصل قصہ یہ ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور جا کر عرض کیا کہ امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کا شکار ہو، آپ اس کا علاج کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی اور اہلِ عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہلِ شام نے نہیں سنی ہوتی۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے

رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق پڑھایا اور دوسرے معلم نے دوسری قرأت کے مطابق۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دیتے۔ جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملے میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا۔ انہوں نے ہم سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا کہ ان قرأتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب تک پہنچتی ہے۔ اس پر ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ پھر کوئی افتراق واختلاف باقی نہ رہے۔ ہم سب نے کہا آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی ہے۔ (کتاب المصاحف لابن ابی داؤد)

یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرأتوں کے اختلاف کو ختم کیا بلکہ حضرت عثمانؓ نے ایسے نسخے تیار کروائے جو قرأتوں کے معیار بن سکیں۔ چنانچہ تمام متواتر قرأت رسم مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔

☆ حدیث وسنت اور اصلاحی صاحب

حدیث وسنت کے بارے میں امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حدیث اور سنت

میں آسمان وزمین کا فرق ہے اور دین میں دونوں کا مرتبہ ومقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہے۔ (مبادی تدبر حدیث: ص19)

ان دونوں اصطلاحوں کے جمہور محدثین وفقہاء مترادف ہونے کے قائل ہیں۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات اس پر شاہد ہیں:

رہی سنت تو اکثر اس کا اطلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے قول، فعل یا تقریر پر کیا جاتا ہے اور یہ علمائے اصول کے نزدیک حدیث کے مترادف ہے۔ (توجیہ النظر ص:3)

سنت معتاد اور چلے ہوئے طریقے کو کہتے ہیں اور اصول میں اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل اور تقریر ہے۔ (کتاب التحریر لابن ہمام)

لغت میں سنت عادت کو کہتے ہیں اور شرع میں یہ دو معنی کے لیے مشترک ہے۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر شدہ قول، فعل یا تقریر اور دوسرے وہ کام جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجوب مواظبت کی ہو۔ (تعریفات سید شریف جرجانی)

رہا سنت کا شرعی معنی تو اہل شرع کی اصطلاح میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو کہتے ہیں۔ (ارشاد الفحول للشوکانی)

رہا شرعاً تو سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں اور معنی عام کے اعتبار سے اہل لغت کے عرف میں اس کا اطلاق واجب اور غیر واجب پر بھی ہوتا ہے...... دلائل میں حدیث سے مراد وہ قول، فعل اور تقریر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے علاوہ صادر ہوئی ہو۔ (حصول المامول من الاصول۔ نواب صدیق حسن خان)

یہاں سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال اور احوال ہیں جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح لملا علی قاری)

لغت میں سنت طریقے اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں نفلی عبادت میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور دلائل میں اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والا قول جس کو حدیث بھی کہتے ہیں

یا فعل یا تقریر ہے۔ (التلویح لسعد الدین التفتازانی) (علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حدیث اخص اور سنت اعم ہے)

حدیث اور سنت کے الفاظ فن حدیث میں بطور اصطلاح کے استعمال ہوتے ہیں اور ہر صاحب فن کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے اصطلاح خود وضع کرے۔ کسی دوسرے کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ اصلاحی صاحب نے اس طور سے بھی اپنی حدود سے تجاوز کیا اور مسلمہ اصول کے برخلاف ایک بات پر (یعنی سنت وحدیث کے مترادف اصطلاحات وضع کیے جانے پر) اعتراض کیا۔ حالانکہ قاعدہ ہے کہ لامشاحة فی الاصطلاح

امین احسن اصلاحی صاحب حدیث دشمنی کی تائید میں لکھتے ہیں:

''اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ذرا بھی تعجب انگیز معلوم نہیں ہوتی کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چند ہزار حدیثیں پائی ہیں جن سے ان کے مجموعے تیار ہوئے ہیں۔'' (ص 137، مبادی تدبر حدیث)

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق یہ بات مشہور عوام وخواص ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو چند ہزار حدیثیں لی گئی ہیں وہ لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چھانٹ کر لی گئی ہیں۔ ذرا اندازہ کیجیے ان عظیم خادمان حدیث کی اس محنت شاقہ کا جو رطب ویابس روایات کے انبار میں سے چند ہزار جواہر ریزوں کو چھانٹنے میں ان کو برداشت کرنی پڑی ہوگی............الخ'' (ص 152 مبادی تدبر حدیث)

امین احسن اصلاحی صاحب کی ان عبارات سے پڑھنے والے کو جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے زمانے میں جھوٹی اور ناقابل اعتبار حدیثوں کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ لاکھوں کی تعداد میں تھیں اور ان دونوں حضرات کو بہت ہی زیادہ محنت شاقہ کے بعد صرف یہ چند ہزار حدیثیں ملیں جو انہوں نے اپنی کتابوں میں درج کیں۔

تاریخی حقائق تو یہ ہیں:

(1) امام نوویؒ نے بھی بخاریؒ کا یہ نقل کیا ہوا قول ذکر کیا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ (توجیہ النظر صفحہ 93)

(2) حازمیؒ اور اسماعیلیؒ نے بخاریؒ کا یہ قول نقل کیا کہ جو صحیح حدیثیں میں نے (اپنی کتاب میں) ذکر نہیں کیں وہ (ذکر کی ہوئی سے) زیادہ ہیں۔ (توجیہ النظر صفحہ 92)

(3) امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ "میں نے اپنی کتاب جامع میں صرف صحیح احادیث درج کی ہیں اور میں نے صحیح حدیثوں کا ایک بڑا مجموعہ اس خوف سے درج نہیں کیا کہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ (توجیہ النظر صفحہ 91)

(4) امام مسلمؒ کے اس فعل پر کہ ایک کتاب میں صحیح احادیث جمع کیں جب عتاب کیا گیا اور کہا گیا کہ اس سے تو اہل بدعت کو یہ طریقہ ہاتھ آ جائے گا کہ جب ان کے خلاف کسی حدیث سے استدلال کیا جائے گا تو کہیں گے یہ حدیث (کتاب) صحیح میں نہیں ہے تو مسلم رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ میں نے اس کتاب میں حدیثیں نقل کیں اور کہا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور یہ نہیں کہا کہ جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں نقل نہیں کیں وہ صحیح نہیں ہے۔

(5) امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے اس کو میں نے اس کتاب میں درج کیا ہے یہاں تو میں نے صرف وہ حدیثیں جمع کی ہیں جن پر (میرے اساتذہ کا) اتفاق ہوا۔ (فتح الملہم شرح مسلم ج2، ص44)

امین اصلاحی صاحب ائمہ حدیث پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جہاں تک دوسرے ائمہ مثلاً امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا مسلک نہایت ضعیف ہے۔ ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایتوں کو قبول کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ جو گمراہی تاویل کے راستے سے پیدا ہوتی ہے جب اس کے حامل کو ہم کافر نہیں کہتے تو اس کی روایت کو بھی رد نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک ایک متؤول صریح کفر کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ان کا موقف نہایت بودا ہے۔ اس لیے کہ کفر کا اظہار تو بالعموم تاویل ہی کے

ذریعے کیا جاتا ہے۔ صریح کفر کا اظہار تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ شیعہ، خوارج، مرجیہ، قدریہ ایسے جتنے بھی گروہ ہیں تو وہ اپنی تاویل کو دین سمجھتے ہیں اور اسے دین سمجھ کر ہی اپناتے اور اختیار کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھئے جتنی گمراہیاں دین میں پیدا کی جا رہی ہیں وہ صریح کفر کے راستے سے نہیں بلکہ تاویل کے راستے سے آ رہی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان ائمہ کی یہ رعایت معصومانہ ہے۔ اس لیے کہ ان کے مضمرات کو پوری طرح سے نہیں پرکھا گیا ہے۔

بعض حضرات داعی اور غیر داعی مبتدع میں فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اپنی بدعت کا داعی ہو اس کی روایت نہیں لی جائے گی لیکن جو داعی نہ ہو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یعنی ایک راوی خواہ کٹر سے کٹر خارجی ہو یا کٹر سے کٹر شیعہ ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اپنے مسلک کا کھلم کھلا داعی نہ ہو۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ معقول رائے ہے۔ جب ایک چیز اس کا جزو ایمان و دین ہے تو لامحالہ جب وہ بات کرے گا تو وہی کرے گا جو اس نے اپنے مسلک کے ائمہ سے سنی ہوگی اور نقل کرے گا تو ان ہی کی بات نقل کرے گا۔ اس لیے ان لوگوں کی یہ رائے بھی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

(پھر مودودی صاحب کی صفائی پیش کرتے ہوئے یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں یہ ان کے عقائد نہیں بلکہ یہ تو انہوں نے تاریخ بیان کی ہے۔ اب مودودی صاحب مذکورہ بالا قاعدہ سے بالا کیوں ہیں؟۔ خلیق عفی عنہ)

امین اصلاحی صاحب آگے لکھتے ہیں کہ:

اسی طریقہ سے ایک گروہ یہ تخصیص کرتا ہے کہ خاص نوعیت کے مبتدعین سے تو بے شک روایت نہیں لی جائے گی البتہ ان کے ماسوا جو ہیں ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون یہ امتیاز کرتا چلے گا کہ گمراہی کا درجہ کیا ہے؟ کس کے پاس یہ پیمانہ ہے کہ اس سے یہ ناپ کر فیصلہ کر لیا جائے کہ یہ راوی اس درجے کا گمراہ ہے یا نہیں۔ جو بھی کہتا ہے بالکلیہ ہی کہنا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات روافض کے ایک مخصوص گروہ کے سوا باقی تمام مبتدعین سے روایت لینا جائز سمجھتے

ہیں۔

یہ مفعلانہ ذہنیت آہستہ آہستہ لوگوں پر اس طرح غالب آگئی کہ ائمہ فن تک نے مبتدعین سے روایت لینے کو مجبوری بنالیا جس کے نتیجے میں ان کے مرتب کردہ نسخوں میں بکثرت روایات اہل بدعت سے آگئیں اور اس وقت ان کی تحقیق نہایت دقت طلب ہو چکی ہے۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ میں علی بن المدینی کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

"اگر میں اہل بصرہ کو مسئلہ قدر کی بنا پر اور اہل کوفہ کو تشیع کی بنا پر چھوڑ دوں تو حدیث کی کتابیں ویران ہو کر رہ جائیں۔" (مبادی تدبر حدیث، ص 139/40)

حضرت مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ سارا کلام ائمہ مجتہدین کی تغلیط بلکہ کسی قدر توہین سے بھی بھرا ہوا ہے۔ کوئی متبحر فی العلم ہو تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ وہ دلائل کی قوت کی بنا پر کسی ایک قول کو ترجیح دے۔ لیکن امین احسن اصلاحی جن کے تبحر علمی کی حقیقت گزشتہ اوراق میں آشکار ہو چکی ہے اگر واقعی دلائل سے قطع نظر کر کے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ (جو کہ خیر القرون میں سے ہیں اور سنت و حدیث کے مسلمہ امام ہیں) کی ایسی تغلیط کریں اور مندرجہ ذیل Remarks دیں تو ان کی اپنی حرماں نصیبی پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جائے۔ ذرا Remarks تو ملاحظہ ہوں۔

الف: "جب وبائے عام ہو تو محتاط آدمی بھی اس سے بچ کر نہ کچھ ذخم اٹھا ہی لیتا ہے۔"

ب: "ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایت کو قبول کر لیا۔"

ج: "ان کا موقف نہایت بودا ہے۔"

د: "ہمارے نزدیک ان ائمہ کی یہ رعایت نہایت معصومانہ ہے اس لیے کہ اس کے مضمرات کو پوری طرح سے نہیں پرکھا گیا ہے۔"

عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ وغیرہما جیسے حضرات مجتہدین جن

کی فقاہت اور جن کا فہم قرآن وسنت اور جن کی اصول دین میں کمال معرفت ہر دور میں مسلم رہی ہے وہ ایسے بھولے بھالے اور معصوم ہوں کہ انہوں نے اپنے بھول پنے اور معصوم پنے میں ایسے اصول وضوابط کو اختیار کیا جن کے نتائج ومضمرات کو انہوں نے پوری طرح پرکھا ہی نہیں یا وہ ایسے کمزور کردار کے لوگ تھے کہ ہوائے عام سے متاثر ہو کر پھوڑ خم کھا بیٹھے اور غلط روش کو تاویلیں کر کے صحیح بتانے کے درپے ہوئے۔ خیر القرون کا دور ہو، چوٹی کے مجتہدین ہوں اور گمراہی سے متاثر ہو کر انتہائی بودا موقف اختیار کریں یہ بات عقل ہی کے خلاف ہے اور قائل کی بے عقلی پر دلیل ہے۔

☆ اصلاحی صاحب کا طریقہ تفسیر

امین احسن اصلاحی صاحب سلف کا طریقہ تفسیر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انہی وجوہ سے سلف کا طریقہ تفسیر یہ رہا ہے کہ پہلے وہ قرآن کو خود قرآن کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے، اس کے بعد اگر کوئی مشکل باقی رہ جاتی تو اس کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال میں تلاش کرتے۔ اس کے بعد بھی اگر معاملہ کا کوئی گوشہ محتاج توضیح رہ جاتا تو اس کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال سے مدد لیتے۔ کیونکہ قرآن مجید جن لوگوں کے حالات وواقعات پر پورا اترا اور جن کو اس نے سب سے پہلے مخاطب کیا وہ قرآن مجید کے اسرار وحکم اور اس کے رموز و حقائق کو جس خوبی کے ساتھ سمجھ سکتے تھے اس خوبی کے ساتھ دوسرے لوگ، جن کو وہ حالات میسر نہیں ہیں کسی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ علامہ سیوطی الاتقان میں تفسیر کا طریقہ یہ بتاتے ہیں:

''علماء نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر کرنا چاہے وہ پہلے قرآن مجید سے تفسیر کرے۔ اس میں جو چیز ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ اس کی تفسیر کر دی گئی ہے اور جو بات ایک جگہ مختصر ہے دوسرے مقام پر بالکل مفصل ہے۔ ابن جوزی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں قرآن کی ان تمام آیات سے تعرض کیا ہے جو ایک جگہ مجمل اور دوسری جگہ مفصل ہیں اور میں نے خود مجمل کے بیان میں اس کی بعض مثالوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر کہیں اس میں کامیابی نہ ہو (یعنی قرآن کی تفسیر خود قرآن سے نہ ہو سکے) تو سنت میں اس کی تفسیر تلاش کرے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور مفسر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرآن دیا گیا اور اس کی مثل بھی اس کے ساتھ یعنی سنت۔ پس اگر سنت میں بھی نہ پائے تو صحابہؓ کے اقوال کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہ اس کے سب سے بڑھ کر جاننے والے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے نزول قرآن کے تمام قرائن و حالات کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ نیز فہم کامل اور علم صحیح و عمل صالح سے بھی آراستہ تھے۔"

تفسیر کا یہ طریقہ بالکل فطری ہے۔ اصلی چیز خود قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی اپنی توضیحات ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور تیسرا درجہ اقوال صحابہ ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات اور صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنا چاہتے ہیں اس میں تفسیر کے لیے اصل الاصول خود قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی توضیحات ہی کو قرار دیا گیا ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا ہاں اگر کوئی بات ایسی ہے جو خود قرآن مجید سے صاف نہیں ہو رہی تو اس کے لیے آدمی کہاں جائے گا؟ ایک آزاد خیال سے آزاد خیال آدمی بھی سوال کا جواب یہی دے گا کہ ایسی مشکلات میں بہترین رہنمائی سنت رسول اور اقوال صحابہ کی رہنمائی ہی سے ہو سکتی ہے۔ لیکن اس رہنمائی کی صورت کیا ہوگی؟ یہ ہوگی کہ ایک آیت پر اس کے الفاظ کی روشنی میں پوری طرح غور کیا.......... قرآن مجید میں جو آیات اس کی مماثل ہیں ان کی روشنی میں پوری طرح غور کیا.......... قرآن مجید میں جو آیات اس کی مماثل ہیں ان کی روشنی میں بھی اس کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ سیاق و سباق اور عمود و نظم کے پہلو سے بھی اس پر نگاہ ڈال لی۔ لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی پوری تشفی نہیں ہوتی۔ الفاظ کچھ چاہتے ہیں، لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کیا چاہتے ہیں۔ اب ہم احادیث اور اقوال صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کوئی ایسی بات پا لیتے ہیں جس سے اس آیت کا تمام عالم روشن ہو جاتا ہے، الفاظ کو اس کے بعد کسی بات کا انتظار نہیں رہ جاتا۔ نظم اور سیاق کلام سب کا حق ادا ہو جاتا ہے تو اس بات کو اگر وہ صحیح طریقہ سے منقول ہو گی قبول کر لیں گے۔ (مبادی تدبر قرآن: ص 145 تا ص 147)

حضرت مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔

اصلاحی صاحب نے سلف کے طریقۂ تفسیر کو الاتقان کے حوالہ سے ذکر کیا اور اس کو فطری قرار دیا اور اپنی طویل عبارت سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی اسی طریقہ پر کاربند ہیں۔ لیکن ہمیں اسلاف کے طریقۂ تفسیر اور اصلاحی صاحب کے طریقۂ تفسیر میں کچھ فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلاف تو حدیث کو اس کے مرتبہ میں قرآن کا شارح اور موضح سمجھتے تھے اور جہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ہو سکتی ہو وہاں حدیث کو ہی مفسر قرار دیتے تھے۔ اس کے برخلاف اصلاحی صاحب حدیث کو قرآن کا شارح و مفسر نہیں مانتے بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جہاں قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنے میں کامیابی نہ ہو وہاں ہم قرآن کی تفسیر کرنے میں حدیث سے مدد تو لیں گے لیکن حدیث کو تفسیر و شارح کے طور پر نہیں لیں گے اور یہ مدد بھی اس لیے نہیں کہ حدیث کو تفسیر میں دخل ہے بلکہ محض اس لیے کہ اپنے غور وفکر سے جس نتیجہ تک ہم پہنچے ہیں اور اس کے بارے میں کچھ کھٹک ہے تو وہ کھٹک دور ہو جائے۔

امین احسن اصلاحی صاحب نے سلف کے طریقہ سے جو لطیف انحراف کیا ہے اس کی وجہ وہ خود بتاتے ہیں کہ الفاظ قرآن کی دلالت قطعی ہے۔ جب کہ حدیث (خبر واحد) ظنی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"اگر ان روایات کی تحقیق و تنقید کر کے ان کے اندر جو مغز ہے اس کو الگ بھی کیا جا سکے جب بھی تنہا ان ہی کو تفسیر میں فیصلہ کن چیز قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ روایات صحت کے معیار پر پوری اترنے کے بعد بھی ظن کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اگر قرآن مجید کی تفسیر میں تنہا ان ہی کو فیصلہ کن چیز مان لیا جائے تو قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچے گا اور یہ چیز کسی طرح بھی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے دلائل و شواہد کے ساتھ مل کر تو بلاشبہ یہ روایات قرآن مجید کے صحیح مفہوم کی تعیین میں بہت زیادہ مددگار ہو سکتی ہیں لیکن تنہا ان ہی کی مدد سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔" (مبادی تدبر قرآن ص166)

قرآن کے قطعی الدلالۃ ہونے سے اصلاحی صاحب کی کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت انہوں نے رسالہ تدبر میں اس طرح کی ہے۔

''فہم قرآن کے لیے ایک اور اصول جس کو ماننا ضروری ہے یہ ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے یعنی قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معنی ان کے مفہوم کی طرف ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ قرآن مجید نے جو لفظ استعمال کیا ہو وہ اگرچہ ایک خاص معنی دے رہا ہو لیکن قرآن اس کو نظر انداز کر کے مراد اس سے مختلف لے رہا ہو یا قرآن کا بیان بادی النظر میں تو ہر قاری کو کچھ معلوم ہوتا ہو لیکن اصل میں قرآن کا مفہوم اس سے مختلف ہو جو ہر پڑھنے والا اس سے سمجھتا ہے۔'' (تدبر نمبر 2 ص 12)

قرآن میں موجود لفظ ''قروء'' حیض اور طہر دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ ''کلالہ'' جس کا اطلاق تین معنی پر ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس نے نہ اولاد چھوڑی نہ والد، دوسرے ایسا وارث جو میت کی نہ اولاد ہو اور نہ والد۔ تیسرے وہ قرابت جو اولاد اور والد کی طرف سے نہ ہو۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کا ہر مقام قطعی الدلالۃ نہیں بلکہ اس کے بعض مقام ظنی الدلالۃ بھی ہیں اور ایسے مقام میں تنہا حدیث کو قرآن کی تفسیر کے طور پر لینا راجح ہے۔

☆ چند دیگر متجددین

غلام احمد پرویز

غلام احمد پرویز بٹالوی نگران ماہنامہ طلوع اسلام کی تجدید اسلام ملاحظہ ہو۔

☆ دین نے قیام صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔ مذہب میں یہ چیز پڑھنے کے مرادف بن گئی۔ (طلوع اسلام صفحہ ۴۶۔ جون ۱۹۵۰ء)

☆ مرکز ملت کو ان میں (جزئیات نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا۔ (طلوع اسلام۔ صفحہ ۴۷۔ جون ۱۹۵۰ء)

☆ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض نمازیں دو ہیں۔ جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل ہیں۔ (عباد اللہ اختر۔ طلوع اسلام۔ صفحہ ۵۸۔ اگست ۱۹۵۰ء)

☆ مذہب میں نماز۔ روزہ۔ صدقہ۔ خیرات اسی خوشامدانہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے

خوشامدانہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں۔ (طلوع اسلام جنوری فروری۔ صفحہ ۱۰۸۔ ۱۹۵۰ء)

☆ عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی۔ از ادارہ طلوع اسلام)

☆ عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالی میں بہہ جاتا ہے۔ (طلوع اسلام۔ صفحہ ا۔ ستمبر ۱۹۵۰ء)

☆ روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں۔ (طلوع اسلام۔ صفحہ ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

☆ روایات حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (طلوع اسلام۔ صفحہ ۷۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لیے ظنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں رہا۔ (طلوع اسلام۔ صفحہ ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ (معارف۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۹۲۔ طلوع اسلام۔ صفحہ ۴۷۔ جون ۱۹۵۰ء)

☆ ڈاکٹر فضل الرحمن

(حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" میں لکھتے ہیں)

اب دورِ جدید کے جس فتنہ کا ذکر آپ کے سامنے لایا جا رہا ہے اسے جدید اصطلاح میں تجدد پسندی کہا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں اس تجدد پسندی کا تنظیمی مرکز فیلڈ مارشل ایوب خان کا بنایا ہوا ادارہ تحقیقات اسلامیہ (راولپنڈی) ہے۔ جس کا ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہے (تھا) جس نے 1963ء سے 1968ء تک اپنے ملحدانہ عقائد کو مسلمانوں پر ٹھونسا۔ ادارہ تحقیقات اسلامیہ نے "اسلامی قانون" کے موضوع پر ایک جامع کتاب کی تدوین کا فیصلہ کر لیا ہے (تھا)۔ اس لیے وقت کی نزاکت کے

پیش نظر ان کے ماہانہ فکر و نظر سے چند حوالے پیش کیے جارہے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ادارہ سرے سے اسلام کا قائل ہی نہیں بلکہ اسے قرون وسطیٰ کی مخلوق تصور کرتا ہے، ملاحظہ کیجیے۔

”مسلمہ عقائد کے حامیوں کے پاس اسلام ضرور بچ رہا مگر کس حال میں؟ محض پوست، مغز سے محروم، ایک ظاہری رسمی ڈھانچہ روح سے عاری۔“ (فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 153)

اور یہ کہ:

”اسلام غلو (انتہا پسندی) کے دو پاٹوں میں پس گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قانون مبرم تھا جو راسخ العقیدہ گروہ کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ ثبوتی (سائنسی) فکر کو نیست و نابود کر دے۔“ (فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 156)

مزید برآں یہ کہ زندگی پر:

”اگر روایتی مذہبی تصورات و اعمال، خالص دینوی جدید عقلیت اور سائنسی ذہنیت سے نہایت سختی سے الگ رکھے جائیں تو وہ کتنی دور تک اور کتنے گہرے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ یہ سوال کافی سوچ میں ڈالنے والا ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذہب کو قطعی طور سے زندگی پر اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (فکر و نظر جلد 4 شمارہ 1 ص 15)

گویا جب تک مسلمان مسلمان رہیں گے اس وقت تک وہ جدید ترقی سے محروم رہیں گے۔ البتہ جب مذہب اسلام کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اس دن انہیں ترقی نصیب ہوگی۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارہ تحقیقات اسلامی نے ”روایتی اسلام“ کی جگہ ”ماڈرن اسلام“ پیش کیا اور اس کی ماڈرن تفسیر بھی کروالی۔

لیجیے ملاحظہ ہو۔

”سنت نبوی کوئی متعین چیز نہ تھی نہ اس نے انسانی زندگی کی کوئی تفصیلی رہنمائی کی جیسا کہ عہد وسطیٰ کے اسلامی لٹریچر (حدیث و فقہ) سے سمجھ میں آتا ہے۔“ (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 16)

ایک بہتان عظیم ملاحظہ ہو۔

"قدماء محدثین خود تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاقی امثال، چند نصائح اور جوامع الکلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منسوب کر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔ خواہ یہ انتساب درست ہو یا نادرست، البتہ فقہ و عقائد کی احادیث کے متعلق سلسلہ روایت کا پوری صحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اب قابل غور یہ ہے کہ ترک صحت کے اصول کو کسی سطح پر بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے کسی خاص دائرہ تک محدود رکھنا دشوار بلکہ ناممکن ہوگا۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 5 ص 12)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حاصل یہ کہ اخلاقی امثال، چند نصائح اور جوامع الکلم کی احادیث تو معاذ اللہ خود محدثین کے اقرار سے مشکوک ہیں اور فقہ و عقائد کی احادیث "قابل غور" تکنیک سے مشکوک ہو گئیں۔ لہٰذا تمام احادیث کو زمانہ مابعد کی تخلیق فرض کرنا چاہیے۔

اصولی احادیث کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی سنیے:

"ہم نے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ان احادیث کی ہیں جنہیں ہم "اصولی" کہہ سکتے ہیں یعنی وہ احادیث جن پر مبادیات دین کی ساری عمارت کی بنیاد قائم ہے۔ اگر اجماع اور حدیث جیسے بنیادی اصولوں کے بارے میں احادیث تاریخی طور پر غیر صحیح ثابت ہو جائیں تو دوسری بیشتر احادیث کی صحت یقیناً معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 7 ص 10)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بلکہ بلفظ صحیح اسلام کی بنیاد اکھڑ جانے سے خود اسلام ہی کا قصر بلند مسمار ہو کر رہ جاتا ہے اور یہی ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کا مقصد ازلی اور ہدف اصلی ہے اور یہی درس حریت ادارہ کے مفکرین نے اپنے مغربی آقاؤں سے سیکھا ہے۔

بخاری، نسائی، ترمذی کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی سوچ ملاحظہ کیجیے:

"ایسی گمراہ کن حدیثیں منافقین نے ان کتابوں میں داخل کر دیں، جس طرح بخاری میں جمع قرآن

کا پورا باب بنا کر داخل کر دیا اور مختلف مقامات پر اس کی حدیثیں ٹھونس دیں۔ یہی حال ترمذی، نسائی کا بھی کیا۔" (فکر و نظر جلد 2 شمارہ 2 ص 273)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

پتہ جیبہ بھی ممکن ہے کہ کتابیں اپنی اصل حالت پر ہوں جیسا کہ ان کا تواتر خود اس کا شاہد ہے مگر ادارہ تحقیقات اسلامیہ پر الحادی عنصر کا چونکہ غلبہ ہے اس لیے انہیں قند، زہر ہلاہل نظر آتا ہے۔

اب اجماع امت، امت مسلمہ، عقائد اسلامیہ اور اجماعی مسائل کے بارے میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ملاحدہ (ڈاکٹر فضل الرحمٰن وغیرہ) کے تصورات کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے۔

"ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اجماع کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کی تاریخی صحت ناقابل یقین ہے۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 7 ص 17)

"امام شافعی کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایک ایسا مشینی نظام پیدا کر دیا جس سے اسلام زندہ طاقت اور اپنی تقدیر کا خود مالک کی حیثیت میں نہیں رہا بلکہ ایک اثر پذیر وجود کی حیثیت سے زندگی کے تھپیڑوں کی نذر ہو گیا۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 30)

"معراج نبوی جو متواترات دین سے ہے، کے بارے میں فرمایا جاتا ہے یہ ایسی توہمات پرستی کی جس کا قرآن مجید سے کوئی ثبوت نہیں ملتا ایک مثال ہے۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 30)

"اسی طرح مسلمانوں کے ہاں شفاعت کے مشہور عام عقیدہ نے جو شکل اختیار کی وہ عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ کا جواب تھا۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 30)

(گویا مسلمانوں کے عقائد کافروں سے اخذ کردہ ہیں)

عقیدہ نزول عیسیٰ علیہ السلام: "یہ عقیدہ عیسائیت سے مستعار لیا گیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اہلسنّت والجماعت کے عقائد کا جزو بن گیا۔" (فکر و نظر جلد 1 شمارہ 12 ص 11)

"اس کی دوسری شکل وہ تھی جس نے شیعی حلقوں میں جنم لیا اور شروع کے صوفیاء کی کوششوں سے اہلسنّت والجماعت کے عقیدہ میں جگہ پائی۔ یہ تھا مہدویت (آمد مہدی علیہ السلام) کا عقیدہ

(فکرونظر جلد 1 شمارہ 12 ص 11)

”قرآن کریم کی رو سے طلاقیں صرف تین مرتبہ الگ الگ وقفہ کے ساتھ ہوسکتی ہیں اور ایک عدت کے شروع میں ایک طلاق ہوسکتی ہے۔“ (فکرونظر جلد 2 ص 224)

لہٰذا ہم نہایت دیانت داری کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یتیم پوتے کی اپنے دادا سے محرومی کسی صحیح بنیاد پر مبنی نہیں ہے۔“ (فکرونظر شمارہ 6 جلد 3 ص 417)

غنا اور سماع راگ گانے اور سننے کی شرعی حیثیت میں دو مسلک ہیں۔ ایک فقہاء کا جو عموماً اس کی حرمت کے قائل ہیں اور دوسرا محدثین کا جو اسے جائز سمجھتے ہیں اور اس باب کی تمام روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (فکرونظر جلد 2 شمارہ 9 ص 566)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی (ادارہ تحقیقات اسلامیہ راولپنڈی) ملحدانہ چیرہ دستیوں نے بڑھتے بڑھتے صحیفہ مقدس اور وحی الٰہی پر ہاتھ ڈالا تھا اور اساتذہ مغرب کی تقلید میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ قرآن کا کوئی خارجی وجود نہیں تھا، نہ کوئی فرشتہ وحی لے کر آتا تھا۔ یہ سب نعوذ باللہ افسانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجدان اور ضمیر سے جو آواز اٹھتی تھی وہی وحی تھی اور وہی قرآن کہلاتا تھا۔“

یہ عقائد سر سید کے عقائد سے اخذ شدہ ہیں۔

(طلاق کے بارے میں تفصیل اسی کتاب کے صفحہ...... پر ملاحظہ ہو۔ اور غنا کے بارے میں تفصیل اسی کتاب کے صفحہ...... پر ملاحظہ ہو)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ بچھو سے کسی نے دریافت کیا کہ جناب کے سسرالی گھرانے میں ”نیش زنی“ کے فن میں سب سے بڑا ماہر کون ہے؟ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ جس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیکھو، وہی سب سے بڑھ کر ماہر فن ثابت ہوگا۔

اسلام کا نام لے کر اسلام کو ڈسنا، اسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا اور محض

مفروضات سے اس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا ہر دور کے ملاحدہ اور زنادقہ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ پہلی صدی کے خوارج ہوں یا مابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں یا دور حاضر کے "ارباب فکر ونظر" دوسری صدی کا ابن المقفع ہو یا چودھویں صدی کا اسلم جیراجپوری، اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی ہوں یا ہمارے دور کے ڈاکٹر فضل الرحمن اور پرویز، سب کا مشترک مقصد، مشترک نقطۂ نظر اور مشترک سرمایہ اسلام کی مقدس چہار دیواری میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔

چنانچہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ راولپنڈی کی بزم فکر ونظر کے ایک رفیق عمر احمد عثمانی کی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مہذب زبان ملاحظہ ہو۔

"عقل انسانی اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ ایک نو سال کی "الہڑ لڑکی" اپنے میکہ میں ان تمام علوم و فنون میں اس قدر مہارت کی مالک ہو سکتی ہے کہ اس کا علم پوری امت کی عورتوں سے بڑھ جائے۔"

(فکر ونظر جلد 1 شمارہ 9 مارچ 1964ء قسط دوم ص 48 مقالہ عمر احمد عثمانی)

☆ حنیف ندوی اور اصلاح اسلام:

(حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" میں لکھتے ہیں)

ہمارے "جدید مصلحین" کا ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ جب اسلام کے موضوع پر لکھتے اور بولتے ہیں تو اس بنا پر کہ ان کے سامنے یورپ کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا پورا طومار موجود ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک مومن قانت کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ مغرب کی کور باطنی اور کور چشمی کی سیاہ عینک سے اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا ہے۔ اس لیے انہیں اسلام کا ماضی ہمیشہ تاریک ہی تاریک نظر آتا ہے۔ انہیں غلط نگاہی کی بنا پر اسلام کے کارناموں میں غلطیاں ہی غلطیاں نظر آتی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ عرق ندامت میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں اور یکا یک ان کا لہجہ ایک ایسی معذرت پسندانہ پستی اختیار کر لیتا ہے گویا میدان حشر قائم ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، مگر انہیں صرف اپنے نامۂ عمل کا نہیں بلکہ بدقسمتی سے اپنے اسلاف کی "خطاؤں" کا حساب گویا آج چکانا پڑ رہا ہے۔ انہی میں ایک غیر مقلد مولانا محمد حنیف

ندوی بھی ہیں جن کی کتاب اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور کی مطبوعہ ہے۔

''اساسیات اسلام'' کے مصنف کی زبانی ''اعتراف خطا'' کا یہ دل خراش منظر ملاحظہ ہو:

''صحت فکر اور علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ تعمیر نو کے اس مرحلہ میں ہم اس حقیقت کو کھلے بندوں تسلیم کر لیں کہ عہد ماضی میں ہم سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں۔ ہم نے غیر صحت مند تمدنی رجحانات کو نہ صرف اپنایا اور قبول کیا ہے بلکہ ان کی پرورش بھی کی ہے اور ایسے تصورات کو اسلامی سمجھ کر سینے سے چمٹائے بھی رکھا ہے جن کا اسلامی روح سے، اسلام کے مزاج سے اور اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس اعتراف سے دو گنا فائدے حاصل ہوں گے ایک تو ماضی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی جوابدہی سے بچ جائیں گے دوسرے اس تضاد سے ہم خلصی حاصل کر لیں گے جو اسلام اور مسلمان کو مترادف سمجھ لینے سے پیدا ہو سکتا ہے۔'' (اساسیات اسلام، ص 119، 120)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وہ کون سے امور تھے جن کا اسلامی روح، اسلام کے مزاج اور اسلام کی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود ہمارے اسلاف نے ان کو اسلامی سمجھ کر سینے سے چمٹائے رکھنے کی غلطی کی۔ یہ داستان خود مصنف کی زبانی سنئے:

''ہمارے ہاں علم الکلام پر اس حیثیت سے کام ہوا کہ یہ یونانی فلسفہ کی ایک شاخ ہے۔ تصوف، اسلام کے مقابلے میں ایک مستقل بالذات نظام کی حیثیت سے اُبھرا جس کا دعویٰ یہ تھا کہ تعلق باللہ اور عبودیت و ولایت کے رشتوں کو ریاضت و مجاہدہ سے ہر ہر شخص براہ راست استوار کر سکتا ہے۔ اسی طرح فقہ کے معنی ہمارے ہاں یہ تھے کہ نئے نئے پیش آئندہ مسائل (میں) کتاب اللہ اور سنت کو بحیثیت مجموعی فکر و نظر کے سامنے رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس کی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کا کیا حل نکلتا ہے اس کے بجائے یہ ہوا کہ فقہ ایک جداگانہ فن قرار پائی اور مسائل کے حل و کشود کے لیے ایسے اصول اور پیمانے وضع کیے گئے جو ایک طرف ان روحانی و اخلاقی اقدار سے بیگانہ تھے جن سے اسلامی فقہ ترتیب پاتی ہے اور دوسری طرف جن کی صحت کے بارے میں قیل و

قال کی کافی گنجائش تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ بغیر کسی اجتماعی اور معاشرتی ضرورت اور تقاضے کے شاخ در شاخ مسائل تراشے گئے۔ اس انداز اجتہاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فقہ جسے زندگی کے مسائل حل کرنا تھے، جسے فکر و کاوش کی تازہ کاریوں سے تہذیب و تمدن کے قافلے کو آگے بڑھانا تھا، اس طرح سے زندگی کی گرانباریوں میں اضافے کا سبب بنی۔" (اساسیات اسلام، ص 120-121)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیجئے یہ تھیں ہمارے اسلاف کی دو غلطیاں یعنی علم عقائد، علم تصوف و سلوک اور علم فقہ و قانون جن پر مصنف عرق انفعال میں ڈوبے جاتے ہیں اور انہیں اپنے ماضی سے دست بردار ہوئے بغیر نہیں بن پڑتی۔ اس سے قطع نظر کہ ان اکابر (متکلمین، صوفیا اور فقہائے امت) کے بارے میں "اساسیات اسلام" کے مصنف کا دامن غلط فہمیوں کے کتنے بڑے انبار کو سمیٹے ہوئے ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب وہ اسلاف سے اس قدر "حسن ظن" رکھتے ہیں اور تیرہ صدیوں کی متاع عزیز پر اس قدر نادم اور منفعل ہیں تو "تعمیر نو" کے مرحلہ میں اسلام کی تشریح و تعبیر میں وہ عقل و خرد اور علم و دانش کے کیا گل کھلائیں گے اور ان کے اصول اور پیمانے کیا ہوں گے؟ دراصل یہ ہمارے سادہ لوح مصلحین کی مخصوص تکنیک ہے، انہیں چونکہ "روح اسلام" کو سامنے رکھ کر "آزاد اجتہاد" کی دعوت دینا ہے اس لیے وہ پہلے مرحلے پر ان تمام اصول و ضوابط سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں جو "آزاد اجتہاد" کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ جب علم عقائد و کلام غلط اور متکلمین کے ارشادات "یونانی فلسفہ کی شاخ" قرار پائیں گے تو آپ کسی مسئلہ میں ان کا حوالہ نہیں دے سکیں گے۔ جب تصوف اسلام، اسلام سے جداگانہ ایک چیز تصور کیا جائے گا تو مادیت کے طوفان میں اکابر اولیاء کا جنہیں صوفیاء کہتے ہیں، حوالہ بے کار ہوگا اور جب فقہ کا رشتہ اسلام سے کاٹ دیا گیا تو آپ "آزاد اجتہاد" کے استنباط شدہ نتائج کے مقابلہ میں یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ اس مسئلہ میں اسلام کا قانون (فقہ) تو یہ کہتا ہے، مسلمانوں کے اسلاف میں کیڑے نکالنا اور ان کے زریں کارناموں کو بھیانک شکل میں پیش کرنا ابلیس مغرب کا وہ تخریبی حربہ ہے جو انگریزی میں "اسلام کا مطالعہ" کرنے والوں

کو اسلام کے بارے میں متذبذب کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا اور اس کے بعد انہیں "آزاد اجتہاد" کے ذریعہ "اصلاح اسلام" کی پٹی پڑھائی گئی۔

☆فکر و نظر کا غلط زاویہ!

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کو حیرت در حیرت ہوگی جب آپ یہ دیکھیں گے کہ وہی قلم جو اسلام کے علم عقائد، علم تصوف و سلوک اور علم فقہ و قانون پر ماتم کناں نظر آتا ہے اسی کو ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلیت جدیدہ کے "فن کاروں" پر داد و تحسین کے پھول نچھاور کرنے میں وہ کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

"ہمارے نزدیک "فن کار" کا درجہ ایک مصلح سے کم نہیں۔ یہ بسا اوقات برش اور قلم کی ایک جنبش سے ایسے عجیب و غریب نقوش ابھار دیتا ہے جن سے قانون و آئین کی بے مایگی کا اندازہ ہوتا ہے اور ایک اچھے خاصے مہذب و شائستہ معاشرہ کی وہ بھیانک غلطیاں فکر و نظر کے سامنے آموجود ہوتی ہیں، عام حالات میں جن کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ایک مغنی شعلہ نوا اور مطرب جاں فزا دل میں طرب و انبساط کے بعض مرتبہ ایسے نازک گوشوں کو بیدار کرتا ہے جن کی بیداری سے زندگی کا پورا دبستان مہک اٹھتا ہے۔ فنکار کی نگاہ احتساب معاشرہ کے عیوب ہی کو تلاش نہیں کرتی بلکہ اس کے لیے مرہم اور مداوے کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ صرف تفریح اور خوشی کے موتی ہی نہیں بکھیرتی، زندگی کی تمام نشاط آفرینیوں میں اضافہ کا موجب بھی بنتی ہے۔ زندگی کو ولولہ تازہ بھی عطا کرتی ہے اور تہذیب و تمدن کو ادراک و احسان کے ان لطائف سے بھی مالا مال کرتی ہے جن کے بغیر زندگی غش اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ غرض فن ایک ایسی حسین طاقت ہے اور ایک حسین قوت ہے اور اصلاح و تعمیر کا ایسا اسلوب ہے جو بہر حال کارگر رہتا ہے۔" (اساسیات اسلام، ص 149)

یہ ہے فکر و نظر کا غلط زاویہ! جس سے اسلام کے مایہ ناز فرزند جن کی زندگی کا مشن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کو سمجھنا اور سمجھانا تھا، خطاوار اور مجرم نظر آتے ہیں اور مہذب دنیا کے اوباش "مصلح" قرار دیے جاتے ہیں:

"بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست"

"فنون لطیفہ" اگرچہ جاہلیت قدیمہ کی یادگار ہے مگر جدید جاہلیت نے ان بتان کہنہ کو ترقی یافتہ شکل دے کر ہواوہوس کے نئے صنم خانوں میں لا رکھا ہے اور آج کے روحانی واخلاقی اقدار سے محروم انسان نے "تفریح" کے نام پر ان کی پرستش کے نئے اسلوب وضع کیے ہیں۔ "اساسیات اسلام" کے مصنف سے تو توقع کی جاسکتی تھی کہ مبادی فواحش کے خلاف علم جہاد بلند کریں گے لیکن فنون لطیفہ پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے سینما، ٹیلی ویژن، تصویر سازی اور موسیقی کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، اس سلسلہ میں ان کے "اجتہادی استدلال" کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ان چیزوں کا رواج چل نکلا ہے، لہٰذا سائنس اور ٹیکنالوجی کے ان نتائج کو کسی بے جان فقہی بحث اور غیر موثر عدم جواز کے فتویٰ سے روکنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت دین کے حکیمانہ انداز فکر کا داعیہ یہ ہے کہ ہم اپنے اجتہاد کو حریت پسندانہ انداز استدلال سے نکال کر افادیت ودانش کے وسیع تر سانچے میں ڈھالیں اور یوں سوچیں کہ اگر عہد جاہلیت کی بجائے اسلام آج نازل ہوتا تو ان مسائل کو کیونکر سلجھایا جاتا۔ اگر فطرت گلے سڑے فضلات غذا کو دودھ جیسی سفید اور تر وتازہ غذا میں بدل دینے پر قادر ہے اور دوا ساز مہلک ومضر اشیاء سے حیاتین تیار کردینے پر قدرت رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک مجتہد اجتہاد وتخلیق کے اس عملیہ سے کام نہ لے۔" (اساسیات اسلام صفحہ 149 تا صفحہ 151 ملخصاً)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ "اساسیات" کے ان مباحث کو سپرد قلم کرتے وقت مصنف نے موسس اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کا مطالعہ کیوں ضروری نہیں سمجھا؟ یا "زمانہ سازی" کے خمار میں وہ حکیم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو...... خاکم بدہن...... کوئی اہمیت دینے کے لیے کیوں تیار نہیں؟ "ان چیزوں کا رواج چل نکلا ہے"۔ "یہ ہمارے معاشرے میں زبردستی گھس آئی ہیں" اور "اب ان کو روک دینا ممکن نہیں"۔ ایسے فقرے لکھنے سے پہلے انہیں اسلام کی نفسیات پر غور کرنا چاہیے تھا کہ اسلام مشرق ومغرب کی تہذیبوں سے ٹکرا کر تاریخ کے دھارے بدلنے کا عادی ہے؟ یا خود تاریخ کے

طوفانی ریلے میں بہہ جانے کا خوگر ہے؟ وہ ہر دور کی غلط روش کے خلاف سینہ تان کر کھڑا ہونے کی دعوت دیتا ہے؟ یا غلط تہذیب کے سانچے میں ڈھل جانے کی تلقین کرتا ہے؟ اسلام کو ایسے دوں ہمت، پست حوصلہ اور کوتاہ نظر لوگوں کی ضرورت نہیں جو جہاد زندگانی میں "تو بزمانہ بساز" کی کتاب کھول کر ناصحانہ وعظ کہنا شروع کر دیں۔ اسلام کو ایسے جوان ہمت، اولوالعزم، بلند نظر اور بہادر سپاہیوں کی ضرورت ہے جو روحانیت کی بھرپور ضرب سے، تاریخی جبریت اور مادی جدلیت کے سومنات کو مسمار کر ڈالیں۔ انسان کو لذت طلبی اور خواہش پرستی کے طلسم سے نکال کر اسے اعلیٰ قدروں سے آشنا کر دیں۔

☆جماعت المسلمین

مسعود احمد فرقہ غرباء اہلحدیث کا فرد تھا۔ وہ کوئی عالم بھی نہیں تھا۔ چند اردو کتابیں پڑھ کر ایک کتابچہ "تلاش حق" لکھا اور دوسرا رسالہ "التحقیق فی جواب التقلید" شائع کیا۔ ان میں اسلاف کے خلاف بدگمانی اور اکابر اہل اسلام پر بدزبانی میں خاص ریکارڈ قائم کیا۔ اہل حدیث فرقہ میں اس کی خوب عزت افزائی ہوئی۔

امام جماعت غرباء اہلحدیث مسعود احمد نے اہل حدیثوں کے فرقوں کی تفصیل لکھی ہے کہ ۲۵ سالوں میں یہ فرقہ ۹ فرقوں میں بٹ گیا۔

(۱) جماعت غرباء اہلحدیث ۱۳۱۳ھ۔

(۲) کانفرنس اہلحدیث ۱۳۲۶ھ۔

(۳) امیر شریعت صوبہ بہار ۱۳۳۹ھ۔

(۴) فرقہ ثنائیہ ۱۹۳۸ء۔

(۵) فرقہ حنفیہ عطائیہ ۳۰۔۱۹۲۹ء۔

(۶) فرقہ شریفیہ ۱۳۳۹ھ۔

(۷) فرقہ غزنویہ ۱۳۵۳ھ۔

(۸) جمعیت اہلحدیث ۱۳۷۰ھ۔
(۹) انتخاب مولانا محی الدین ۱۳۷۸ھ۔
(بحوالہ خطبہ امارت۔ صفحہ ۲۶)

۱۳۸۵ھ میں اس نے غرباء اہل حدیث کی ایک ضمنی جماعت بنائی۔ اور اسے جماعت المسلمین کا نام دیا۔ ۱۳۹۵ھ میں ان سے علیحدہ ہو کر کوثر نیازی کالونی نارتھ ناظم آباد کراچی میں مستقل فرقہ کا اعلان کر دیا۔ پھر اپنی ہی کتاب تلاش حق میں کانٹ چھانٹ کر کے خلاصہ تلاش حق کے نام سے کتاب تیار کی۔ فرقہ مسعودیہ جماعت المسلمین کے عقائد ملاحظہ ہوں۔

قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب ہے۔ یہ ایک خوشنما جملہ تو ضرور ہے مگر حقیقت کچھ بھی نہیں۔ نہ نماز کا طریقہ اس میں ہے نہ کسی اور عمل کا۔ اور پھر وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۲۶)

قرآن کا اسلام تو بڑا آسان ہے۔ دعا مانگ لو صلوٰۃ ادا ہو گئی۔ پاکیزگی اختیار کر لو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۳۲)

قرآن پاک میں عریانیت کا درس ہے۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۳۶)

قرآن پاک میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جس سے بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت کو بڑا دھکا لگتا ہے۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۴۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لوگوں کے حساب کا وقت آ گیا ہے اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اعراض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ حساب کا وقت قریب آ گیا ہے لیکن زمانہ شاہد ہے کہ تقریباً ایک ہزار چار سو سال گزر چکے۔ وقت حساب ابھی تک نہیں آیا۔ یہ کیسا قرب ہے۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۶۴)

قرآن پاک کی قطعیت پر تو قرآن کی آیات سے بھی چوٹ پڑتی ہے۔ (تفہیم الاسلام۔ صفحہ ۲۵۵)

وہ مسلم رہ کر بھی قرآن مجید کا انکار کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں۔

فرشتوں پر کتب سماوی پر اور رسولوں پر ایمان ہے۔لیکن یہ قرآن وہ قرآن نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔اس میں تحریف ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا جم غفیر اس تحریف پر ایمان رکھتا ہے۔اور قرآن کی عبارت بھی اس پر شاہد ہے۔(تفہیم الاسلام۔صفحہ ۲۶۹)

جماعت المسلمین الحمد للہ تقلید سے بالکل بیرا ہے۔ہم وہی کام کرتے ہیں جو سنت سے ثابت ہیں۔ ہمارے ہاں قیاس ورائے سے مسئلے نہیں بنتے لہٰذا ان شاء اللہ تقلید کا گذر نہیں ہو سکتا۔(جماعت المسلمین اور اہلحدیث۔صفحہ ۱۷)

خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے باوجود بھی آپ مسلم نہیں۔اس لئے کہ آپ شرک کرنے کے مرتکب ہیں کیونکہ آپ نے تقلید کو داخل فی الدین کیا ہے۔اس کو واجب قرار دیا ہے اس لئے آپ شرک کے مرتکب ہوئے۔(خلاصہ تلاش حق۔صفحہ ۱۳۶)

اگر سب (محدثین) نے مل کر کسی حدیث کو قرآن مجید کے خلاف نہیں سمجھا اور ہم ان کو قرآن مجید کے خلاف سمجھیں تو کیا یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے یا ان سب اگلے پچھلے محدثین کی سمجھ کا قصور ہے؟۔(تفہیم الاسلام۔صفحہ ۲۶۰)

☆ چوہدری رفیق صاحب کی جدیدیت

جدید متفکرہ ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کی تنظیم الہدیٰ انٹرنیشنل گلبرگ لاہور میں عورتوں کو عربی گرامر پڑھانے والے چوہدری رفیق صاحب جو اپنے نام کے ساتھ پروفیسر کا سابقہ لگاتے رہے۔ مودودی صاحب کی جدیدیت سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی پھر امین اصلاحی اور بعد میں غامدی وغیرہ کے چنگل میں جا پھنسے۔جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور سے مولانا کی غیر استحقاقی سند حاصل کر کے اس گندگی سے باہر نکلنے کا سوچا اور غامدی کے خلاف کتاب لکھ دی۔اب موصوف اس کھوکھلی سند کی وجہ سے پروفیسر کے ساتھ ساتھ مولانا کا سابقہ بھی لگاتے ہیں۔جو لوگوں کو صرف دھوکہ دینے کی خاطر ہے ورنہ موصوف اب بھی اسی جدیدیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے اپنی تحریر کے ذریعہ وہی

گندگی کو باہر پھیلا رہے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”فقہی مسلک کی حقیقت“ اسی کی آئینہ دار ہے۔ چوہدری صاحب کبھی پروفیسر رفیق کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ اب پروفیسر مولانا رفیق اور کبھی مولانا ابوذکی کے نام سے لکھ رہے ہیں۔

چوہدری صاحب اپنے جیسے آزاد خیال اکبر شاہ نجیب آبادی کی کتاب قول حق کے باب پنجم کے صفحہ 146 سے اپنی تائید کے لئے نقل کرتے ہیں۔

”صحابہ کرام کے زمانہ میں سینکڑوں مسائل ایسے تھے جن کے مختلف پہلوؤں پر لوگ الگ الگ عامل تھے...... وہ لوگ دینی مسائل میں اجتہادی اختلافات کے دونوں پہلوؤں کو حق جانتے اور دین کے معاملہ میں وسعت اور آسانی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس بات کو بہت ہی معیوب سمجھتے تھے کہ ایک پہلو کو اختیار کر کے اسی پر جم جائیں اور اس کے دوسرے جائز پہلو کو نا قابل عمل قرار دیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے زمانہ میں کوئی مذہبی فرقہ بندی نہ تھی۔ نہ ان کو آج کل کے لوگوں کی طرح تقلید کے واجب ہونے کی خبر تھی...... ان میں سے ہر شخص فقیہ تھا۔ لیکن ان کی فقہ نے اس طرح لوگوں کو لاتعداد مسائل کے جال میں نہیں جکڑا تھا۔ جس طرح بعد کے فقہاء ہزار ہا اصلاحات ایجاد کرنے کے بعد بال کی کھال نکال کر شریعت اسلام کو بڑی ہی ہیبت ناک اور نا قابل عمل چیز بنا دیا۔ اگر کوئی شخص صرف وضو یا صرف غسل یا صرف پانی کے مسائل سے واقف ہونا چاہے تو ہمارے فقہاء کی مہربانی سے اس کو کئی مہینے بلکہ کئی سال اسی ایک مسئلہ کی بحث و مطالعہ کرنے سے فرصت نہ ملے گی اور اس مطالعہ کے بعد بھی وہ شاید مشکل ہی سے کوئی ایک پختہ عقیدہ قائم کر سکے گا۔ تمام فقہی مسائل پر کما حقہ عبور حاصل کرنا تو انسان کی ایک پوری زندگی میں کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ عمل کرنے، مومن کامل بننے اور قرآن مجید میں تدبر کرنے کی مہلت نکالنے کا تو موقع کہاں؟ (فقہی مسلک کی حقیقت صفحہ ۳۵۔۳۶)

یہ اس بیسویں صدی کے مورخ کے خیالات ہیں جو چوہدری رفیق صاحب نے ترجمانی کے لئے پیش کئے ہیں۔ لیکن ہمیں ایسے گمراہ مورخ اور اس کی تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں جو اسلاف کے کردار کو مسخ کرے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جو علم دین اور علم دنیا دونوں سے بے بہرہ ہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو علوم عصریہ (سائنس۔ آرٹس وغیرہ) کے پیچھے دوڑ لگاتے ہیں۔ اور ان میں ماہر ہو کر بڑی بڑی نوکریاں بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ایمان اور اس کے تقاضوں سے بالکل نابلد ہوتے ہیں۔ ناواقفوں سے اسلام کی باتیں سنتے ہیں۔ پھر ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایمانیات کو سمجھنے کے لئے ایک گھنٹہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو دشمنان دین طرح طرح کی ملحدانہ باتیں سمجھا دیتے ہیں۔ کوئی تو وحدت ادیان کا قائل ہے۔ یعنی اپنی جہالت سے یہ سمجھتا ہے کہ تمام مذاہب کا مقصود ایک ہی ہے گو راستے الگ الگ ہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں جو مذہب بھی اختیار کر لے نجات پا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

بہت سے لوگ عیسائیوں اور یہودیوں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لیتے ہیں اور ڈگری بھی اسلامیات کی ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ یورپ اور امریکہ ان ڈگریوں کے لئے جاتے ہیں تو دشمنان دین ان کو اسلام پر اعتراض سمجھا دیتے ہیں۔ اسلامی عقائد کو ان کے دلوں میں مشکوک کر دیتے ہیں اور ان لوگوں نے ڈگریوں کے یہ دھندے نکالے ہی اس لئے ہیں کہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کے بارے میں شک کرنے والا بنا دیں۔ اور ان کے ایمان کو ان کے دلوں سے کھرچ دیں۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ فلاں چیز اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا منکر ہو جائے تو کافر نہ ہوگا۔ یہ ان کی جاہلانہ باتیں ہیں۔ بنیادی اور بے بنیادی کا فرق ملحدوں نے سمجھایا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا تو اللہ اور رسول کی ہر بات ماننا ضروری ہو گیا اور اسلامی عقائد میں داخل ہو گیا۔ بعض لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں کہ فلاں چیز قرآن میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ملحدوں اور زندیقوں نے چلائی ہے۔ اگر صاف صاف تصریح کے ساتھ کوئی چیز قرآن میں نہ ہو۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہو۔ جب بھی اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی ماننا اور آپ کی کسی بات کے

ماننے سے انکاری ہو گئے اور یہ بہانہ کر دیا کہ قرآن میں نہیں ہے۔ یہ بھی تو بے دینی کی بات ہے۔ اور جب آپ کی کسی بات کے صحیح ہونے میں شک کر لیا تو پھر آپ کے رسول ہونے پر کہاں یقین رہا۔

نئے دور کے تعلیم یافتہ نوجوان کالجوں میں پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ سے اسلامیات کی ڈگری لیتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں وارد شدہ بہت سی چیزوں میں شک کرتے ہیں۔ یا ان کا انکار کرتے ہیں اور خود کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔ جاہل رہتے ہوئے مسلمان رہتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ ایمان تو برقرار رہتا۔ ایسے علم کا ناس ہو جو خدا اور رسول کی باتوں میں شک پیدا کرے۔ ایمان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ اس کو ضائع نہ ہونے دو"۔

آگے جا کر موصوف اپنی کتاب فقہی مسلک کی حقیقت کے صفحہ نمبر ۴۶ پر لکھتے ہیں

"چاروں ائمہ مجتہدین کا علم۔ تقویٰ۔ بصیرت اور اجتہاد مسلم تھا۔ انہوں نے راہ حق میں بڑی عزیمت و استقامت دکھائی۔ ان کو لائق شاگرد ملے۔ جنہوں نے ان کی فقہ پھیلانے میں بڑا حصہ لیا۔ انہی اسباب سے ان کو امت مسلمہ کی اکثریت کا اعتماد اور قبول عام حاصل ہوا"

یہی چوہدری صاحب اپنی اس کتاب کے صفحہ ۴۸ پر امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۱۲۰ھ میں جب آپ کے استاد امام حمادؒ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کو ان کا جانشین بنا دیا۔ آپ اپنی وفات تک پورے تیس سال درس و تدریس اور افتاء (فتویٰ دینے) کا کام کرتے رہے اس عرصے میں آپ نے ساٹھ ہزار سے زیادہ قانونی مسائل کے جوابات دیئے اور جو آپ کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت رکھے گئے۔ امام ابوحنیفہؒ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے قریباً چالیس علماء پر مشتمل ایک علمی کونسل بنائی جس کے سربراہ آپ خود تھے۔ اس علمی کونسل نے نوے ہزار فتاویٰ اور آراء مرتب کیں جو ساتھ ساتھ تمام ملک میں پھیلتی جاتی تھیں۔

چوہدری صاحب کی ائمہ کے بارے میں رائے ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے مقلدین کے بارے میں رائے ملاحظہ ہو۔

موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر "مقلدین" کے عنوان سے گوہر فشانی کر رہے ہیں۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو مجتہدین اور فقہاء کے اجتہادات کو ان کے دلائل سمجھے بغیر مانتے اور ان پر اندھا اعتماد کرتے ہیں...... ان کا کام صرف اپنے امام اور اپنے مسلک کی تقلید کرنا ہے اور بس۔ اگر ان کے سامنے ان کے امام کی رائے یا ان کے مسلک کے فتوے کے خلاف قرآن وسنت کی نصوص اور واضح احکام بھی پیش کر دیے جائیں تو یہ لوگ ان کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے امام یا ہماری فقہ کے خلاف ہے۔ اور ہمارے امام قرآن وحدیث کو بخوبی جانتے تھے اور ہم سے بہتر جانتے تھے"

☆ اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے ائمہ حضرات جن کے تقویٰ اور علم کے موصوف خود بھی معترف ہیں وہ قرآن وحدیث کو ہم سے اور خاص طور پر معترض سے زیادہ جاننے والے تھے۔

ائمہ مجتہدین کا زمانہ ائمہ حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل سے پہلے کا ہے۔ ائمہ مجتہدین نے جن روایتوں سے استدلال کیا ان تک روایت پہنچنے کے واسطے میں کوئی ضعف نہیں تھا۔ بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ یا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے یا تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ۔ اور اب ان کے بعد کے زمانہ میں روایتوں کے واسطہ میں کوئی ضعیف راوی آ گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ روایت واقعتاً ضعیف ہے کیونکہ بعد کے ائمہ جرح وتعدیل کا قول متقدمین ائمہ مجتہدین پر حجت نہیں بن سکتا۔

امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں مشہور محدث یزید بن ہارون رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ کا زمانہ پایا اور ان سے حدیث لکھی۔ میں نے پانچ شیوخ سے زیادہ بڑا فقیہ۔ متقی اور عالم کوئی نہیں دیکھا۔ اور ان پانچ میں پہلے نمبر پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہے۔ اس لیے آپ کے شیوخ یا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یا تابعین رحمہم اللہ۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار اساتذہ سے حدیث حاصل کی۔ اور ایسے

اساتذہ وشیوخ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو بھی میسر نہیں آئے۔ اس سے امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "مناقب للامام الاعظم" میں لکھا ہے کہ ایک مجلس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام اعمشؒ دونوں موجود تھے۔ کسی نے مسئلہ پوچھا تو امام ابوحنیفہ نے جواب دیا۔ اس پر امام اعمشؒ نے کہا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام اعمشؒ سے سنی ہوئی پانچ احادیث مع سند بیان کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ بس کافی ہے۔ میں نے جو احادیث سو دن میں سنائی تھیں آپ نے ایک لمحہ میں سنا دیں۔ پھر فرمایا "یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين"۔

اے فقہاء کی جماعت! تم اطباء (یعنی علاج جانتے ہو۔ یعنی احادیث سے مسائل نکالنا جانتے ہو) اور ہم پنساری ہیں (جس کے پاس دواء کا خام مال ہوتا ہے۔ یعنی مسائل نہیں نکال سکتے) اور تم اے جوان (امام ابوحنیفہؒ) دونوں کے جامع ہو۔

چوہدری صاحب اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۱ پر "تقلید کی تعریف" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "فقہاء کرام نے تقلید کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ کسی شخص کے قول یا رائے کو اس کی دلیل سمجھے بغیر اختیار کر لینا۔"

چوہدری صاحب نے چونکہ اپنے نام کے ساتھ "مولانا" کا سابقہ دھوکہ دینے کی خاطر لگایا ہے۔ اگر انہوں نے باقاعدہ علم دین حاصل کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ تقلید کی یہ تعریف نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہوئے کہ ائمہ کرام کے پاس ان مسائل کے دلائل موجود تھے اس اعتماد پر ان کے قول کو اختیار کرنا تقلید ہے۔

چوہدری صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۵ پر لکھتے ہیں "بعد میں جب فقہی مسالک وجود میں آگئے اور لوگوں نے ائمہ مجتہدین...... مثلاً امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم کی تقلید کرنی شروع کر دی تو یہ تقلید شخصی بھی جائز ہوئی اور آج بھی جائز ہے۔ عام لوگوں کے فقہی مسائل میں ان اماموں کا مقلد ہونا کوئی عیب یا قابل ملامت چیز نہیں ہے بلکہ ایک درست

جائز اور صحیح بات ہے۔ البتہ اندھی اور جامد تقلید منع ہے۔

آپ چوہدری صاحب کی پریشان خیالی اور انتشارِ ذہنی ملاحظہ فرما چکے۔ اسی فکری انتشار کے مزید مظاہر بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔ موصوف کبھی تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں کبھی اس پر نشتر چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

چوہدری صاحب اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کے لیے کسی خاص امام یا فقہ کی رہبری واجب ہے کیونکہ جب اس نے اسے صحیح اور حق مان لیا تو اب اسے چاہیے کہ اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کرے۔ اسے تقلید شخصی بھی کہا جاتا ہے۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص حنفی مسلک رکھتا ہے تو اسے صرف حنفی فقہ کی پیروی کرنی چاہیے......اگر ایک امام یا فقہ کی پیروی لازمی نہ ہو اور عام لوگوں کو کسی وقت کسی بھی امام یا فقہ کی پیروی کی اجازت دے دی جائے تو وہ اس کے نتیجے میں خواہش پرستی اور اتباعِ نفس میں مبتلا ہو جائیں گے۔ وہ جس امام یا فقہ کا آسان اور سہل مسئلہ دیکھیں گے اسے اختیار کرنے لگ جائیں گے۔ اس طرح وہ شریعت کی اتباع اور پیروی کی بجائے اپنے نفس کی پیروی کریں گے جو کہ ممنوع ہے"

اس تقلید شخصی کا تجزیہ کرتے ہوئے چوہدری صاحب صفحہ ۱۰۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ جب ایک چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب اور ضروری قرار نہیں دیا تو کسی شخص کا اپنے لئے اس چیز کو ضروری اور واجب قرار دے لینا شریعت میں جائز نہیں......دوسری دلیل میں پہلی کمزوری یہ ہے کہ دین میں یہ امر پسندیدہ ہے کہ جب جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے تو جو اس میں سے آسان تر اور سہل تر ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔......مذکورہ دلیل میں دوسری کمزوری یہ ہے کہ جب ایک عام شخص دو مجتہدین یا فقہاء یا علماء میں سے کسی ایک کی رائے یا اجتہاد پر عمل کرتا ہے تو اسے خواہش پرستی کا نام کیوں دیا جائے؟ یہ خواہش پرستی کیسے ہو گی۔ کیونکہ جب ایک عامی دو اماموں یا دو فقہاء میں سے کسی ایک کے اجتہاد یا رائے کو معلوم کر کے اپنی ضرورت یا مصلحت کے تحت اس پر عمل کر رہا ہے تو وہ کسی امام یا فقیہ ہی کی پیروی کر رہا ہے۔

لیجیے چوہدری صاحب اپنے سابقہ ائمہ مودودی۔ اصلاحی اور غامدی کی طرح پھر بہک گئے اور چند سطور کے بعد ہی تقلید کی مخالفت اور مقلد کو مجتہد بنانے پر تل گئے ہیں۔ آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔ موصوف اپنے امام اور پیشوا کے بارے میں اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹ پر لکھتے ہیں "مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اس بارے میں اپنا مسلک یوں بیان کیا ہے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ ایک صاحب علم کو براہ راست کتاب وسنت سے حکم صحیح معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس تحقیق وتجسس میں علمائے سلف کی ماہرانہ آراء سے بھی مدد ضرور لینی چاہیے۔ نیز اختلافی مسائل میں اسے ہر تعصب سے پاک ہو کر کھلے دل سے تحقیق کرنی چاہیے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کس کا اجتہاد کتاب وسنت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جو چیز حق معلوم ہو اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ (بحوالہ رسائل ومسائل جلد اول صفحہ نمبر ۱۸۹)

چوہدری صاحب صفحہ نمبر ۱۲۵ پر لکھتے ہیں "حنفی مسلک رکھنے والوں کے لیے بھی ضرورت کے وقت کسی دوسری فقہ کے مطابق فتویٰ دینے اور اس پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ اور رد المحتار وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔"

سر پہ دستار رکھنے سے اگر علم منتقل ہو جاتا تو اساتذہ اور مدارس کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی۔ موصوف نے غیر استحقاقی مولانا (غیر استحقاقی اس لیے کہ چوہدری صاحب نے بریلوی حضرات سے سند حاصل کی جبکہ یہ شروع سے ان کے عقائد کے خلاف ہیں اور بریلوی حضرات ان کے امام مودودی۔ اصلاحی وغیرہ کے خلاف ہیں) کی سند کے ساتھ شاید علم کے حلول کا عقیدہ اپنایا ہے۔ ورنہ عام طالبعلم کو بھی معلوم ہے کہ مذکورہ بالا اصول مفتیان دین کے لیے ہے نہ کہ عامی مقلد کے لیے۔ جیسا کہ خود عبارت میں تصریح موجود ہے۔

مجتہدین یا فقہاء کی رائے میں موازنہ تو ان سے زیادہ علم والا ہی کر سکتا ہے۔ ایک عام آدمی کے لیے کیسے ممکن ہے جسے اصول اور فروع کا علم ہی نہ ہو۔ نہ ہی اجتہاد وقیاس کی تعریف کا پتا ہو۔ نہ جسے قرآن وسنت کی تعریف آتی ہو۔ وہ کیسے فرق کرے گا کہ فلاں مسئلہ قرآن وسنت کے زیادہ قریب

ہے۔ بسا اوقات محقق سے بھی خطاء سرزد ہو جاتی ہے۔ آج کے دور میں ایک جج کے سامنے قانون دانی کی سند حاصل کیے بغیر ایک عام آدمی کو بولنے کی اجازت نہیں۔ چہ جائیکہ وہ مختلف قوانین کا موازنہ شروع کر دے۔ امام بخاریؒ باوجود اتنے بڑے محدث ہونے کے امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ اور چوہدری صاحب قرآن و حدیث سے ناواقف ہونے کے باوجود ترک تقلید کے قائل ہیں۔

چوہدری صاحب نے اپنی کتاب فقہی مسالک کی حقیقت لکھنے کی غرض بیان کرتے ہوئے صفحہ 139 پر لکھا ہے "بعض ائمہ مسالک نے اپنے اپنے حالات کے مطابق کچھ آراء دی تھیں جن کی اندھی تقلید میں ان کو مستقل سمجھ لیا گیا۔ یا بعض اجتہادات ہی سرے سے قابل اعتراض تھے ان پر نظر ثانی کر کے ان میں ترمیم کرنے کی ہمت کسی نے نہیں کی۔"

اس کے بعد چوہدری صاحب نے چند ایسے مسائل درج کیے ہیں جن کے جوابات علماء دے چکے ہیں لیکن اصل اعتراض تو فقہ حنفی پر ہے۔ مودودی صاحب رسائل و مسائل میں الٹے سیدھے اور فرضی مسائل بنالیں اور اجتہاد کر لیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ جبکہ موصوف نے شروع کتاب میں مجتہد کی جو شرائط لکھی ہیں اس پر خود ان کے امام مودودی صاحب اور امین اصلاحی صاحب بھی پورے نہیں اترتے۔

چوہدری صاحب آگے صفحہ 147 پر لکھتے ہیں "خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص فقہی مسلک کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے لیے یہ بات ہرگز لازم نہیں ہو جاتی کہ اب وہ کسی صورت میں بھی اپنے مسلک کے خلاف کسی بھی مسئلے میں کسی اور فقہ پر عمل نہیں کر سکتا۔ یہ پابندی نہ تو کتاب اللہ نے لگائی ہے نہ سنت نبویؐ نے اس کا کوئی حکم دیا ہے نہ صحابہ کرام کے تعامل سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے نہ ائمہ مجتہدین نے ایسی کوئی رائے دی ہے اور نہ محقق علماء اور فقہاء نے ایسا کوئی فتویٰ جاری کیا ہے۔ بلکہ جب بھی کسی شخص کو کسی معاملے میں اپنے مسلک پر چلنے میں تنگی مشقت اور دشواری کا سامنا ہو تو اس کے لیے کسی دوسری فقہ پر جس میں اس معاملے میں آسانی اور سہولت موجود ہو عمل کر لینا چاہیے۔ ایسا کرنا بالکل جائز معقول، مسنون اور شریعت کے منشاء کے عین مطابق ہے"۔

کسی خاص فقہی مسلک کو اختیار کرنے کا فقہاء اور علماء ہی تو کہہ رہے ہیں۔اور اگر اس کے خلاف چلنا ہے تو پھر تقلید ہی کہاں۔

چوہدری صاحب اپنی پریشان خیالی اور انتشار ذہنی کی وجہ سے خود ہی بھول گئے کہ وہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۵ اور ۱۰۱ پر اس کے خلاف لکھ چکے ہیں۔ جدیدیت کے بھوت اور مولویت کے خوف نے انہیں اتنا بوکھلا دیا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ پہلے کیا لکھا تھا۔ آگے کیا لکھ رہے ہیں اور لکھنا کیا چاہتے ہیں۔ چوہدری صاحب اپنے تعصب کا اظہار صفحہ نمبر ۱۴۹ پر یوں کرتے ہیں "اندھی اور جامد تقلید کے فتنے نے اہل اسلام میں بے شمار خرابیوں کو جنم دیا۔ اس فتنے کی وجہ سے امت مسلمہ کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس سے مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ ان کی مرکزیت اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان میں باہم تعصب اور عناد پیدا ہو گیا۔ اکابر پرستی اور فرقہ پرستی کی لعنت کو فروغ حاصل ہوا۔ ان میں باہمی جنگ و جدال شروع ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگے۔ ان میں جاہل اور بے عمل علمائے سوء کی کثرت ہوگئی۔ جہالت اور گمراہی عام ہو گئی قرآن و سنت سے دوری ہوگئی"۔

چوہدری صاحب کو اپنے ان Remarks کی موجودگی میں جامعہ نظامیہ سے لی ہوئی مولانا کی سند واپس کر دینی چاہیے کیونکہ جامعہ نظامیہ والے ابھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اندھے مقلد ہیں۔ اور ایسی تقلید کی موجودگی میں بقول چوہدری صاحب کے جہالت اور گمراہی پھیلتی ہے۔ چوہدری صاحب کو زیب نہیں دیتا کہ وہ جہالت اور گمراہی کی سند لیے پھریں۔

چوہدری صاحب بزعم خویش جاہل اور بے عمل علماء سوء جن کی وجہ سے جہالت اور گمراہی پھیلی ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۶۶ پر چوہدری صاحب لکھتے ہیں ہر فرقے کے کٹر متعصب غالی اور اندھی اور جامد تقلید کے مرض میں مبتلا مولویوں نے دوسروں کو کافر کہنا شروع کر دیا...... سرسید احمد خان پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا گیا...... امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کو مولانا انور شاہ کشمیری نے اپنی عربی کتاب "مشکلات القرآن" میں گمراہ قرار دیا ہے۔ اور ان کی تفسیر "ترجمان القرآن" پڑھنے سے لوگوں کو منع فرمایا

ہے..... مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم جن کو 1953 کی تحریک ختم نبوت میں ایک فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ جو ان 31 علماء کرام میں شامل تھے جنھوں نے اسلامی دستور کے لیے 22 نکات مرتب کیے تھے۔ اور جنھوں نے اسلام پر اپنی 75 سے زیادہ عمدہ تصانیف کے علاوہ شہرہ آفاق تفسیر "تفہیم القرآن" کے نام سے 6 جلدوں میں لکھی ہے اور نہ جانے کیا کیا کہا تھا۔ تبلیغی جماعت کی ایک بہت بڑی علمی وروحانی شخصیت حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا مدنی کی مرحوم نے جماعت اسلامی کے پہلے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف فتنہ مودودیت کے نام سے کتاب لکھی تھی یہ کتاب آج بھی رائے ونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماعات کے موقع پر وہاں فروخت ہوتی ہے۔ شاید یہ بھی تبلیغ کے نبوی طریق کار اور اکرام مسلم کا تقاضا ہے کہ اپنے مذہبی حلقے سے باہر دین کا کام کرنے والوں کو "فتنہ" قرار دیا جائے اور خود صحیح اور ضعیف ہر قسم کی رطب ویابس روایات اکٹھی کر کے اپنے پیروکاروں کے ہاتھوں میں ایک ایسا عجمی اردو قرآن تھما دیا جائے۔ جس کی وہ دن رات تلاوت کرتے رہیں اور اللہ کی کتاب کے فہم سے ان کو غافل کر دیا جائے۔ پھر اس خود ساختہ "وحی" کا نام کبھی "تبلیغی نصاب" رکھا جائے اور کبھی "فضائل اعمال"۔

چوہدری صاحب کی جہالت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی طرف وہ بات منسوب کر دی جو انہوں نے نہیں کی۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ چوہدری صاحب قیامت تک یہ بات علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کے حوالے سے ثابت نہیں کر سکتے۔ یہ نتیجہ ہے علماء دشمنی اور بغض کی انتہا کا۔ عقیدت ایسی ہونی چاہیے کہ عقیدہ خراب نہ ہو۔ چوہدری صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ سرسید کے عقائد کیا تھے؟ یا وہ ان سے تغافل مجرمانہ برت رہے ہیں۔ مودودی صاحب نے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کو تاریخی واقعات کی اوٹ میں رکھ دیا۔ شنید ہے کہ چوہدری صاحب کے ممدوح مودودی صاحب نے تحریک ختم نبوت کے بارے میں معافی مانگ کر اپنی پھانسی کی سزا معاف کروائی تھی۔

مودودی صاحب کی اسلام پر تصانیف اور تفسیر "تفہیم القرآن" کے بارے میں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مودودی صاحب نے اسلام کی بزرگ ترین

ہستیوں مثلاً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ کو (معاذ اللہ) اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ حضرت آدم ۔ حضرت موسیٰ ۔ حضرت داؤد۔ حضرت یونس اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں انہوں نے جو نازیبا کلمات اور نظریات پیش کئے ہیں وہ ان کی مایہ ناز تفسیر "تفہیم القرآن" میں موجود ہیں۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اپنے دیگر مضامین کے علاوہ "خلافت و ملوکیت" میں جو کچھ کہا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات سلجھے ہوئے انداز میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ کی پوری جماعت پاکستان بھر میں سو سال تک حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے وہ اعتماد نہ اٹھا سکتی تھی جو تنہا مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں اٹھا کر اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا ہے تو بے جا نہ ہوگا"۔ (مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ اور ان کے چند دیگر غلط نظریات۔ صفحہ ۳۔۴)

رہا چوہدری صاحب کا فتنہ مودودیت کا اعتراض جو حضرت مولانا ذکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ امت مسلمہ نے انہیں یونہی تو شیخ الحدیث کا لقب نہیں دیا تھا۔ قارئین کو چاہیے کہ مودودی صاحب کے بارے میں کتاب کا مطالعہ فرمالیں پھر انصاف کرلیں کہ یہ صاحب امت کے لئے فتنہ تھے یا نہیں۔

چوہدری صاحب کی علمی بے بضاعتی کو ملاحظہ فرمایئے کہ انہیں یہ ہی معلوم نہیں کہ فتنہ مودودیت اصلاً کوئی کتاب نہیں تھی بلکہ یہ حضرت شیخ الحدیث کا ایک خط تھا جو بعد کے ناشرین نے کتاب کی صورت میں شائع کردیا۔ اس میں حضرت شیخ الحدیث کا کیا قصور ہے؟۔ لیکن چوہدری صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ؎ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

کے تحت اس کتاب کا یہ نام بالکل صحیح ثابت ہوا۔ مودودی صاحب پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ اسے یہاں دوبارہ نقل کرنا وقت کا ضیاع ہے۔

چوہدری صاحب کے بغض کی انتہاء دیکھیے وہ اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر چند سطر بعد لکھتے ہیں "دیوبند کے شیخ العرب والعجم والعالمین مولانا حسین احمد مدنی نے نظریہ قومیت کے بارے میں اپنے ایک

مضمون میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو "ٹٹ پونجیا" کے لقب سے نوازا تھا۔ اور اس پر کوئی شرم محسوس نہیں کی تھی۔ انہی مدنی صاحب مرحوم کے ایک شاگرد رشید مولانا غلام غوث ہزاروی ہوا کرتے تھے جو مولانا مودودی کو "منشی مودودی" کہتے تھے۔ عام مذہبی جلسوں میں ان کو گمراہ کہتے۔ ان پر جھوٹے الزامات لگاتے اور ان پر سب و شتم کیا کرتے تھے"۔

چوہدری صاحب کی جہالت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کا شاگرد بنا دیا حالانکہ ان کا حضرت مدنیؒ سے تلمذ نہیں ہے۔ بلکہ وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔

چوہدری صاحب اگر موچی گیٹ لاہور کے جلسوں میں شامل رہے ہوتے تو "ٹٹ پونجیے" کی اصطلاح سمجھ آجاتی۔ مولانا ہزاروی کہتے تھے کہ مودودی میرے سامنے عربی کتاب کا ایک صفحہ بھی بغیر غلطی کئے نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا علم کے اعتبار سے ٹٹ پونجیے ہی تھے۔

چوہدری صاحب ہی اپنے امام مودودی کے بارے میں بتائیں کہ کس مدرسہ میں کب داخلہ لیا اور کہاں سے فراغت حاصل کی۔

چوہدری نیاز علی پولیس آفیسر نے پٹھانکوٹ میں ایک جگہ وقف کی جہاں ادارہ دارالاسلام بنایا گیا۔ اس میں محمد اسد نامی صاحب بھی تھے جنہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن کیا۔ وہاں مودودی صاحب کو بطور جرنلسٹ لکھا گیا تھا۔ اس لئے انہیں منشی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مودودی صاحب کا مزید تعارف حضرت بنوری رحمہ اللہ کے حوالہ سے اسی کتاب کے صفحہ 73 پر مودودی صاحب کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

چوہدری صاحب نے اپنی کتاب "فقہی مسلک کی حقیقت" کے صفحہ 180 پر آج تک لکھے جانے والے تمام فتاویٰ کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ متقدمین میں سے کسی کا طریقہ بھی ان کے طریقہ کے مطابق نہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں:

"ہمارے ملک پاکستان کے ہر شہر کے دینی مدارس میں دارالافتاء موجود ہیں جہاں روزانہ سینکڑوں

سوالات اور استفتاء آتے ہیں جن کے جوابات اور فتوے لکھے جاتے ہیں۔ ان فتووں کی عبارتوں میں شاذ و نادر ہی قرآن کی کسی آیت یا حدیث نبوی کا حوالہ ہوتا ہے۔ عام طور پر اپنے مسلک کی چند فقہی کتابیں مثلاً قدوری، ہدایہ، قاضی خان، عالمگیری اور شامی وغیرہ کا حوالہ دے کر فتویٰ لکھ دیا جاتا ہے کہ کذا فی الھدایہ و کذا فی الشامی۔ کیونکہ اب ان کتابوں کو قرآن و حدیث کا مقام و مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ فتویٰ لکھنے کے مذکورہ طریقے کو بھی اندھی اور جامد تقلید کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔"

افسوس چوہدری صاحب خود بھی اسی اندھی اور جامد تقلید کے جال میں پھنس کر انہی حضرات سے اپنے مولانا ہونے کھوکھلی کی تصدیق کروا چکے ہیں۔ اگرچہ یہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہی تھی۔ کیا موصوف کی غیر مقلدیت اور جدیدیت کے اصول یہاں ہوا ہو گئے۔ دنیا کو دکھانے کے لئے جو کاغذی سند حاصل کی ہے اس میں انہی حضرات کو اپنا استاد اور محسن بھی مانا ہے۔

چوہدری صاحب اپنی جہالت اور گمراہی کے آئینے میں مسلمانوں کے لیے کیا دیکھ رہے ہیں انہی کی کتاب کے صفحہ 186 پر ملاحظہ ہو۔ "اندھی اور جامد تقلید کے نتیجے میں عام مسلمانوں میں جہالت اور گمراہی کثرت سے پھیل گئی۔ چونکہ سارا دارومدار کسی خاص امام کی پیروی اور کسی مخصوص فقہ کی کتابوں پر تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر لوگوں کی توجہ قرآن و سنت سے ہٹنے لگی۔ ان کے دلوں میں کتاب و سنت کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی اور اس طرح قرآن و سنت سے دوری پیدا ہو گئی۔ جو مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی۔ ظاہر ہے جہاں قرآن و حدیث سے دوری ہو گی وہاں جہالت اور گمراہی نہیں آئے گی تو اور کیا آئے گا"۔

ان کور چشموں کی چیرہ دستیوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ انہوں نے فقہ کی کسی کتاب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ صرف سنی سنائی باتوں کو اندھا دھند نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ کاش چوہدری صاحب صرف ہدایہ ہی کو چشم بصیرت سے پڑھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ صاحب ہدایہ پہلے قرآن و حدیث پیش کرتے ہیں پھر عقلی دلیل دیتے ہیں۔ جس سے فطری طور پر قرآن و سنت سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے نہ کہ بے توجہی۔

چوہدری صاحب اپنی جہالت ثابت کرنے کے لیے چند سطور آگے لکھتے ہیں۔

"خود ہمارے علماء کا طبقہ بھی ان اثرات بد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کا کچھ اندازہ آپ مروجہ دینی نصاب "درس نظامی" پر ایک نظر ڈالنے سے بھی کر سکتے ہیں۔ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس آٹھ دس سالہ مذہبی کورس میں سب سے کم دورانیہ۔ سب سے کم توجہ اور سب سے کم اہمیت قرآن وحدیث کو دی گئی ہے۔ سارا زور فقہ، منطق، فلسفے اور صرف ونحو پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ماحول اور ایسی ذہنی فضا میں تیار ہو کر فارغ التحصیل ہونے والے علماء جب افتاء کی مسند پر بیٹھتے ہیں تو وہ مسائل اور استفتاء کے جواب میں قرآن وحدیث کے حوالے کہاں سے دیں گے؟ ان کا سارا سرمایہ اور پونجی تو اپنی فقہ کی وہ چند کتب ہیں۔ جن کی عبارتیں نقل کر کے اسلامی شریعت کی ترجمانی کر دی جاتی ہے"۔

چوہدری صاحب نے سب کچھ معلوم ہونے کے بعد ان اثرات بد کو صرف اپنی ظاہری شہرت کے لیے قبول کیا تا کہ لوگ دھوکہ سے ان کی کتابیں خرید کر گمراہ ہو سکیں۔ باقی رہا ان کی علمیت یا جہالت کا گراف تو وہ کسی مدرسہ کے ابتدائی طالب علم کے سامنے بیٹھ کر موصوف خود تیار کر سکتے ہیں۔ جس سے انہیں بخوبی علم ہو جائے گا کہ جدیدیت کی اس راہ میں اسلاف کے طریقے سے انحراف کا نتیجہ دنیا وآخرت میں رسوائی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایک عام مستفتی کو بھلا کیسے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیت کے اشارۃ النص یا عبارۃ النص سے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ ایسے ہی حدیث کے راویوں کی جرح وتعدیل اسماء الرجال کی کتب میں کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

چوہدری صاحب نے ایک اعتراض مدارس کے نصاب پر کیا ہے۔ کافی عرصہ سے متجددین بھی یہی اعتراض کر رہے ہیں۔ جو بالکل درست نہیں۔ کیونکہ درس نظامی میں پہلے سال کے علاوہ تمام سالوں میں حدیث کی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھائی جاتی ہے۔

ثانیہ میں زاد الطالبین۔ ثالثہ اور رابعہ میں ریاض الصالحین۔ خامسہ میں آثار السنن۔ سادسہ میں مسند الامام الاعظم۔ سابعہ میں مشکوٰۃ المصابیح۔ اور آخری سال میں صحاح ستہ۔ موطئین۔ اور شرح معانی الآثار پڑھائی جاتی ہیں۔ نیز قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے بتدریج

ان میں مہارت پیدا کروائی جاتی ہے۔(اس کی تفصیل صفحہ 454 پر موجود ہے)
اس کے بعد اب کوئی کور چشم ہی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ درس نظامی میں سب سے کم توجہ حدیث پر دی جاتی ہے۔

☆ تلفیق

چوہدری صاحب فقہی مسلک کی حقیقت کے صفحہ 147 پر لکھتے ہیں۔ ”خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص مسلک کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے لیے یہ بات ہرگز لازم نہیں ہو جاتی کہ اب وہ کسی صورت میں بھی اپنے مسلک کے خلاف کسی بھی مسئلے میں کسی اور فقہ پر عمل نہیں کرسکتا۔ یہ پابندی نہ تو کتاب اللہ نے لگائی ہے اور نہ سنت نبوی نے اس کا کوئی حکم دیا ہے۔ نہ صحابہ کے تعامل سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ نہ ائمہ مجتہدین نے ایسی کوئی رائے دی ہے۔ نہ محقق علماء اور فقہاء نے ویسا کوئی فتویٰ جاری کیا ہے۔ بلکہ جب بھی کسی معاملے میں اپنے مسلک پر چلنے میں تنگی۔ مشقت اور دشواری کا سامنا ہو تو اس کے لیے کسی دوسری فقہ پر جس میں اس معاملے میں آسانی اور سہولت موجود ہو عمل کر لینا چاہیے۔ ایسا کرنا بالکل جائز۔ معقول۔ مسنون اور شریعت کے منشاء کے عین مطابق ہے۔ اصطلاح میں اسے تلفیق کہتے ہیں۔ اور ہر فقہی مسلک کے تمام بڑے بڑے فقہاء اور مجتہدین نے اس کی اجازت دی ہے“۔

چوہدری صاحب اسی کتاب کے صفحہ 124 پر لکھتے ہیں۔ ”تلفیق کے معنی ”دو چیزوں کو ملانے“ کے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجتہادی مسئلے میں کسی مقلد کا اپنی فقہ چھوڑ کر دوسری فقہ کے مسلک کو اختیار کرنا تلفیق کہلاتا ہے۔ اور اسے انتقال مذہب بھی کہا جاتا ہے“۔

چوہدری صاحب اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔ ”جمہور فقہاء کرام نے ضرورت اور حاجت کے تحت کسی تنگی اور دشواری سے بچنے کی خاطر کسی دوسرے مسلک کے مسئلے یا کسی دوسرے امام کی رائے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے“۔

چوہدری صاحب اپنی کتاب کے اگلے صفحہ 125 پر لکھتے ہیں۔ ”فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں تلفیق

کو جائز قرار دیا گیا ہے اور حنفی مسلک رکھنے والوں کے لیے بھی ضرورت کے وقت کسی دوسری فقہ کے مطابق فتویٰ دینے اور اس پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ "فتاویٰ عالمگیریہ" اور "ردالمحتار" وغیرہ میں صراحت موجود ہے"۔

چوہدری صاحب فقہی مسلک کی حقیقت کے صفحہ 136 پر لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ عام آدمی کے لیے یہ پابندی نہیں کہ وہ ضرور کسی ایک فقہ کے مسئلے کی پابندی کرے"۔ آگے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد صفحہ 8 1 اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت فیوضہم کی کتاب تقلید کی شرعی حیثیت صفحہ 141-140 کا حوالہ دیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی بعض حالات میں دوسری فقہ کا مسئلہ سخت ضرورت کے تحت لیا جا سکتا ہے۔

ہم اسے چوہدری صاحب کے حسن فہم پر قیاس کریں یا دیانت کشی پر محمول کریں انہوں نے یہ بتانا گوارہ نہیں کیا کہ یہ صرف مفتیان اور فقہاء کے لیے ہے نہ کہ عام مقلد کے لیے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ "ووجهه (ای وجه وجوب التقليد لمعین) انه لو جاز اتباع أی مذهب شاء لأفضى الى ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز .... الخ"۔ (المجموع شرح المهذب ۔ جلد ا ۔ صفحہ ۵۵) یعنی کسی معین امام کی تقلید کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ اگر عام آدمی کو جس مذہب کی چاہے اتباع جائز ہو تو یہ ایسے شخص کے لیے اپنی خواہش نفس کی اتباع میں مختلف مذاہب کی رخصتیں تلاش کر کے ان پر عمل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور اسے حلال و حرام ۔ وجوب و جواز کے درمیان اختیار ہوگا۔ اور یہ چیز شریعت کے بجائے نفس کی حاکمیت ماننے کا ذریعہ ہوگی۔ اس بناء پر اسے کسی ایک متعین امام کی تقلید لازم ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں۔ "فی وقت يقلدون من يفسد النكاح وفی وقت يقلدون من يصحح بحسب الغرض والهوى ۔ ومثل هذا لايجوز باتفاق الائمة"۔

یعنی اگر تقلید کو ضروری قرار نہ دیا جائے تو لوگ کبھی اپنی غرض و خواہش نفس کے مطابق اس کی تقلید کریں گے جو نکاح کو فاسد قرار دے ، اور کبھی اس کی تقلید کریں گے جو اسے صحیح قرار دے اور یہ طریقہ ائمہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے رد المحتار جلد ۴ صفحہ ۸۰ پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک محدث کے ہاں لڑکی کے لئے پیغام بھیجا۔ محدث نے کہا کہ اس شرط پر لڑکی دیتا ہوں کہ رفع الیدین اور آمین بالجہر کرو گے ، اس نے شرط منظور کر لی اور نکاح ہو گیا۔ جب یہ واقعہ ایک دوسرے عالم کو بتایا گیا تو انہوں نے افسوس سے تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ مجھے موت کے وقت اس شخص کا ایمان جاتے رہنے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ جس چیز کو وہ دین اور سنت سمجھ کر کر رہا تھا اسے کسی دلیل کے بغیر محض ایک دنیاوی چیز کے حصول کے لیے چھوڑ دیا۔

چوہدری صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ 137 پر اپنے امام مودودی صاحب کا مسلک تحریر فرماتے ہیں ، "میرا مسلک یہ ہے کہ ایک صاحب علم آدمی کو براہ راست کتاب و سنت سے حکم صحیح معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس تحقیق و تجسس میں علماء سلف کی ماہرانہ آراء سے بھی مدد لینی چاہیے۔ نیز اختلافی مسائل میں اسے ہر تعصب سے پاک ہو کر کھلے دل سے تحقیق کرنی چاہیے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کس کا اجتہاد کتاب و سنت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جو چیز حق معلوم ہو اس کی پیروی کرنی چاہیے"۔ (بحوالہ رسائل و مسائل مولانا مودودی جلد اول صفحہ 189)

"میرے نزدیک ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال صرف اس صورت میں گناہ ہے جب کہ یہ فعل خواہش نفس کی بناء پر ہو نہ کہ تحقیق کی بناء پر"۔ (بحوالہ رسائل و مسائل صفحہ 244)

چوہدری صاحب فقہی مسلک کی حقیقت میں تقلید کے خلاف ہی زہر اگلتے رہے ہیں۔ لیکن صفحہ 185 پر اکابرین امت کے بارے میں اپنا بغض یوں نکال رہے ہیں کہ حضرت شیخ الہند بھی تقلید کی لپیٹ میں آ گئے۔ مفتی شفیع صاحب تقلید جامد اور اکابر پرستی کے برے اثرات سے نہ بچ سکے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب بھی تقلید جامد سے بچ سکے۔

چوہدری صاحب نے تقلید جامد کی بیڑیاں توڑنے والوں میں مفتی تقی عثمانی صاحب کا ذکر بھی کیا ہے اور اب ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں کہ وہ بھی تقلید جامد سے متاثر ہیں۔ اگر وہ تقلید جامد سے روکتے ہیں تو وہ کیسے اس کے اثرات سے متاثر ہو گئے۔ شاید تقلید جامد کے بھوت نے چوہدری صاحب کو زیادہ ہی حواس باختہ کر دیا ہے کہ انہیں کچھ سوجھ ہی نہیں رہا۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا   کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

☆طلاق

چوہدری صاحب کو بھی اپنے جدیدیت زدہ اسلاف کی طرح مسلمانوں کے متفقہ فقہی مسائل کو اجماع کے خلاف بیان کرنے کا شوق چرایا ہے۔

چنانچہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ 205 پر لکھتے ہیں ”ائمہ اربعہ سے جن فقہی مسائل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کا مسئلہ ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین بار یہ الفاظ کہہ دے کہ تجھے طلاق۔ طلاق۔ طلاق تو اس سے عورت پر تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ جس کے بعد وہ بیوی اس شوہر کے لیے حلال نہیں رہی۔ لیکن اہل ظاہر کے فقہاء و مجتہدین اور محدثین کی ایک جماعت (اہل حدیث) کے نزدیک ایسا کہنے سے اس عورت پر صرف ایک طلاق۔ طلاق رجعی واقع ہوگی اور خاوند کو بعد میں رجوع کا حق حاصل رہے گا“ (موصوف کے نزدیک اہل ظاہر کے فقہاء و مجتہدین سے مراد ابن حزم ظاہری۔ ابن تیمیہ۔ ابن قیم اور شوکانی وغیرہ ہیں۔ جس کا ذکر وہ گذشتہ صفحہ پر کر چکے ہیں)

ایک مجلس میں تین طلاق کے بارے میں چودہ صدیوں سے جو بات تواتر سے چلی آرہی ہے وہ یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہو گئیں۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی حکم صادر فرمایا۔ اب موصوف اسے رجعی قرار دے کر لوگوں کو زنا کا مرتکب کیوں کرتے ہیں۔ کیا موصوف صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ جبکہ سعودی عرب کی مجلس تحقیق نے کئی سو صفحات پر فتویٰ شائع کیا تھا کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاق۔ تین ہی شمار ہو گئیں۔ یہ فتویٰ عربی زبان میں خیر الفتاوی میں چھپ

چکا ہے۔اس مسئلہ کی تفصیل اسی کتاب میں طلاق ثلاثہ کے عنوان سے صفحہ 332 پر ملاحظہ فرمالیں۔

☆تفصیل مسئلہ تملیک زکوٰۃ

چوہدری صاحب نے اپنے پیش رو مودودی صاحب کا ذکر کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط نہیں مانتے تھے اسی طرح ان کے دوسرے روحانی استاد امین احسن اصلاحی صاحب بھی تدبر القرآن میں سورۃ توبہ کی آیت نمبر 60 کے تحت زکوٰۃ کی تملیک کی شرط کے خلاف ہیں۔

جماعت اسلامی کے سابقہ امیر امین احسن اصلاحی صاحب نے "ترجمان القرآن" ذی الحجہ 1374 صفحہ نمبر 98 - 399 پر بڑی شدومد سے ثابت کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کی تملیک کی شرط فقہاء کی اختراع ہے جس کے لیے کوئی نص شرعی موجود نہیں۔مودودی صاحب اور اصلاحی صاحب اور ان کے پیروکاروں کے اعتراضات کا مدلل جواب ندوۃ العلماء کے مولانا شفیق قاسمی صاحب کی کتاب زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک میں تفصیل موجود ہے۔جس میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان کا رسالہ بھی شامل ہے۔

دور نبوت سے لے کر آج تک زکوٰۃ فقراء ومساکین میں تقسیم کی جاتی ہے۔انہیں مال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جاتا ہے۔اسی کا نام فقہاء کے نزدیک "تملیک فقیر" ہے جسے تمام مسالک کے فقہاء نے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن یا شرط قرار دیا ہے۔علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی 578ھ بدائع الصنائع صفحہ نمبر 29 ج2 میں لکھتے ہیں۔

"زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالہ کیا جائے اس طور سے کہ مال کا مالک فقیر یا اس کے نائب یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے کر اس مال سے بالکل دست کش ہو جائے۔فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالہ کرنے میں صاحب مال اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔اور وہی صدقات لیتا ہے۔...... اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔زکوٰۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمٰن کے ہاتھ

میں جاتی ہے۔..... اللہ تعالیٰ نے مالکین اموال کو ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے آتوا الزکوٰۃ (اور زکوٰۃ دو) اور ایتاء (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انما الصدقات للفقراء" والی آیت میں زکوٰۃ کو "صدقہ" کا نام دیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے..... اور اس لیے کہ زکوٰۃ ہماری اصل کو کلیتہً اللہ کے لیے کر دینا۔ زکوٰۃ میں یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب فقیر کے حوالہ کرنے بعد زکوٰۃ کے بقدر مال کی نسبت زکوٰۃ بندہ سے کلیتہً منقطع ہو جائے اور وہ خالص اللہ کے لیے ہو جائے۔ زکوٰۃ میں قربت کا مفہوم ان کی ملکیت ختم کر کے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہے نہ کہ فقیر کو مالک بنانے میں۔ بلکہ فقیر کو مالک بنانا دراصل اللہ کو مالک بنانا دراصل اللہ کی جانب سے ہے اور صاحب مال اللہ تعالیٰ کی جانب سے نائب ہے"

فقہاء شافعیہ کے شیخ ابو اسحاق شیرازی "المھذب" صفحہ 231 جلد 1 میں لکھتے ہیں۔

"تمام صدقات کو آٹھ اصناف پر صرف کرنا واجب ہے..... اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے انما الصدقات للفقراء..... اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ اصناف کی طرف کی گئی ہے اور شرکت پر دلالت کرنے والے "واؤ" کے ذریعہ انہیں شریک بنایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ان آٹھ اصناف کی ملکیت اور ان کے درمیان مشترک ہے۔

امام نووی شافعیؒ متوفی 676ھ المجموع شرح المھذب صفحہ 146 ج 6 طبع جدہ "فی الرقاب" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"امام شافعی اور ان کے شاگردوں نے فرمایا "فی الرقاب" کا حصہ مکاتب غلاموں پر خرچ کیا جائے گا۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں..... ہمارے فقہاء نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول (فی الرقاب) اللہ تعالیٰ کے قول (فی سبیل اللہ) کی طرح ہے اور (و فی سبیل اللہ) میں مجاہدین کو دینا واجب ہے اسی طرح یہاں (رقاب) کو دینا واجب ہوگا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس حصہ سے غلام خرید لیے جائیں تو یہ تو غلاموں کو دینا ہوا، بلکہ ان کے مالکوں کو دینا ہوا نیز تمام اصناف میں ضروری ہے کہ (سہم) حصہ مستحق کے حوالہ کر دیا جائے اور اسے

مالک بنادیا جائے۔ لہذا یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے کیونکہ شریعت نے "رقاب" کے لیے ایسی قید نہیں لگائی ہے جو دوسرے مصارف سے مختلف ہو"۔

شمس الدین مقدسی حنبلی (محمد بن مفلح متوفی 763ھ) کتاب الفروع صفحہ 619 ج2 میں لکھتے ہیں "زکوۃ نکالنے میں یہ شرط ہے کہ جسے زکوۃ دی جائے اسے مالک بنادیا جائے۔ لہذا یہ جائز نہ ہوگا کہ زکوۃ سے فقراء و مساکین کو صبح وشام کھانا کھلا دیا جائے۔ زکوۃ سے میت کے اس قرض کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جو قرض اپنی یا دوسرے کی مصلحت کے لیے میت نے (اپنی زندگی میں لیا ہو) یہ بات ابوعبید اور ابن عبدالبر نے نقل کی ہے۔ کیونکہ میت میں صدقہ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ اسی طرح زکوۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں ہے۔

ابن مفلح نے کتاب الفروع صفحہ 570 جلد 2 میں لکھا ہے کہ فقیر کے مالک ہونے اور زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ فقیر اس پر قبضہ کرلے۔ قبضہ کرنے سے پہلے اس مال میں فقیر کا تصرف صحیح نہیں ہے۔

علامہ بہوتی حنبلی (منصور بن یونس ادریس متوفی 1046ھ) کشاف القناع عن معن الاقناع صفحہ 269-268 جلد 2 پر لکھتے ہیں زکوۃ پر فقیر کی ملکیت کے لیے اور صاحب مال کی زکوۃ ادا ہونے کے لیے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے لہذا زکوۃ کے مال سے فقراء کو صبح وشام کا کھانا کھلا دینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ "ایتاء" (دینا) نہیں ہے۔ اور نہ ہی زکوۃ سے کسی میت کا قرض ادا کیا جائے گا۔ خواہ میت نے اپنی مصلحت کے لیے وہ قرض لیا ہو یا دوسروں کی مصلحت کے لیے۔ یہ بات ابوعبید اور ابن عبدالبر نے اجماع کی صورت میں نقل کی ہے۔ کیونکہ میت میں زکوۃ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ جس طرح اگر صاحب مال زکوۃ سے میت کی تکفین کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوتی ...... فقیر اور دوسرے مستحقین زکوۃ کا مال زکوۃ میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مستحقین زکوۃ قبضہ کرنے کے بعد ہی مال زکوۃ کے مالک بنتے ہیں۔

علامہ احمد بن محمد منصور اسکندری مالکی (متوفی 683ھ) معروف بہ ابن المنیر اپنی تصنیف

الانتصاف من الاکشاف (حاشیہ تفسیر کشاف) صفحہ 158۔159 جلد دوم میں آخری چار مصارف زکوٰۃ پر "لام" کے بجائے (فی) داخل کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "پھر یہاں ایک اور راز ہے وہ زیادہ قوی اور قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ پہلے چار اصناف اس مال کے مالک بن جاتے ہیں جو انہیں دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ مالکانہ طور پر اس مال کو لیتے ہیں اور آخر کے چار اصناف دیئے ہوئے مال کے پورے طور پر مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ مال ان پر صرف کئے جانے کے بجائے ان سے وابستہ چند مصالح میں صرف کیا جاتا ہے۔

☆ بلا وضو قرآن چھونا

☆ جناب چوہدری صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ 210 پر قرآن کو بغیر وضو چھونے سے متعلق بغیر کسی قرآن و حدیث کے حوالہ کے فتویٰ دے رہے ہیں جبکہ دوسروں کے فتویٰ میں قرآن و حدیث کا حوالہ چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہیں۔ "ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو چھونے کے لیے طہارت کی شرط ہے وہ وضو کے بغیر قرآن کو چھونے سے منع کرتے ہیں اور اسے ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن ظاہری مسلک کے فقہاء و مجتہدین کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت (اہل حدیث) کے نزدیک وضو کے بغیر بھی قرآن چھونے کی اجازت ہے"

غیر مقلدین کو محدثین کہا دیکھا جائے تو کہنے والے کی جہالت کا آئینہ دار ہے کیونکہ معروف اہل حدیث طبقہ میں اکثریت فن حدیث سے لاعلم ہے۔ لہذا انہیں محدثین کی جماعت کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔

☆ قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کو چھونے کے لیے طہارت شرط ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور اسی پر اجماع امت ہے۔ قرآن پاک کی آیت لا یمسّہ الا المطھرون (سورۃ واقعہ آیت 79) اس کی بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں متعدد جگہ قرآن کو بلا وضو چھونے کی ممانعت ہے۔ مستدرک حاکم 485 جلد 3 اور دار قطنی صفحہ 122 جلد اول میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم قرآن کو نہ چھونا مگر اس حالت میں کہ تم پاک ہو۔
مجمع الزوائد صفحہ 276 جلد اول میں طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

موطا امام مالک صفحہ 185 پر حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

دار قطنی صفحہ 123 جلد اول میں حضرت انس بن مالکؓ سے حضرت عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس گئے تو وہ سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے قرآن کے صفحات کو ہاتھ نہ لگانے دیا اور کہا کہ تم ناپاک ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے غسل کیا پھر سورۃ طٰہٰ پڑھی۔

رحمۃ الامۃ صفحہ 15 پر عبدالرحمٰن الشافعیؒ کا قول ہے کہ اجماعی طور پر بے وضو شخص کے لئے قرآن کا چھونا اور اٹھانا جائز نہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام اور مجتہدین تو طہارت کے بغیر قرآن چھونے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن آج کے متجددین ہیں کہ بغیر کسی دلیل کے ان سب کی مخالفت کر رہے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے دلیل الطالب صفحہ ۲۵۲ پر اور نور الحسن خان غیر مقلد نے عرف الجادی صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے کہ بغیر غسل کئے ناپاک آدمی کو قرآن چھونا، اٹھانا، رکھنا، ہاتھ لگانا جائز ہے۔ اس کے لئے کون سی صحیح صریح حدیث ان کے پاس موجود ہے۔ دعویٰ اہل حدیث کے باوجود حدیث پر عمل نہیں ہے۔ صحابہ کے فعل کو ویسے ہی قابل تقلید نہیں مانتے۔ جیسا کہ صفحہ نمبر 270 پر درج ہے۔

☆ علامہ ابن تیمیہ نے نقض المنطق صفحہ نمبر ۱۸ طبع ۱۹۵۱ء قاہرہ میں لکھا ہے۔ ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو محض اس کو سننے یا لکھنے یا روایت کرنے والے ہوں۔ بلکہ ہم اہل

حدیث سے مراد وہ شخص لیتے ہیں جو اس کے حفظ و معرفت کا اہل و لائق اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور اس کے باطن و ظاہر پر عمل کرنے والا ہو۔

☆ وہابیت اور سلفیت

آج کل فرقہ غیر مقلد عربوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہابیت اور سلفیت کو اپنے لئے کلاو افتخار تصور کرنے لگا ہے۔ یہ جذبہ محبت ان خود غرض زر پرستوں کے دلوں میں اس وقت پیدا ہوا جب سے عرب کی زمین "کالا سونا" اگلنے لگی۔ اور اس کے بڑے بڑے ذخائر دریافت ہونے لگے۔ تب یکا یک یہ لوگ اہلحدیث سے وہابی اور سلفی بن گئے۔ جب کہ ان کے اکابر علماء ہمیشہ شیخ ابن عبدالوہاب اور ان کی دعوت سے زور دار انداز میں اپنی لاتعلقی اور برأت کا اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مولانا عبداللہ محدث غازی پوری جو شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے اجل تلامذہ میں سے تھے (شیخ الکل فی الکل غیر مقلدین نے خود لقب دیا ہے۔ نہ معلوم اس سے کیا مراد لیتے ہیں) انہوں نے اپنی کتاب بنام اہل الحدیث والقرآن صفحہ ۸ پر لکھا ہے کہ "ہم جماعت اہل حدیث کو وہابی کہنا بڑی غلطی ہے۔..... یہ عبدالوہاب نجدی جو وہابیوں کا مقتدا تھا۔ مذہبا حنبلی تھا اور اہل حدیث کسی مذہب کے مقلد نہیں ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ یہ لوگ ابن عبدالوہاب نجدی کے تبع ہو جائیں۔ (غیر مقلدین کے نزدیک علماء کی تقلید جائز نہیں۔ اتباع جائز ہے) اہل حدیث اور وہابیوں کے درمیان تو زمین و آسمان کا فرق ہے...... بلکہ گالی سے بدتر تصور کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر اس لقب سے نہیں کرنا چاہیے"

یہی عبداللہ محدث غازی پوری اپنی دوسری کتاب "الکلام المباہ فی رد حضرات من منع مساجد اللہ کے صفحہ نمبر ۷ پر لکھتے ہیں "نیز ہم میں سے کسی کو پسند نہیں کہ اسے حنفی، شافعی، مالکی، یا حنبلی کہا جائے۔ تو محمد بن عبدالوہاب کی طرف اپنے انتساب کو کیسے گوارہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہابیوں کا مقتدیٰ۔ حنبلی المذہب تھا اور اہل حدیث مقلدین کے کسی مذہب کی تقلید نہیں کرتے۔ اگر ہم ابن عبدالوہاب نجدی کی اتباع کریں تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی اور اہلحدیث اور

وہابیوں کے درمیان تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمیں وہابی کیوں کہا جاتا ہے۔ بہت غور کیا گیا مگر اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ لقب تو ہمارے نزدیک بڑا قبیح لقب ہے ہم اس کو گالی سے بدتر سمجھتے ہیں"

اس طائفہ بحث لامذہبیہ کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اپنی کتاب "التاج المکلل" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تذکرہ تحقیر آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ اور ترجمان الوہابیہ صفحہ ۵۱ میں نواب صاحب لکھتے ہیں جو شخص ہم کو وہابیوں کی طرف منسوب کرتا ہے گویا وہ ہم کو گالی دیتا ہے"۔ چنانچہ عصر حاضر کے غیر مقلدین جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت و تحریک سے اپنے انتساب پر فخر کرتے ہیں۔ سراسر جھوٹ بولتے اور دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اکابر سلفیت کی طرف انتساب کو اپنے لئے گالی سمجھتے تھے۔

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کا شمار غیر مقلدین کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں جمعیت اہل حدیث کے بانی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب مذہب اہل حدیث صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے "باوجود اس کے کہ ہمارا وہابیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں ان ہی میں شمار کرنا اور ہمارے بارے میں یہ کہنا کہ ہم اسی کے شیع ہیں اور یہ کہ عبدالوہاب ہمارے مذہب کا بانی ہے۔ صریح کذب بیانی اور ایذا رسانی ہے"۔

غیر مقلدین کے ایک اور بزرگ مولانا محمد اسماعیل صاحب اپنی کتاب حرکۃ الانطلاق الفکری میں لکھتے ہیں "وہابیت یا اہل وہاب کوئی مذہب نہیں ہے اور ہمیں پسند بھی نہیں کہ کوئی ہمیں ان کی طرف منسوب کرے" (صفحہ ۳۹۴)

☆ راہنمائے ترجمۃ القرآن

ڈاکٹر اسرار صاحب کے ایک معتقد جو چودھری رفیق صاحب سے بھی متاثر ہیں۔ انہوں نے دین میں تجدید کے لیے نیا رخ اپنایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آج تک قرآن پڑھنے پڑھانے والے اسے غلط پڑھتے ہیں۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ تمام قراء جو "بازبر بے" وغیرہ کہتے ہیں۔ وہ غلط ہیں۔ کیونکہ حرکت پڑھنے سے پہلے حرف بغیر حرکت ہونا چاہیے۔ اور قراء اس پر زبر پڑھتے ہیں۔ پھر انہوں نے درست صورت یہ نکالی کہ بے زبر ب پڑھا جائے۔ کیونکہ "بے" پر کوئی حرکت نہیں۔

حالانکہ ان کی سوچ سراسر غلط ہے کیونکہ کسی بھی زبان کے کسی بھی حرف کو ساکن شروع نہیں کیا جا سکتا لامحالہ کوئی نہ کوئی اعراب پڑھنا پڑھے گا۔ اور فتحہ سے اس لیے شروع کر رہے ہیں کہ اسی طرح اہل لغت سے منقول ہے۔ اور لغت میں قیاس و عقل کو دخل نہیں۔ رہا ان کا اپنا اختراع کردہ تلفظ "بے زبر ب" تو اس میں بھی "بے" کے پیچھے زیر پڑھی جا رہی ہے۔ اور یہ بغیر حرکت کے نہیں۔

کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے بغیر موصوف قاری بھی ہوگئے۔

موصوف نے امت کی قرآن سے دوری دیکھ کر اپنے دل میں درد محسوس کیا اور ایک کتاب تصنیف کر دی لیکن اس کتاب نے درد کی دواء کرنے کی بجائے دیکھنے والے کو ایک نئے درد میں مبتلا کر دیا کیونکہ موصوف نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد حضرت مولانا سید محمد عبد الغفار ضیاء نگرامی ندوی صاحب کی مشہور کتاب "معلمات الصرف والنحو" کا ایک معجون مرکب تیار کیا تھا۔ جس میں مولانا عبد الغفار ندوی کی دی ہوئی امثلہ کو بطور مشق استعمال کیا اور ان کے انوکھے اور منفرد اسلوب اور آسان مثالوں کو ان کا نام لیے بغیر اپنی طرف منسوب کر لیا۔ نیز اسے نقل کرتے ہوئے صرف و نحو کے اصول و ضوابط سے ہی پھسل گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ نقل را عقل باید۔

ایک حلاق (حجام) روزانہ بادشاہ کا خط بنانے کے لئے شاہی محل جاتا تھا۔ ایک روز جب وہ محل پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ بادشاہ سلامت سوئے ہوئے ہیں۔ اس حلاق نے نیند کی حالت میں ہی بادشاہ کا خط بنا دیا۔ جب بادشاہ بیدار ہوا تو اس کی ہنرمندی پر بہت خوش ہوا۔ اور انعام کے طور پر اسے "رئیس الحلاقین" (حجاموں کا سردار) کا لقب دے دیا۔ وہ حلاق خوشی خوشی گھر آیا۔ اور اپنی بیوی کو یہ بات بتائی۔ بیوی نے سن کر کہا کہ تم تو بیوقوف ہو۔ بادشاہ کو تمہارے فن کے بارے میں کیا معلوم ہاں اگر تمام حجام مل کر تمہیں رئیس الحلاقین کا لقب دیتے تو پھر یہ قابل تعریف ہوتا۔

موصوف نے رہنمائے ترجمۃ القرآن کے نام سے ایک کتاب عربی گرامر سکھانے کی لئے تحریر فرمائی ہے جس کا نام ہی عربی گرامر کے لحاظ سے درست نہیں۔ رہنما فارسی زبان کا لفظ ہے لہٰذا اسے صرف فارسی یا اردو ترکیب میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن موصوف نے اسے ترجمۃ القرآن کی طرف مضاف کردیا۔ جس کی ترکیب عربی ہے۔ موصوف کی یہ ترکیب بالکل اسی طرح ہے جیسے بیرون بھاٹی گیٹ ایک صاحب نے اپنی دکان کا نام ''دارالماہی'' رکھا ہے۔ ''بکلشمی کے المشہور چھولے'' بھی اکثر نظر آجاتے ہیں۔ ''المشہور رحمان بابا ہوٹل'' بھی اسی ترکیب کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ ایک اور ستم ظریف نے اپنے پیٹرول پمپ پر ''ہذا پیٹرولیم'' کا سائن بورڈ لگا کر عربی دانی کا اظہار کیا ہے۔ اکبری دروازہ لاہور کے باہر ایک دستکاری سکھانے والے سکول نے اپنا نام ''دار الھنر'' رکھ کر اسے مشرف با عربی کردیا ہے۔

لطف پر لطف ہے املا میں میرے یار کے یار
حاء حطی سے گدرح لکھتا ہے ھوز سے ھمار

موصوف نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ پر اعتراف کیا ہے کہ ''۱۹۸۷ء میں تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ہاتھ پر بیعت کی''۔

موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ ''جہاں تک قرآن مجید سے دوری کا تعلق ہے ہمارے ہاں فرقہ بندی۔ مسلک پرستی نے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی''۔

عجب بات ہے کہ موصوف کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جماعت تنظیم اسلامی پر کوئی اعتراض نہیں۔ حالانکہ وہ بھی تو ایک مخصوص طرز فکر پر عمل پیرا ہے۔ لہٰذا تنظیم اسلامی میں شمولیت بھی فرقہ بندی ہونی چاہئے۔

پھر اسی صفحہ پر مزید فرماتے ہیں ''کسی نے فضائل اعمال سے تعلیم دینا شروع کر رکھی ہے''۔

موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ فضائل اعمال کا ایک حصہ فضائل قرآن پر مشتمل ہے۔ اور اس کتاب میں صرف فضائل کی احادیث ہیں۔ تفرقہ میں ڈالنے والی کوئی بات نہیں۔ موصوف کو فضائل اعمال

میں غالباً بائیس خلاف شرح مقامات ملے ہیں لیکن موصوف کی طرف سے تادم تحریر راقم کو ان قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی سے محروم رکھا گیا ہے۔ ورنہ ان کی تشفی ضرور کروائی جاتی۔ شاید موصوف دل میں یہ خیال جمائے بیٹھے ہیں کہ کنویں سے دریا بڑا نہیں ہوتا۔

موصوف آگے فرماتے ہیں۔ ''یہی نہیں بلکہ اب تو لوگوں کے ذہنوں میں قرآن مجید کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات ڈالے جارہے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید آسان کتاب نہیں ہے کہ یہ کتاب عالموں کے پڑھنے کی ہے اس کتاب کو پڑھنے کے لیے ۱۸ علوم سیکھنے ہوں گے۔ تب کہیں جا کر کوئی قرآن پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہوگا''۔

پھر قرآنی آیت **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر** بطور دلیل پیش کی ہے۔

حالانکہ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ قرآن پڑھنا صرف عالموں کا کام ہے۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں قرآن کے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت پکڑنے کا بیان ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ کتاب ہر طرح سے آسان ہے۔ اگر اس کے معانی ومفاہیم ہر طرح سے آسان ہوتے تو صحابہؓ کو قرآن کے الفاظ کے معانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھنا پڑتے۔ مثلاً ایک صحابی کو آیت صوم میں لفظ الخیط الابیض اور الخیط الاسود کا معنی صحیح سمجھ میں نہ آیا اور وہ اسے دھاگا خیال کرتے رہے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور صبح کی سفیدی ہے۔

تفسیر جلالین۔ کشاف۔ قرطبی۔ ابن کثیر۔ روح المعانی۔ بغوی۔ اور تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ ہم نے اس قرآن کو حفظ وقرآت کے لئے آسان کر دیا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کے الفاظ کو سہل اور آسان کر دیا تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اگر قرآن سمجھنے کا دارومدار صرف عربی جاننے پر ہوتا تو صحابہؓ جو اہل لغت تھے انہیں بعض آیات کے سمجھنے میں دشواری کا سامنا نہ ہوتا۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ڈاکٹر ذاکر صاحب کے باب میں ''قرآن سمجھنا علما کا کام ہے'' کے تحت صفحہ 186 پر ملاحظہ ہو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب کے متعلق کلام کرے اگر وہ لغات عرب کو نہیں جانتا"۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ جو شخص عربیت سے ناواقف ہے وہ بسا اوقات ایک آیت پڑھتا ہے اور اسی طرح کسی لفظ کو پڑھتا ہے کہ وہ اس کے لئے باعث ہلاکت بن جاتا ہے۔

چنانچہ ہماری درخواست ان لوگوں سے بھی ہے جو عربی دانی کے شوق میں ان بے استادوں کے چنگل میں پھنس گئے ہیں کہ اپنی عربی دانی کے لئے قرآن کو تختۂ مشق نہ بنائیں۔

قرآن سے جہاں تک نصیحت حاصل کرنے کا تعلق ہے اس میں کسی عالم وغیر عالم کی تخصیص نہیں کی جاتی البتہ جب قرآن کے علم کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے ان لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے جو مفہوم کلام پر مکمل طور پر حاوی ہو کر احکام کا استنباط کر سکیں۔ اور یہ تقسیم عمل کا اصول ہے۔

☆ایک دفعہ مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحب اپنے لیکچر میں یہ بات سمجھا رہے تھے کہ "کچھ لوگ قرآن وحدیث کو لغت کی کتابوں اور ترجمہ والی کتابوں سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ قرآن حدیث اس طرح سمجھ نہیں آتا۔ اور جو اس طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو ایک سکھ کا ہوا تھا۔

پھر آپ نے یہ لطیفہ سنایا۔

ایک سکھ انگلینڈ چلا گیا۔ بھوک لگی، انگریزی پڑھا ہوا تو تھا نہیں۔ ڈکشنری اپنے ساتھ لے کر ہوٹل میں گیا۔ اس کو زبان کا گوشت چاہیے تھا۔ ڈکشنری کھولی تو کہتا ہے۔

(A PLATE OF LANGUAGES) کہ ایک پلیٹ زبانوں کی۔ چونکہ اس زبان کو جو منہ میں ہے انگریزی میں (TONGUE) کہتے ہیں۔ اور ایک وہ زبانیں ہیں۔ انگریزی ہے، پشتو ہے، عربی ہے اور اردو ہے۔ ان کو (Languages) کہتے ہیں۔ اب سکھ صاحب اپنی طرف سے پھول رہے ہیں کہ میں بڑا انگریزی دان ہوں کہ "اے پلیٹ آف لینگویجز" اب وہ انگریزی والے سوچیں کہ بھائی کہاں سے لا کر رکھیں ایسی ڈش جس میں تھوڑی سی پشتو ہو، تھوڑی سی

پنجابی ہو ،تھوڑی سی انگریزی اور تھوڑی سی عربی ہو۔یہ بیوقوف کہاں سے آ گیا ہے۔کوئی دوسرا سکھ بیٹھا ہوا تھا۔اس سے ہوٹل والوں نے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟۔اس نے کہا اسے زبان کا گوشت چاہیے۔وہ اسے دے دی جب کھالی اب ذرا منتظار رہ لگا ایک پلیٹ کی اور ضرورت تھی۔تو پھر ڈکشنری کھولی اور لفظ"اور" کی انگریزی تھی(and)۔تو کہتا ہے (one plate and)۔پھر وہ بے چارے پریشان ہو گئے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ہے۔بہر حال لے آئے۔پیٹ بھر گیا۔اب پھل دیکھا کہ چاروں طرف "آلو بخارا" تھا۔پھر لغت کھولی۔اب بخار کے لفظ کا معنی لکھا تھا (Fever)اور آلو کا (Potato)۔تو کہتا ہے (A Plate of Potato fever)۔

جو لوگ اسلام کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بجائے صرف لغت کی کتاب سے حل کرنا چاہتے ہیں ایسے سکھوں سے ہمارا واسطہ پڑ گیا ہے۔دعا کرو اللہ تعالیٰ ایسے سکھوں سے اپنے دین کی حفاظت فرمائے۔

یاد رکھئے علم کتابیں پڑھ لینے سے نہیں بلکہ استاد سے سیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ورنہ پُر۔شیر (جانور)۔ذور۔طور اور پِر۔شیر (دودھ)۔ذوُر۔طوُر کا فرق کیسے معلوم ہوگا؟۔

سب مانتے ہیں کہ علم طب کی ابتدائی چیزیں سیکھے بغیر میڈیکل کی اصطلاحات سمجھ نہیں آ سکتیں اور اس پر کوئی ناراض بھی نہیں ہوتا۔لیکن قرآن وحدیث کی اصطلاحات کے بارے میں الجھنا اور اس پر یہ کہنا کہ ہمیں مطمئن نہیں کرتے غلط ہے۔کیونکہ نہ تو پوچھنے والے میں اتنی استعداد ہے نہ اسے اس بارے میں کچھ علم ہے۔اور نہ ہی اس کی اسے ضرورت ہے۔اگر ضرورت سمجھے تو باقاعدہ علم حاصل کرے۔

باقی رہی یہ بات کہ قرآن پڑھنے کے لئے اٹھارہ علوم کی ضرورت ہے تو یہ بات مفسر سے متعلق تو ہو سکتی ہے نہ کہ صرف قرآن پڑھنے کے لئے۔اور صاف ظاہر ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے ان علوم کے بغیر چارہ کار نہیں۔موصوف نے تو کسی سے سن کر طنزاً اٹھارہ علوم [redacted] دیا ہے شاید انہیں خود بھی معلوم نہیں (موصوف کا ایک اشتہار اس کا ثبوت ہے جس میں بے جوڑ علوم (فلسفہ اور منطق)

کے تحت ترجمہ قرآن سکھایا جا رہا ہے)۔ البتہ ہم قارئین کے افادہ کے لئے ان علوم کی تفصیل درج کئے دیتے ہیں۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے الشیخ احمد بن مصطفیٰ المعروف طاش کبریٰ زادہ کی کتاب "مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ" کے حوالہ سے قرآن کی تفسیر لکھنے والے کے لئے مندرجہ ذیل پندرہ علوم میں مہارت تامہ کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

(۱) لغت۔ (۲) نحو۔ (۳) صرف۔ (۴) اشتقاق۔ (۵) معانی۔ (۶) بیان۔ (۷) بدیع۔ (۸) علم القراءات۔ (۹) اصول الدین۔ (۱۰) اصول فقہ۔ (۱۱) اسباب النزول والقصص۔ (۱۲) ناسخ منسوخ۔ (۱۳) فقہ۔ (۱۴) احادیث۔ (۱۵) علم الموہبۃ۔ (احسن الفتاویٰ۔ جلد ا۔ صفحہ ۵۰۱)

صرف ونحو اور اشتقاق کا تعلق گرامر سے ہے۔ علم معانی۔ بیان اور بدیع کا تعلق بلاغت سے ہے۔

علم الموہبۃ سے مراد وہ غیبی اور القائی اشارات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو عطا کرتے ہیں۔ اور یہ غیبی اور القائی اشارات ایسے شخص کو کیسے عطا ہو سکتے ہیں جس کی دینی تعلیم کا سلسلہ سندا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچتا ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی صرف ایک آیت میں ہی بلاغت کی اکیس انواع کا استعمال کیا ہے۔ و قیل یارض ابلعی ماءك ویسماء اقلعی و غیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعداللقوم الظلمین ۔ (پارہ ۱۲۔ سورۃ ہود۔ آیت ۴۴)

اس آیت میں بلاغت کی جن اکیس انواع کا استعمال ہوا ہے۔ کسی مدرسہ میں داخلہ لئے بغیر موصوف انہیں کیا سمجھیں گے اور دوسروں کو کیا سمجھائیں گے؟۔

موصوف نے مذہبی مدرسوں کو بھی خاصی جھاڑ پلائی ہے کہ ان کا ترجمے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

شاید موصوف یہ چاہتے ہیں کہ سات آٹھ سالہ بچے کو نورانی قاعدہ کے ساتھ ساتھ خاصیات ابواب بھی یاد کروائی جائیں۔ تف ہے جناب کے سوء ظن پر۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حفظ کے بعد مدرسہ کے پہلے سال میں عربی گرامر ی شروع کروائی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ترجمہ اور تفسیر پڑھائے

جاتے ہیں۔ مثلاً تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی وغیرہ اور بتدریج مکمل ترجمہ قرآن۔

موصوف نے خود تو کسی سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی البتہ جدیدیت زدہ چند حضرات سے گاہے بگاہے عربی گرائمر کے درس سنے ہیں جن میں عبدالرزاق بٹر صاحب۔ پروفیسر احمد ایاز صاحب۔ ڈاکٹر اسرار صاحب۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور لطف الرحمٰن صاحب شامل ہیں۔ موصوف نے آخر الذکر کو تنظیم اسلامی کے تعلق کی بناء پر سب سے زیادہ مستقل وقت دیا جو ایک ماہ پر مشتمل تھا۔ حالانکہ موصوف سالہا سال تک صرف و نحو پڑھنے اور پڑھانے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

کھولی جو زباں ہم نے تو ہو جائے گا کچھ چا   سنبھلے گا ندامت کا پسینہ نہ جبیں سے

ان کی کتاب میں موجود عربی قواعد کی اغلاط میں سے بطور مشتے از خاک چند ایک آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

موصوف نے اسم کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) معرب (منصرف)۔ (۲) غیر منصرف۔ (۳) مبنی۔

حالانکہ اسم کی تین نہیں بلکہ دو اقسام ہیں۔ معرب اور مبنی۔ علاوہ ازیں درست لفظ مبنی بکسر النون ہے اور موصوف نے مبنی بفتح النون ذکر کیا ہے۔ جن کو مبنی کے اصل تلفظ کا بھی علم نہ ہو وہ قرآن کے فصیح و بلیغ الفاظ کا ترجمہ و تفسیر کیسے بیان کریں گے؟۔

اس کے علاوہ مبنی کی مثالوں میں عیسیٰ اور موسیٰ کو بھی شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ معرب ہیں۔ اور ان کا اعراب تقدیری ہے۔

موصوف نے ایک صفحہ پر اسم اور مصدر میں فرق کا عنوان قائم کیا ہے۔ اول تو یہ عنوان ہی محل نظر ہے کیونکہ مصدر اسم ہی کی قسم ہے۔ لہذا جو مصدر ہوگا وہ در حقیقت اسم ہی ہوگا۔

مزید حماقت یہ کی ہے کہ فرق بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسم عموماً تنوین کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور فعل پر کبھی تنوین نہیں آتی۔ حالانکہ موصوف یہاں بزعم خویش اسم اور مصدر کا فرق بیان فرما رہے ہیں نہ کہ اسم اور فعل کا۔

مزید برآں لکھتے ہیں "اسم سے کبھی فعل برآمد نہیں ہوتا"۔ اور اگلی سطر میں فرماتے ہیں کہ "مصدر ایسا اسم جس سے فعل برآمد ہو"۔ عنوان کے تحت اسم اور مصدر علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ لیکن موصوف اپنے ہی قاعدہ کے خلاف مصدر کو بھی اسم کہہ رہے ہیں۔

مفعول لہ کی بحث میں قرآنی آیت یجعلون اصابعهم فی آذانهم من الصواعق حذر الموت بطور مثال پیش کی اور فی آذانهم کو مفعول لہ بنا دیا۔ حالانکہ یہ سرے سے ہی مفعول لہ نہیں۔ اور حذر الموت جو مفعول لہ تھا اسے بالکل خالی چھوڑ دیا۔

☆ بہائیت اور اسلام

چونکہ اس کتاب میں عدد 19 اور عقیدہ وحدت ادیان پر بحث کی گئی ہے۔ 19 کا عدد دنیا میں بہائیت کی نشانی کے طور پر معروف ہے۔ اس لیے ہم قارئین کی معلومات کے لیے بہائیت کی تفصیل پیش کر رہے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ عدد 19 اور وحدت ادیان کے عقیدہ کے پیچھے کون سے عزائم کارفرما ہیں۔

جامعۃ القاہرہ مصر کے شریعت اسلامیہ لاء کالج کے پروفیسر الشیخ محمد ابوزہرہ (یہ جنوری 1958ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کی عالمی مجلس مذاکرہ اسلامیہ میں شریک ہوئے اور مقالہ بھی پیش کیا) اپنی کتاب "المذاہب الاسلامیہ" میں اعتقادی طور پر بتائے گئے جدید فرقوں میں "بہائی فرقہ" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

بہائی فرقہ نے شیعہ اثنا عشریہ سے جنم لیا۔ اس کتاب میں بہائی فرقہ کا ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ اسلامی فرقہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بہائی فرقہ ان اصول ومبادی کو تسلیم نہیں کرتا جن پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور جن کی حیثیت اسلام میں اساسی و بنیادی ہے۔ بہائی فرقہ کا بانی مرزا علی محمد شیراز 1252ھ مطابق 1820ء ایران میں پیدا ہوا۔ یہ اثنا عشری شیعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اثنا عشریوں کی حدود سے تجاوز کر گیا۔ اس نے اسماعیلی فرقہ کے عقائد باطلہ اور فرقہ سبیئہ (عبداللہ بن سباہ کے متبع) کے عقیدہ حلول کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کیا جسے اسلامی عقائد سے دور

کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے پر مرزا علی محمد غلو سے کام لینے لگا اور اس نے مستقل مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مرزا نے اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی داغ دیا کہ ذات خداوندی اس میں حلول کر آئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے مخلوقات کے سامنے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا ظہور اس کے ذریعہ ہوگا۔ اس نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عام عقیدہ سے تجاوز کر کے اس پر رجوع موسیٰ علیہ السلام کا اضافہ کیا اور کہنے لگا کہ ان دونوں انبیاء کا ظہور اس کے توسط سے ہوگا۔ مرزا علی محمد کی شخصیت میں اتنی جاذبیت پائی جاتی تھی کہ لوگ اس کے بلند بانگ دعوے کو بلا چون و چرا مان لیتے تھے۔ مرزا علی محمد نے اپنے لیے "باب" کا لقب تجویز کیا تھا۔ اس لیے اس فرقہ کو "بابی" بھی کہا جاتا ہے۔ مرزا علی محمد 1850ء میں 30 سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس نے اپنی نیابت کے لیے اپنے دو مریدوں کو منتخب کیا جن میں ایک کا نام صبح ازل اور دوسرے کا نام بہاء اللہ تھا۔ ان دونوں کو فارس سے نکال دیا گیا۔ صبح ازل قبرص میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کے پیروکار بہت کم لوگ تھے۔ بہاء اللہ نے آذر بائیجان کو اپنا مسکن بنایا۔ اسی کی جانب منسوب کر کے ان لوگوں کو "بہائی" کہا جانے لگا۔ مرزا علی محمد نے اپنے افکار و نظریات اپنی تحریر کردہ تصنیف "البیان" میں جمع کر دیئے تھے۔

مرزا علی محمد کے کفریہ اعتقادی امور یہ تھے۔ مرزا علی محمد روز آخرت اور بعد از حساب دخول جنت و جہنم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ روز آخرت سے ایک جدید روحانی زندگی کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے۔ وہ بالفعل ذات خداوندی کے اس میں حلول کر آنے پر اعتقاد رکھتا تھا۔ رسالت محمدی اس کے نزدیک آخری رسالت نہ تھی۔ وہ کہتا تھا کہ ذات باری اس میں حلول کر چکی ہے اور اس کے بعد آنے والوں میں بھی حلول کرتی رہے گی۔ گویا حلول الوہیت کو وہ اپنے لیے مخصوص نہیں ٹھہراتا تھا۔ وہ کچھ مرکب حروف ذکر کر کے ہر حرف کے عدد نکالتا اور اعداد کے مجموعہ سے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتا تھا۔ وہ ہندسوں کی تاثیر کا قائل تھا۔ 19 انیس کا ہندسہ اس کے نزدیک خصوصی مرتبہ کا حامل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام انبیاء سابقین کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ مجموعہ رسل ہے اور

اس اعتبار سے مجموعہ ادیان بھی۔ بنا بریں بہائی فرقہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کا معجون مرکب ہے اور ان میں کوئی حد فاصل نہیں پائی جاتی۔

مرزا نے اسلامی احکام میں تبدیلی پیدا کر کے عجیب و غریب قسم کے عملی امور مرتب کیے تھے۔ جن میں عورت میراث کے اموال میں مرد کے برابر ہے یہ آیت قرآنی کا صریح انکار ہے جو موجب کفر ہے۔ وہ بنی نوع انسان کی مساوات مطلقہ کا قائل تھا۔ اس کی نگاہ میں جنس و نسل دین و مذہب اور جسمانی رنگت موجب امتیاز نہیں ہے۔ اس کے خلیفہ بہاء اللہ نے تمام اسلامی قواعد و ضوابط کو ترک کر دیا تھا۔ وہ انسانوں کے رنگ و نسل اور ادیان و مذاہب کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود ان کی مساوات کا قائل تھا۔ مساوات بنی آدم کا نظریہ اس کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ تعصب و اختلافات سے پُر کائنات عالم میں بہاء اللہ کا یہ نظریہ بڑا جاذب نظر تھا۔ بہاء اللہ نے اپنا عائلی نظام مرتب کیا۔ وہ تعدد ازواج سے روکتا تھا اور شاذ و نادر حالات میں اس کی اجازت دیتا تھا۔ بصورت اجازت بھی دو بیویوں سے تجاوز نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس کے یہاں مطلقہ کے لیے کوئی عدت مقرر نہ تھی بلکہ طلاق کے بعد وہ فی الفور نکاح کر سکتی تھی۔ نماز با جماعت منسوخ کر دی تھی صرف نماز جنازہ میں جماعت کی اجازت تھی۔ وہ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار نہیں دیتا تھا بلکہ اپنے سکونتی مکان کو قبلہ کی حیثیت دیتا تھا۔ جب بہاء اللہ اپنی سکونت تبدیل کر لیتا تو بہائی بھی اپنا قبلہ تبدیل کر لیا کرتے تھے۔ بہاء اللہ کا دعویٰ تھا کہ جس مذہب کی وہ دعوت دے رہا ہے وہ اسلام سے الگ ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے جبکہ اس کے استاد مرزا علی محمد کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے افکار سے اسلام کی تجدید کر رہا ہے۔ بہاء اللہ اپنے مذہب کو بین الاقوامی حیثیت دیتا تھا اور اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ یہ مذہب جمیع ادیان و مذاہب کا جامع اور سب اقوام کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وطن پرستی کے خلاف تھا اور کہا کرتا تھا کہ زمین سب کی ہے اور وطن سب کا ہے۔

16 مئی 1892ء کو بہاء اللہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا عباس آفندی اس کا نائب بنا۔ سرزمین فارس اور اس کے قرب و جوار میں یہود و نصاریٰ کی اکثریت بہائیت کے حلقہ میں داخل ہو گئی پھر بلاد

ترکستان سے ہوتا ہوا یہ مذہب یورپ اور امریکہ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر اپنی کتاب "العقیدہ والشریعۃ صفحہ 250 پر لکھتا ہے۔ شہر عکا کے نبی (بہاء اللہ) نے محسوس کیا کہ یورپ وامریکہ کے بعض لوگ بڑے جوش وخروش سے بہائیت کو قبول کرتے جارہے تھے۔ یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی ان کے حلقہ بگوش پیدا ہوگئے۔ امریکہ میں جن ادبی وانجمنوں کا قیام عمل میں آیا وہ بہائیت کے اصول وضوابط کے استحکام میں مدد ومعاون ہوتی تھیں۔ امریکہ سے 1910ء میں ایک مجلہ "نجم الغرب" نکلنا شروع ہوا۔ جس کے سال بھر میں انیس شمارے شائع ہوا کرتے تھے۔ 19 انیس کے عدد کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ یہ ہندسہ ان کے یہاں بڑا موثر تھا۔ بہائی یوں بھی اعداد کی قوت تاثیر کے قائل تھے.........

بہائیت اضلاع متحدہ امریکہ کے دور افتادہ علاقوں میں پھیل گئی اور شکاگو میں ایک مرکز بھی قائم کر لیا۔

ہم نے بہائیت کی اصلی تصویر ان کے اصول وعقائد کو بلا تحریف وتاویل من وعن بیان کر دیا ہے۔ یورپین لوگوں نے بہائیت کی حمایت اس لیے کی تھی کہ اس سے اسلامی اصول وقواعد کی تخریب ہوتی ہے اور انھیں ہر اس بات سے دلچسپی ہوتی ہے جو اسلام کے خلاف ہو۔

مرزا حسین علی بہاء اللہ مازندرانی کے خیال میں اسکے مذہب بہائیت کے درج ذیل پانچ ارکان ہیں

(۱)۔ وحدت ادیان (۲)۔ وحدت اوطان (۳)۔ وحدت لسان (۴)۔ امن عالم بذریعہ ترک جہاد (۵)۔ مساوات مرد وزن

☆ وحدت ادیان:

○ اس کی پہلی تعلیم وحدت ادیان ہے "اے اہل زمین ظہور اعظم میں ساری فضیلت ہے۔ ہم نے کتاب میں سے وہ مٹا دیا جو تفریق کا سبب تھا۔ اور وہ باقی رکھا ہے جو کہ اتحاد واتفاق کا سبب ہے" (المازندرانی لوح العالم بحوالہ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۱۹)

○ ہم نزاع اور جدال سے کتاب میں آپ کو روکتے ہیں یہ اللہ کا حکم ہے اس ظہور اعظم میں

کہہ دیجئے اے میرے بندو! آپ افتراق نہ کریں۔ اہل بہاء سے میں توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس کلمہ کو مضبوطی سے پکڑیں گے۔ اسی کلمے کے ساتھ مختلف جماعتیں اتحادِ حقیقی کے نور سے کامیاب ہوجائیں گی" (لاسلمت بہائی۔ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ ۱۴۳،۱۴۲)

○ "باقی ادیان کے ساتھ خوشی کے ساتھ رہو" (لاسلمت بہائی۔ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۴۳)

○ ایک شخص کے جواب میں بہاء اللہ کا بیٹا عبد البہاء کہتا ہے" یہ آپ کے لیے ممکن ہے کہ آپ بہائی عیسائی ہوں۔ آپ بہائی یہودی ہوں اور آپ بہائی مسلمان ہوں یا آپ بہائی ماسوتی ہوں (مکاتیب عبد البہاء عباس آفندی صفحہ نمبر ۹۹)

○ ایک مقام پر بہاء اللہ کہتا ہے "تمام عالم ایک دین پر متحد ہو جائے اور تمام لوگ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور محبت اور اتحاد کی کڑیاں آپس میں مضبوط ہو جائیں اور دینی اختلافات مٹ جائیں اور تمام انسانوں کے اختلافات ختم ہو جائیں (لاسلمت بہائی۔ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ ۱۲۱)

☆ وحدت الاوطان:

○ بہاء اللہ کہتا ہے۔ پہلے کہا جاتا تھا کہ وطن کی محبت ایمان سے ہے لیکن آج عظمت کی زبان کہتی ہے کہ وطن سے محبت کرنا فخر کی بات نہیں بلکہ پورے جہاں سے محبت کرنا فخر کی بات ہے۔ (لاسلمت بہائی بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۲۶)

○ بہاء اللہ کا بیٹا عباس آفندی کہتا ہے" قومی تعصب وہم اور خرافات ہیں اللہ نے ہم تمام کو ایک ہی جنس سے پیدا کیا۔ ابتداء سے مختلف اوطان کی کوئی حدود نہیں تھیں۔ زمین میں کوئی حصہ کسی خاص قوم کی ملکیت نہیں ہے (محادثات پیرس از عبد البہاء عباس آفندی۔ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۲۶۔ البہائیہ صفحہ نمبر ۱۱۴)

☆ وحدت لسان:

○ حسین علی بہاء اللہ اپنی کتاب الاقدس میں لکھتا ہے۔ اے دنیا کے اہل مجالس! زبانوں میں ایک زبان کو منتخب کر لو تاکہ زمین کے رہنے والے اسی زبان میں گفتگو کریں۔ کاش آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ اتحاد کا سب سے بڑا سبب ہوگا (الفقرات الاخیرہ۔ الاقدس مازندرانی بحوالہ البہائیہ صفحہ نمبر ۱۲۰)

○ بہاء اللہ کا بیٹا عباس آفندی کہتا ہے۔ زبانوں کا اختلاف یورپ میں اقوام کے اختلاف کے اہم اسباب میں سے ایک ہے۔ اگرچہ وہ تمام اپنے آپ کو ایک قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ان کی زبانوں کا اختلاف ان کے اتحاد کو روکے ہوئے ہے ان میں سے ایک کہتا ہے میں جرمن ہوں دوسرا کہتا ہے میں انگریز ہوں تیسرا کہتا ہے میں فرانسیسی ہوں۔ اگر ان کی ایک ہی زبان ہوتی تو متحد ہو سکتے تھے (خطبات عبد البہاء عباس آفندی۔ بحوالہ بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۶۳۔ البہائیہ صفحہ نمبر ۱۲۰)

☆ امن عالم بذریعہ ترک جہاد:

○ بہاء اللہ کہتا ہے "ہتھیار اٹھانے کا کوئی جواز نہیں اگرچہ اپنی ذات کے دفاع کے لئے ہی کیوں نہ ہو (بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۲۹)

○ بہاء اللہ کہتا ہے "وزراء کے لیے ضروری ہے کہ وہ صلح کو لازمی سمجھیں تاکہ دنیا لڑائیوں سے نجات پا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جنگ وجدال مصیبتوں اور پریشانیوں کی بنیاد ہے (لوح العالم من مجموعۃ الالواح۔ المازندرانی صفحہ نمبر ۲۳۴)

☆ مساوات مرد وزن:

ایک اجتماعی منظم بات جس کو بہاء اللہ نے بہت اہمیت دی ہے وہ مساوات مرد وزن ہے (بہاء اللہ والعصر الجدید صفحہ نمبر ۱۴۸)

☆ بہائی تعلیمات کا تنقیدی جائزہ:

☆ بہائیوں کا تمام لوگوں کو وحدت ادیان کی دعوت دینا دھوکہ ہے۔ انگریز مستشرق پروفیسر براؤن مقدمہ نقطۃ الکاف میں لکھتا ہے کہ بہائیوں نے پوری قوت کے ساتھ کوشش کی کہ وہ اپنے مخالفین کی ہر کتاب کو مٹا دیں۔ آگے لکھتا ہے "بابی ہر اس شخص کو جو باب پر ایمان نہ لائے ناپاک سمجھتے تھے۔ اور اس کے قتل کو واجب خیال کرتے تھے۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف۔ ص۔ ن۔ ھ از پروفیسر براؤن)

☆ وحدت اوطان پیش کرنے کا نظریہ کسی خلوص کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انگریزی اور روسی استعمار کی خدمت کی بجا آوری تھی۔ تاکہ ایرانی قوم کے دل سے وطن کی محبت نکال کر ان کو وقائع سے محروم کر دیا جائے۔ ورنہ وہ عراق میں غریب الوطنی کی شکایت کرتا ہے۔ ایران سے فلسطین کی طرف جلاوطنی پر روتا اور چیختا ہے۔ (لوح الدنیا۔ المازندرانی۔ بحوالہ البہائیہ صفحہ نمبر ۱۱۷)

☆ مرزا حسین علی مازندرانی المعروف بہاء اللہ اپنے دعوئ وحدت لسان کے باوجود اپنی کتابوں کو ایک زبان میں پیش نہیں کر سکا۔ گویا وحدت لسان کا داعی اپنی زبان کو ایک نہ رکھ سکا۔ بلکہ اس کی بعض کتابیں عربی۔ فارسی کا مرکب ہیں۔ کبھی وہ نزول وحی کا فارسی میں دعوئ کرتا ہے اور کبھی عربی میں اور کبھی دونوں کا مرکب پیش کرتا ہے۔۔ اس کی کتاب الاقدس عربی میں ہے اور الایقان فارسی میں۔ اسی طرح "لوح کلمات مکنونہ" فارسی میں ہے۔ "الرسالۃ السلطانیہ" کو اس نے عربی میں شروع کیا اور پھر درمیان میں فارسی کی طرف منتقل ہو گیا۔ پھر اسے عربی میں ختم کیا۔ (مجموعۃ الالواح مازندرانی۔ بحوالہ البہائیہ صفحہ ۱۲۳) وہ دوسروں کو ایک زبان اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے جبکہ اپنے آپ کو اس بات کا پابند نہ کر سکا۔ اور اس نے کئی کتابوں اور رسالوں میں بار بار لکھا۔ "ضروری ہے کہ تمام زبانوں کو ایک زبان میں مدغم کر دیا جائے اور اسے تمام دنیا کے مدارس میں پڑھایا جائے" (لوح العالم مازندرانی صفحہ نمبر ۲۲۳)

☆ امن عالم بذریعہ ترک جہاد کا نظریہ بھی مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے تھا۔ تاکہ استعماری طاقتوں کو مضبوط کیا جا سکے۔ باقی دعووں کی طرح یہ اس دعوے میں بھی سچا نہ تھا بلکہ اس

نے اپنے حقیقی بھائی مرزا یحییٰ کو مارنے کی مسلسل کوشش کی۔ (بدائع آلاثار از خاوری طبع فارسی صفحہ نمبر ۱۳۹ جلد دوم) اس کا بیٹا عباس آفندی بھی اپنے بھائیوں سے لڑتا رہا۔ بہاء اللہ اور اس کی نسل استعمار کے آلہ کار اور جاسوس کے طور پر کام کرتی رہی اور انگریزوں سے جاسوسی کے بدلے کئی تمغے حاصل کئے (مکاتیب عبد البہاء از عباس آفندی صفحہ ۳۱۲ جلد دوم)

یہ نظریہ پیش کرنے والا یہ پہلا شخص نہ تھا بلکہ اس سے پہلے گوتم بدھ نے ہند میں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین میں۔ کنفیوشس نے چین میں یہ نظریہ امن پیش کیا۔

☆ مساوات مرد وزن کا نظریہ بھی فطری طور پر غلط ہے۔ اور تمام آسمانی شریعتوں کے خلاف ہے۔ بہائی اگرچہ اس نظریہ کے داعی ہیں لیکن بہت سے احکام میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک عورت کا دو مردوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ (مفتاح باب الا بواب از مرزا محمد مہدی خان صفحہ نمبر ۱۸۶) مرزا جانی الکاشانی نے نقطۃ الکاف صفحہ نمبر ۱۱۵ پر لکھا ہے کہ قرۃ العین بہائیہ (علی محمد باب کی مریدنی) کی وجہ سے بابی ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں جن سے حد واجب ہوتی ہے۔ اور خود مازندرانی اپنی کتاب الاقدس میں لکھتا ہے کہ اللہ نے تم پر نکاح فرض کیا ہے۔ آپ اس بات سے بچیں کہ دو سے زیادہ عورتوں سے شادی کریں (البہائیہ صفحہ ۱۴۳) نیز لکھتا ہے کہ میں نے کسی کنواری لڑکی کو اپنی خدمت کے لیے رکھا تو کوئی گناہ کا کام نہیں کیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے حکم ہے (البہائیہ صفحہ نمبر ۱۴۳)

اپنی کتاب الاقدس فقرہ نمبر ۱۴۲ پر لکھتا ہے جس نے کنواری لڑکی کو خدمت کے لیے رکھا اس پر کوئی گناہ نہیں آگے لکھتا ہے کہ اگر کوئی عورت خاوند بدلنا چاہے تو طلاق یا خلع کے بغیر بدل سکتی ہے۔ اگر کسی عورت کا خاوند کہیں کام پر چلا جائے اور ۹ ماہ تک گھر نہ آئے تو بیوی کسی دوسرے شخص کے پاس جا سکتی ہے۔ (کتاب الاقدس مازندرانی فقرہ نمبر ۱۴۹۔۱۵۰)

اس طرح بہائیوں کے نزدیک باپ کی بیوی کے سوا ہر عورت سے نکاح جائز ہے خواہ اس سے کوئی بھی رشتہ ہو (کتاب الاقدس مازندرانی فقرہ ۲۳۵)

یہ ہے ان کا دعویٰ مساوات مرد وزن۔

☆ بہاء اللہ نے مسلمانوں کی ہر لحاظ سے مخالفت کی۔ قرآن کریم کے بیان کردہ ۱۲ مہینوں کی جگہ اس نے ۱۹ ماہ بنائے اور ہر مہینے کے ۱۹ دن رکھے۔ اسی طرح ان کی پانچ عیدیں ہیں:
(۱)۔عید نوروز (۲)۔عید رضوان (۳)۔عید میلاد الباب (۴)۔عید میلاد مازندرانی (۵)۔عید البعث (اس دن ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء باب شیرازی نے اپنی دعوت کا آغاز کیا)

☆ بہائی ہال

پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں ان کے تبلیغی ہال موجود ہیں لاہور میں گنگا رام ہسپتال سے آگے دائیں طرف گولڈن روڈ پر دوسری عمارت ان ہی بہائیوں کی ہے۔ جس پر "حظیرۃ القدس محفل ملی روحانی بہائیان" کا بورڈ آویزاں ہے۔

کراچی میں برنس ریکارڈ روڈ نزد گرومندر چوراہے پر ایک عمارت پر بہائی ہال کے نام سے نمایاں بورڈ موجود ہے۔

بمبئی میں لوٹس ٹیمپل کے نام سے بہائیوں نے ایک عمارت بنائی ہے جس کی شکل کنول کے پھول کی طرح ہے۔ اس میں ہر مذہب کی عبادت کے لیے جگہیں موجود ہیں۔ جہاں آنے جانے والے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کر سکتے ہیں۔

☆ ڈاکٹر ذاکر صاحب کی فکری گمراہی

زیر نظر کتاب میں ممبئی۔ کیرالا۔ حیدرآباد انڈیا۔ مقبوضہ کشمیر میں مختلف عنوانات سے کی گئی تقاریر سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ یہ تقاریر سی ڈی کی صورت میں مل جاتی ہیں۔ اور خطبات ذاکر نائیک کے نام سے بھی طبع ہو چکی ہیں۔ عام قاری کی سہولت کے لیے ہم نے ان اقتباسات کے صفحات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ کراچی پاکستان میں کئی گھنٹوں پر مشتمل ایک طویل ٹی وی پروگرام ''گفتگو'' سے بھی اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اقتباسات ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات ایک انگریزی روزنامے ''ARAB NEWS'' میں شائع ہوتے رہے ہیں پھر یہ اردو میں ترجمہ ہو کر ''دین کا راستہ'' کے عنوان سے ماہنامہ ''رابطہ'' میں شائع ہوتے رہے۔ ازاں بعد انھیں ایک عرصے سے موضوع وار مرتب کر کے آئی آر پی کے زیر اہتمام دو جلدوں میں ''اسلامی طرز فکر'' کے عنوان سے مفت تقسیم کرنے کیلئے شائع کیا جا تا رہا ہے۔ اس ''گمراہ طرز فکر'' کو سوالاً جواباً اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس طرز فکر کی اصلاح کی خاطر درست جواب بھی شامل کیے جا رہے ہیں تا کہ عام قاری اس فکری گمراہی کا شکار نہ ہو۔

☆ قرآن سائنس کی کتاب نہیں

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر بعنوان ''کیا قرآن اللہ کا کلام ہے'' میں ایک جگہ کہتے ہیں:

''فرض کیجئے کہ ایک مولانا جو کہ تاریخ اسلام کے بہت بڑے عالم ہیں لیکن سائنسی علم سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ میں بہت سے مولانا کو جانتا ہوں کہ اسلام اور سائنس دونوں کا علم رکھتے ہیں، لیکن یہاں فرض کیجئے کہ ایک مولانا ہیں جو کہ اسلامی تاریخ سے تو آشنا ہیں لیکن سائنس سے نہیں۔ اور فرض کیا کہ آپ اس مولانا کے پاس چلے جاتے ہیں اور اسے بتاتے ہیں کہ قرآن میں یہ ایک سائنسی غلطی ہے۔ چونکہ وہ اس سائنسی خامی کی تردید نہیں کر پاتا لہٰذا وہ اسے صحیح سمجھ لیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کلامِ خدا نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن سورۃ نساء آیت نمبر 59 میں بتاتا ہے کہ ''اس شخص سے پوچھو جو کہ زبردست علم رکھتا ہے۔'' اگر آپ قرآن کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ سائنس سے

متعلق ہے تو آپ کسی سائنسدان سے پوچھیں اور وہ آپ پر واضح کرے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے۔"
(بحوالہ خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 162)

جناب ذاکر نائیک صاحب "قرآن اور جدید سائنس" کے تعارف میں کہتے ہیں:

"آیئے ہم قرآن کا مطالعہ اس نظر سے کرتے ہیں کہ کیا قرآن اور جدید سائنس ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟ قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ نشانیوں یعنی آیات کی کتاب ہے۔ یعنی قرآن میں چھ ہزار سے زائد نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ہزار سے زائد صرف سائنس سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ سائنس بہت دفعہ یوٹرن لیتی ہے۔ اس کتاب میں، میں نے صرف تسلیم شدہ سائنسی حقائق کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ان (Hypotheses) اور نظریات (Theories) کو ذکر نہیں کیا جو کہ ابھی تک محض مفروضے ہیں اور جن کا تا حال کوئی ثبوت نہیں ہے۔" (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 68)

☆ اصل میں قرآن کو سائنس یا بایالوجی یا فزکس کی کتاب سمجھ لیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کے متعلق معلومات تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب کا اصل مقصود نسل انسانی کو ہدایت دینا ہے۔ اس کے معجزہ ہونے کا تعلق اس کی فصاحت و بلاغت اور حیران کن اسلوب سے ہے۔ نہ کہ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ لفظوں کے بے مقصد الٹ پھیر سے۔

ڈاکٹر صاحب بیان کر چکے ہیں کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ نشانیوں یعنی آیات کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی مانتے ہیں کہ سائنس بہت دفعہ یوٹرن لیتی ہے۔ چنانچہ اگر قرآن میں سائنس سے متعلق سوال کا جواب نہ ملے تو اس کے معجزہ ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ ہی اس میں کوئی نقص لازم آئے گا۔ ایسے ہی وہ مولانا جو کہ سائنس سے آشنا نہیں اور کسی سائنسی خامی کی تردید نہیں کر پاتے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ ابن سینا منطق و فلسفہ اور طب دونوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اور اس نے ان دونوں فنون پر کتب تحریر کی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے اپنی کتاب القانون جو کہ طب

کے موضوع پر ہے اس میں منطق کا فلاں مسئلہ کیوں بیان نہیں کیا۔ تو یہ اس شخص کی جہالت کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح ہر چیز کے قرآن سے ثبوت کا مطالبہ کرنے والے جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ خود کہہ رہے ہیں قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ اور اگر گزشتہ دنوں کے سائنسی حقائق کئی دفعہ یوٹرن لے چکے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ڈاکٹر ذاکر صاحب کے ذکر کردہ سائنسی حقائق یوٹرن لے لیں۔

حضرت معاذہ رحمہ اللہ علیہا ایک تابعی خاتون تھیں۔ بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔ انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ مسلم شریف جلد ا صفحہ ۱۵۳ پر ان سے ایک روایت درج ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رمضان میں کسی عورت کو حیض آجائے تو وہ روزوں کی قضاء کرتی ہے لیکن نمازوں کی قضاء نہیں کرتی۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا "احروریۃ انت" کیا تو حروریۃ ہو گئی ہے یعنی نیچری ہو گئی ہے؟۔ کہ احکام شریعت میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ انہوں نے کہا میں حروریۃ نہیں ہوئی دین میں ٹانگ اڑانا میرا مقصد نہیں صرف حکمت معلوم کر رہی ہوں۔ حرور ایک خوارج کا گاؤں تھا۔ یہ لوگ دین وشریعت کو اپنی عقل کے معیار سے جانچنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی سمجھ کے ترازو میں تولتے تھے۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاذہ رحمہ اللہ علیہا سے فرمایا کہ کیا تو دین میں اپنی عقل کو دخل دے رہی ہے یہ تو ان لوگوں کا طریقہ ہے جو حروراء بستی میں رہتے ہیں۔ اسی لئے اس لفظ کا ترجمہ "نیچری" کیا گیا ہے۔ آج کے دور میں بہت سے لوگ دین کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں جب سمجھ نہیں آتا تو منکر ہو جاتے ہیں۔ بہر حال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حکمت نہیں بتائی بلکہ ایک مومنانہ مضبوط جواب دے دیا کہ عمل کرنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگوں کو حیض آتا تھا تو نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا اور رمضان میں حیض آجاتا تھا تو ان دنوں کے روزوں کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا۔ درحقیقت ایک مومن بندہ کے لئے یہ جواب بالکل کافی ہے کیونکہ مقصد

زندگی حکم ربی کی تعمیل ہے نہ کہ علت وحکمت کی تلاش۔

☆ صدر کی تعریف

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنی تقریر "کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟" کے سوالات وجوابات میں ایک نو مسلم طالبہ کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ:

"اللہ بعض لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ مہر لگائی دل پر۔ لہٰذا وہ لوگ سچائی کے قریب نہیں آتے وہ مہر بند ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آج سائنس ترقی یافتہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ دماغ سوچتا ہے دل نہیں۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ دل ہے (جو سوچتا ہے) لہٰذا کیا یہ خامی نہیں ہے قرآن کی؟ اگر آپ نے غور کیا ہو تو میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں قرآن کی ایک آیت تلاوت کی تھی سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 25-28 جو کہتی ہے:

ترجمہ: "اے میرے رب! میرا سینہ میرے لئے کھول دے۔"

یہاں دوبارہ لفظ "صدر" آیا ہے لہٰذا اللہ میرا سینہ کیوں بڑھائے۔ عربی میں صدر کے دو معنی ہیں ایک دل اور دوسرا مرکز۔ اگر آپ کراچی جائیں تو صدر ملے گا اور اسی طرح اور بھی صدر فلاں فلاں۔ لہٰذا عربی زبان میں صدر کے معنی دل کے ساتھ مرکز کے ہیں۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تمہارے مرکز مہر بند کر دیئے۔ دماغ۔ میرا خیال ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 188)

ڈاکٹر صاحب نے آیت کی جو تفسیر کی ہے یہ تفسیر بالرائے ہے اور دنیا کی کسی تفسیر میں قرآن میں آنے والے لفظ "صدر" کے یہ معنی نہیں آئے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس کا درست معنی نہیں آیا تو اپنی جہالت کا اقرار کرنے کی بجائے اوٹ پٹانگ جواب ہانک دیا۔ اور مطمئن ہو گئے کہ میں نے جواب دے دیا۔ اس کا درست جواب یہ نہیں

☆قرآن سمجھنا علماء کا کام نہیں

ڈاکٹر صاحب حیدرآباد کی ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سمجھنے کا کام صرف علماء کا ہے۔عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔اللہ تبارک وتعالی ایک سورت میں چار مرتبہ سورۃ قمر میں کہتے ہیں کہ ولقدیسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان بنایا۔جب اللہ تعالی کئی آیتوں میں کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن آسان بنایا تو آپ اللہ تعالی کی بات مانیں گے یا ان مسلمانوں کی جو کہتے ہیں کہ صرف علماء کے لیے ہے۔

☆ڈاکٹر صاحب نے تفسیر بالرائے کی ہے اور قرآنی آیت ولقدیسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر بطور دلیل پیش کی ہے۔حالانکہ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ قرآن پڑھنا صرف عالموں کا کام ہے۔قرآن سمجھا علماء سے جائے نہ کہ عصری علوم کے ماہرین سے۔اگر دنیا میں کوئی فن بھی ماہرین فن کی صحبت اور تربیت کے بغیر صرف مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہو سکتا تو قرآن کا فہم اس اصول سے کیوں مستثنیٰ ہے؟۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں قرآن کے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان ہونے کا ذکر ہے۔یعنی پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت پکڑنے کا بیان ہے۔اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ کتاب ہر طرح سے آسان ہے۔اگر اس کے معانی ومفاہیم ہر طرح سے آسان ہوتے تو صحابہؓ کو قرآن کے الفاظ کے معانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھنا پڑتے۔مثلاً ایک صحابی کو آیت صوم میں لفظ الخیط الابیض اور الخیط الاسود کا معنی صحیح سمجھ میں نہ آیا اور وہ اسے دھاگا خیال کرتے رہے۔بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور صبح کی سفیدی ہے۔
اگر قرآن سمجھنے کا دارومدار صرف عربی جاننے پر ہوتا تو صحابہ جو اہل لغت تھے انہیں بعض آیات کے سمجھنے میں دشواری کا سامنا نہ ہوتا۔اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام زباں داں اور عربی فصاحت وبلاغت سے پورے طور پر واقف ہونے کے باوجود بعض آیات کا مطلب نہیں سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔آیت حج (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع

الیہ سبیلاً) نازل ہوئی تو ایک صحابی نے دریافت کیا (أ کل عام هذا یا رسول اللہ.......الخ) یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا ہر سال کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی کہ ہر شخص پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے بشرطیکہ اس میں فرضیت حج کی شرائط پائی جائیں۔

اس طرح تیمم سے متعلق آیت نازل ہوئی (فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً) اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ تو صحابہ کرام کو واضح طور پر معلوم نہ ہوسکا کہ یہ تیمم صرف وضو کی ضرورت کے وقت کے لئے ہے یا غسل واجب کے لئے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صحیح مفہوم متعین کیا کہ جو تیمم وضو کا قائم مقام ہے وہی غسل کا بھی قائم مقام ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات کسی کلام کا صحیح مفہوم صرف مخاطب کے ذریعہ ہی متعین ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کو علماء سے متنفر کرنے کی خاطر آیت کا مصداق ہی بدل دیا کہ ہم نے قرآن آسان بنایا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بات مانیں گے یا ان مسلمانوں کی جو کہتے ہیں کہ صرف علماء کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے تلبیس کرنے والوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب اور بعض گمراہ خیال لوگوں نے یہ پھیلانا شروع کیا ہے کہ قرآن ایسی کتاب نہیں جس کا علم کسی خاص طبقہ تک محدود ہو۔ بلکہ یہ ایک آسان کتاب ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (القمر)۔ ہم نے قرآن آسان کردیا تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

چنانچہ جدید فکر والا طبقہ اپنی بساط علمی اور استعداد فکری کے مطابق قرآن کی کسی آیت کا جو معنی چاہتا ہے متعین کرلیتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دینے لگتا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ "قرآن آسان کردیا" کی حقیقت کیا ہے؟۔ کیا یہ عربی کی معمولی شُد بُد سے سمجھا سکتا ہے اور کیا ہر شخص کو اس سے مسائل واحکام کے استخراج کا حق حاصل ہے؟ جیسا کہ آج کل فہم قرآن اور ترجمہ قرآن کے نام سے پڑھنے اور پڑھانے والے کررہے ہیں۔ ان کے

نزدیک قرآن کو سمجھنے کے لئے کسی خاص علم وفن کی ضرورت نہیں۔ نیز چونکہ قرآن تو ایک آسان کتاب ہے۔ اس کے فہم کے لئے کسی مستند معلم اور راہنما کی ضرورت ہی نہیں۔ ہر شخص لغت سے ترجمہ کر کے اس کا مطلب خود سمجھ سکتا ہے۔ اور علماء حق جنہوں نے مسلمانوں کے دل ودماغ پر تسلط جما رکھا ہے ان کی گرفت کو ڈھیلا کر کے ان کے وقار کو ختم کر دیا جائے۔ اگر اس فہم قرآن اور ترجمہ قرآن کے لئے عربی کی معمولی استعداد کافی نہیں تو پھر کون سی شرائط ہیں جن کے بغیر کسی شخص کا فہم قرآن کا دعویٰ درست نہیں؟۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن نے اس کو آسان کہا ہے جیسا کہ سورۃ قمر میں یہ آیت ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر متعدد بار آئی ہے۔ اگر اس سورۃ میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ شروع سورۃ میں قیامت کا ذکر ہے اور ان لوگوں پر شدید ناراضگی کا اظہار ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی میں دن رات مشغول رہتے ہیں اور داعی حق کی آواز کو نہیں سنتے۔ اس کے بعد علی الترتیب قوم نوح۔ عاد۔ ثمود اور لوط کی نافرمانی اور سرکشی اور اللہ کے غضب سے ان کے تباہ و برباد ہو جانے کا بیان ہے۔ اور پھر ہر واقعہ کے بعد بطور تنبیہ کہا گیا۔ فکیف کان عذابی و نذر............ فھل من مدکر۔ پس کس طرح پورا ہوا ان کے لئے میرا عذاب اور ڈرانا............ پس کیا کوئی ہے (اس سے) نصیحت حاصل کرنے والا؟

اس آیت کا سیاق اور اس کا ماقبل سے ربط بتا رہا ہے کہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کی آسانی بیان فرما کر اس سے سبق لینے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کی زبان میں اس کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟۔ آیئے ایک دوسری جگہ سورۃ مریم میں ملاحظہ کیجیے۔ فانما یسرنٰہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوما لدًا۔ (اور بے شک ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ تم اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو قوموں کو ڈراؤ)

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ قرآن میں ترغیب وترہیب سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ نیک لوگوں کو فلاح کی خوشخبری سنائیں اور سرکشوں کو وعید۔ تاکہ وہ

سمجھیں کہ جو قادر مطلق عاد و ثمود کی سرکش قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے اور قوم لوط پر پتھروں کی بارش کر کے انہیں ختم کر سکتا ہے وہ اگر چاہے تو ان سرکشوں کو بھی سب کچھ کر سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن کے سہل ہونے کے معنی اس کی تعلیمات کا آسان ہونا ہے۔ وہ جن حقائق کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے وہ واضح ہیں اور ان پر عمل کرنا بھی دشوار نہیں۔ ان احکام کو جتنا ایک عربی دان سمجھ سکتا ہے اتنا ہی غیر عربی دان بھی اردو یا کسی اور زبان کا ترجمہ دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے۔

لیکن فہم قرآن سے مراد اگر وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا کہ بعض چیزوں کے متعلق حسن وقبح کے احکام معلوم ہو جائیں تو پھر یہ قابل اختلاف نہیں۔ اور اگر اس فہم قرآن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص مجتہدانہ طور پر احکام کا استنباط کر سکے۔ قرآن کی کسی آیت کو پڑھ کر اس کے واقعی اور حقیقی مفہوم کو متعین کر سکے۔ اس کے معیار بلاغت کو دریافت کر کے یہ سمجھ سکے کہ یہاں کلام کا مقتضائے حال کیا ہے اور کس چیز پر زیادہ زور دینا منظور ہے؟۔ اس کا مدلول مطابقی اور مدلول التزامی کیا ہے اور یہاں کیا مراد ہے؟ تو یہ بات یقینی ہے کہ اس مراد و غرض کے اعتبار سے فہم قرآن کسی ترجمہ کے دیکھ لینے یا خود ترجمہ کر لینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے خاص شرائط و آداب ہیں کہ جب تک وہ نہ پائے جائیں کوئی شخص فہم قرآن کا مدعی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ پارہ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۷ میں ہے۔ هو الذی انزل علیك الکتب منه آیت محکمات هن أم الکتب واخر متشبهت۔ (وہ خدا وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اس کی بعض آیتیں عام فہم ہیں وہ اس کتاب کی اصل ہیں اور دوسری کئی پہلو والی ہیں) اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب آیتیں یکساں نہیں بلکہ مراد کے واضح اور مخفی ہونے کے اعتبار سے ان میں باہمی فرق ہے۔ آگے مزید وضاحت فرمادی۔ فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله.........الخ۔ (پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ فتنہ کی جستجو اور اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے کتاب میں سے ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جن میں کئی پہلو نکلتے ہیں حالانکہ ان آیات کی اصل حقیقت صرف اللہ اور علمائے راسخین جانتے ہیں جب کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان

لے آئے۔ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی پڑھتے ہیں) اس آیت سے مزید معلوم ہوا کہ قرآن کی بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کی مراد اللہ کے سوا صرف علما راسخین کو معلوم ہو سکتی ہے، ہر شخص خواہ عالم راسخ ہو یا نہ ہو ان آیات کی مراد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چونکہ قرآن میں اصول اور کلیات کا ذکر ہے جزئیات کا نہیں۔ اس لئے قرآن فہمی تب ہی ہوگی جب اصول سے فروع اور کلیات سے جزئیات کے استخراج و استنباط کی صلاحیت ہو۔ استنباط مسائل اور استخراج احکام میں سب لوگوں کی صلاحیت یکساں نہیں ہوتی اس لئے ان میں بھی باہمی فرق ہوگا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی فہم قرآن میں برابر نہ تھے۔ ایک مفسر قرآن اور مشہور تابعی حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "میں نے صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا تو دیکھا کہ ان کا علم چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت معاذ۔ حضرت ابودردا اور حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ قرآن فہمی میں ان حضرات کا درجہ بھی مختلف ہے۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ نے آگے فرمایا کہ میں نے ان چھ بزرگوں سے شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود پر ختم ہو گیا۔

ہمارے ہاں ہر وہ شخص جو عربی میں معمولی شد بد پیدا کر لیتا ہے خود کو قرآن کے حقائق و مطالب پر کلام کرنے کا مستحق سمجھتا ہے اور ائمہ تفسیر کے برخلاف خود اپنی طرف سے جدت بیانی کرتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں کرتا۔ لغت اور ادب کے بڑے امام حضرت اصمعی رحمہ اللہ جنہوں نے برسوں اس کام پر صرف کئے۔ قرآن کے بارے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے کسی آیت کی بابت دریافت کیا جاتا تو کہتے۔ "عرب اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں میں نہیں جانتا اس سے کیا مراد ہے (المزہر جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

چنانچہ فہم قرآن کا معاملہ ایسا آسان نہیں کہ ہر شخص خواہ اہل ہو یا نہ ہو کلام الٰہی کی نسبت طبع آزمائی

کرنے لگے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول جب تک کسی شخص میں عربی عبارت کو عربی کے ہی انداز فہم و تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ اور قرآنی مفہوم کے بہت سے پہلو اس کی عقل میں نہ آ سکیں گے۔ بعض اوقات کلام میں کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے اور اس بنا پر مختلف معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اہل زبان کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہاں وہی مراد ہوتا ہے۔ آج کل کے عربی دانوں کے مطابق ایک واقعہ پڑھیے اور سر دھنئے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ پشاور کے ایک مرید سے جسے دہلی رہتے ہوئے عرصہ بیت چکا تھا فرمایا۔ "میاں ذرا صراحی اٹھالانا اور دیکھنا پیٹ پکڑ کر اٹھانا"۔ سمجھدار مرید نے ایک ہاتھ سے صراحی کی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑا اور اس شان سے صراحی حضرت شیخ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ زباں دانی اور ذوق لسانی کا فرق ملاحظہ کیجئے ایک عرصہ دہلی میں رہنے کی وجہ سے وہ مرید اردو داں ضرور ہو گیا لیکن زباں کے ذوق سے بالکل بے بہرہ تھا۔ ورنہ اسے معلوم ہوتا کہ "پیٹ پکڑ کر اٹھانا" میں پیٹ کس کا ہوگا صراحی کا یا اپنا۔ اہل زبان کے نزدیک تو اس کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے۔ آج کل کے عربی دانوں کی حالت پر بے اختیار اپنا پیٹ پکڑنے کو جی چاہتا ہے۔ پس ہر کلام کا صرف ایک ہی مفہوم ہوتا ہے۔ علما بلاغت نے اسی بنا پر کہا ہے کہ الفاظ میں ترادف ہے ہی نہیں۔ اور کلام کا مطلب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ غیر زباں دان تو طرح طرح کی تاویلیں کرتا ہے لیکن صحیح مخاطب جب اس کلام کو سنتا ہے تو فوراً ایک مفہوم متعین کر لیتا ہے۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ بلاغت کے مدارج و مراتب لامحدود ہیں۔ یعنی کسی کلام کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس پر بلاغت ختم ہے۔ کیونکہ بلاغت کی تعریف کلام کا مقتضیٰ حال کے مطابق ہونا ہے۔ اور ذرا ذرا سے فرق سے حال اور مقتضیٰ حال کی مطابقت کی اس قدر قسمیں پیدا ہوتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک مثال لیجئے کہ فلسفہ اخلاق میں کسی قوت کے اعتدال سے جو ملکہ پیدا ہوتا ہے فضیلت کہلاتا ہے۔ اور اس کے برخلاف قوت کی افراط و تفریط

سے جو ملکہ پیدا ہوتا ہے اسے رذائل میں شمار کرتے ہیں۔ کسی ملکہ کا اچھا یا برا ہونا ایک دوسرے کے اعتبار سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔ لیکن ان اقسام کی تحدید و تعیین نہیں کی جا سکتی۔ تھوڑے تھوڑے فرق و امتیاز سے اور قوت اعتدال کی کمی بیشی کے لحاظ سے جس طرح بے شمار رذائل نکل آتے ہیں ان کے مقابل لاتعداد فضائل بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہی حال بلاغت کے مدارج و مراتب کا ہے۔ کلام خواہ کتنی ہی بلاغت رکھتا ہو کسی دوسرے کلام سے کمتر ہو سکتا ہے۔ اب بلاغت کے مدارج کا لامحدود ہونا سامنے رکھتے ہوئے علما بلاغت کی بات پر غور کریں کہ قرآن بلاغت کے اس انتہائی مرتبہ کو حاوی ہے جو کسی کلام کے لئے انتہائی سے انتہائی مرتبہ ہو سکتا ہے۔

اس تمہید سے عربیت کے صحیح ذوق کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ ائمہ عرب کے کلام کی مزاولت و ممارست سے ایسا ذوق پیدا ہو جائے کہ عربی کلام کے مدلول اور منطوق کو سمجھ سکے۔ اس کے اشارات و کنایات سے واقف ہو۔ الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کر سکے۔ پس اس طرح کا ذوق عربیت سالہا سال کی عرق ریزی۔ محنت و کاوش۔ عمیق و وسیع مطالعہ اور بہترین دماغی اور ذہنی صلاحیتوں کے کار آمد بنانے کے بعد ہی حاصل ہے۔ اور قرآن بلاغت کے جس مرتبہ پر فائز ہے اسکے لئے صرف ان حضرات کے علاوہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صحبت سے فیض یاب کیا۔ کوئی دوسرا دعوٰی کے ساتھ نہیں کر سکتا کہ کسی آیت کا مطلب وہی ہے جو اس نے سمجھا ہے۔ اسی لئے تفسیر بالرائے کو منع کیا گیا۔ جیسے چند پہلے متجدد کرتے رہے اور اب ڈاکٹر ذاکر صاحب یا اسی قسم کے دیگر متجدد کر رہے ہیں۔ عربی کی معمولی شد بد حاصل کر لینے سے کسی کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ مدعیانہ رنگ میں ان لوگوں کے مقابل آئے جنہوں نے اپنی عمریں ان ہی علوم اسلامیہ کی خدمت میں بسر کی ہیں۔ سائل کی حیثیت سے آپ اپنے شکوک و شبہات کو علما کرام کے سامنے رکھ کر جواب کے طالب ہو سکتے ہیں۔ لیکن مخصوص خیالات کو ذہن میں سمو کر عربیت سے ناواقفیت ہونے کے باوصف مجتہدانہ انداز میں کلام کرنا جائز نہیں اور نہ ہی یہ اجازت ہے کہ ایسا شخص کسی امام پر جس کی بات اس کے خیال کے موافق نہ ہو بے تکلف تنقید شروع کر دے۔

اب صرف دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو خود عربیت کا ذوق پیدا کیجئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کر کے بصیرت ونظر حاصل کیجئے یا پھر ائمہ اسلام اور علماء دین پر اعتماد کیجئے۔ اس کے سوا کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

وہ جدیدیت زدہ حضرات جو فہم قرآن کے مدعی ہیں اور دوسروں کو ترجمہ قرآن پڑھا رہے ہیں۔ انہیں بتانا چاہیے کہ وہ کہاں تک اس دعوٰی کے اہل ہیں۔ قرآن اگرچہ آسان ہے لیکن کسی چیز کے آسان ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کے سمجھنے کے لئے نہ اس کے بنیادی اصول جاننے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے لئے کچھ اصول موضوعہ ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔ جب الفاظ قرآن کے مدلولات کا علم نہ ہوگا جو کہ علم لغت کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر علم تصریف۔ بیان اور بدیع کی ضرورت ہے۔ معانی پر الفاظ کی دلالت حقیقی اور دلالت مجازی سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کبھی الفاظ کی ترکیب اپنے ظاہر کے اعتبار سے کسی چیز کا اقتضا کرتی ہے لیکن کے لئے کوئی مانع ہوتا ہے۔ چنانچہ الفاظ سے مجازی معنی مراد لینے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ نسخ وسبب نزول کا علم بھی ضروری ہے تاکہ قرآن کی مبہم باتیں بھی معلوم ہوسکیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح احیاء العلوم للمرتضٰی الزبیدی۔ جلد ۴ صفحہ ۵۳۰)

امام ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ من زعم انه يمكنه ان يفهم شيئا من بلاغة بنفسه فهو كاذبٌ مُبطِلٌ (الاتقان للسیوطی) جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ خود بلاغت کی مشق ومہارت کئے بغیر قرآن مجید کی بلاغت کو تھوڑا بہت سمجھ سکتا ہے۔ وہ جھوٹا اور باطل گو ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر ذاکر صاحب۔ چوہدری صاحب یا راہنمائے ترجمۃ القرآن والے موصوف خود سوچ لیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا جائے جو عربی زبان سے واقف نہ ہو اور اس کے باوجود کلام اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اس شخص کو سزا دوں گا۔ (شرح احیاء العلوم للمرتضٰی الزبیدی۔ جلد ۴ صفحہ ۵۳۹)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب کے متعلق کلام کرے اگر وہ لغات عرب کو نہیں جانتا"۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ جو شخص عربیت سے ناواقف ہے وہ بسا اوقات ایک آیت پڑھتا ہے اور اسی طرح کسی لفظ کو پڑھتا ہے کہ وہ اس کے لئے باعث ہلاکت بن جاتا ہے۔

چنانچہ ہماری درخواست ان لوگوں سے بھی ہے جو عربی دانی کے شوق میں ان بے استادوں کے چنگل میں پھنس گئے ہیں کہ اپنی عربی دانی کے لئے قرآن کو تختۂ مشق نہ بنائیں۔

قرآن سے جہاں تک نصیحت حاصل کرنے کا تعلق ہے اس میں کسی عالم وغیرہ عالم کی تخصیص نہیں کی جاتی البتہ جب قرآن کے علم کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے ان لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے جو مفہوم کلام پر مکمل طور پر حاوی ہو کر احکام کا استنباط کر سکیں۔ اور یہ تقسیم عمل کا اصول ہے۔

☆عموم قدرت کا انکار

ذاکر نائیک اپنی تقریر "کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟" کے سوالات وجوابات میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"اس طرح خدا (ایک شخص میں بیک وقت) اونچا، پستہ قد کی تخلیق نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ لمبے شخص کو چھوٹے قد میں تبدیل کر سکتا ہے لیکن وہ اس کے بعد لمبا نہیں رہے گا۔ وہ چھوٹے قد کو لمبے میں تبدیل کر سکتا ہے تو وہ شخص پھر چھوٹا نہیں رہے گا۔ لیکن آپ کے پاس لمبا، چھوٹا شخص نہیں ہو سکتا۔ آپ کے پاس درمیانہ آدمی ہو سکتا ہے جو نہ لمبا ہو اور نہ چھوٹا۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ تعالیٰ موٹا پتلا آدمی نہیں بنا سکتے۔ یہاں ہزاروں ایسی چیزیں میں گنوا سکتا ہوں جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نہیں کر سکتے۔ اللہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جب وہ جھوٹ بولے تو وہ اس لمحے خدا نہیں رہتا۔ خدا نا انصاف نہیں ہو سکتا۔ جس لمحے وہ نا انصاف ہوتا ہے تو وہ خدا نہیں رہتا۔" (بحوالہ خطاب ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 205)

☆اللہ تبارک وتعالیٰ تو قرآن میں فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ مگر ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اللہ کئی چیزوں پر قادر نہیں۔ کیا یہ اللہ کے عموم قدرت کا انکار نہیں؟۔

باقی رہا ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ لمبا چھوٹا آدمی بنانے پر قادر نہیں۔ تو یہ ڈاکٹر صاحب کی سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ قدرت ممکنات پر ہوتی ہے۔ بیک وقت لمبا اور چھوٹا ہونا اجتماع نقیضین ہے جو محال ہے۔ ایسے اعتراضات تو دہریوں کے ذہن میں بھی نہیں پیدا ہوتے تھے۔

☆ اجتہاد اور تقلید

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی گفتگو بعنوان عالمی بھائی چارہ میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔

"بعض مسلمانوں سے جب پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو جواب ملتا ہے میں حنفی ہوں۔ بعض کہتے ہیں میں شافعی ہوں۔ بعض کہتے ہیں میں مالکی ہوں اور بعض کا جواب ہوتا ہے میں حنبلی ہوں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تھے؟ کیا وہ حنفی تھے؟ حنبلی تھے؟ مالکی تھے؟ یا شافعی تھے؟ وہ صرف اور صرف مسلمان تھے۔

قرآن کی سورۃ آل عمران سورۃ نمبر 3 آیت نمبر 52 میں ارشاد ہے:

ترجمہ: جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر اور انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے۔"

حواریوں نے جواب دیا۔ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ نمبر 41 حم السجدہ آیت نمبر 33

ترجمہ: "اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

یعنی اچھا وہ ہے جو کہے کہ میں مسلم ہوں۔ جب بھی کوئی آپ سے یہ سوال کرے کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ کا جواب ہونا چاہئے کہ میں مسلمان ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں اگر

کوئی یہ کہے کہ مجھے بعض معاملات میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور عظیم عالم کی رائے سے اتفاق ہے۔ یا یہ کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یا امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں ان تمام فقہاء کا احترام کرتا ہوں۔ اگر کوئی امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ کی تقلید کرتا ہے تو میرے نزدیک اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں لیکن جب آپ کی

پہچان کے بارے میں سوال کیا جائے تو آپ کا جواب ایک ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ میں مسلمان ہوں۔(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک۔ اسلام پر کئے جانے والے سوالات اور ان کے تحقیقی جوابات صفحہ 379-380)

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام پر چالیس اعتراضات" کے سوالات و جوابات میں ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"اس لئے سب مسلمانوں کو قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور آپس میں تقسیم نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، سورۃ انعام سورۃ نمبر 6 آیت نمبر 159 میں:

ترجمہ:۔"بے شک جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور گروہ در گروہ ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ فقط اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں جتلا دے گا وہ جو کچھ کرتے تھے۔"

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو الگ رہنے کا حکم دیا ہے، جنھوں نے دین کو فرقوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جب کسی مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو تو عموماً یہ جواب ملتا ہے کہ میں سُنی ہوں یا میں شیعہ ہوں اسی طرح کچھ لوگ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی کہتے ہیں اور کوئی یہ کہتا ہے کہ میں دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں۔ ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تھے؟ کیا وہ حنبلی، شافعی، حنفی یا مالکی تھے؟ بالکل نہیں۔ وہ اللہ کے تمام پیغمبروں جیسے ہی مسلمان تھے جو ان سے پہلے ہوئے۔

اسلام کے ماننے والے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ خود کو مسلمان کہیں۔ اگر ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے تو جب اس سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو اسے جواب دینا چاہئے کہ میں مسلمان ہوں۔ اسے اپنے آپ کو حنفی اور شافعی وغیرہ نہیں کہنا چاہئے۔ قرآن میں سورہ حم سجدہ سورۃ نمبر 41 آیت نمبر 33 میں ہے:

ترجمہ:۔"اور اس سے بہترین کس کا قول ہے جو بلائے اللہ کی طرف اور اچھے عمل کرے اور کہے

بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

دوسرے الفاظ میں آپ یہ سمجھیں کہ یہ آیت یہ کہنے کا حکم دے رہی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ ہمیں ائمہ اسلام کا احترام کرنا چاہئے جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ کرام شامل ہیں۔ یہ سارے کے سارے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی تحقیق اور محنت کا اجر انہیں عطا فرمائے۔ اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ کے عقائد ونظریات اور ان کی تحقیق سے متفق ہوتا ہے تو اس پر کسی کو معترض نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن جب کوئی آپ سے یہ پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو اسے یہ جواب دینا چاہئے کہ میں مسلمان ہوں۔ (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 438 تا 441)

ڈاکٹر صاحب ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

"چار فقہی مسالک (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) کا آغاز دوسری صدی (ہجری) میں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فقہی مسالک اس وقت سامنے آئے جب اسلام خاصا مستحکم ہو چکا تھا۔ یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک مسلمان چار فقہی مسالک میں سے کسی ایک کو لازماً اختیار کرے۔ اگر وہ دین کا کافی علم رکھتا ہے اور علم کی بنیاد پر مختلف فقہی مسالک کے درمیان موازنہ کر کے اپنے لیے راہ منتخب کر سکتا ہے تو ایسے شخص کو اپنے علم پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

☆ ہم حنفی کیوں کہتے ہیں

☆ جناب ذاکر نائیک صاحب کے لئے مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ کے ایک مضمون کا خلاصہ حاضر ہے کہ:

جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں فقہ حنفی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نہیں تھے۔ آپ کہیں گے کہ وہ کیسے؟۔ میں کہتا ہوں حدیث بخاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی؟۔ آپ کہیں گے کہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ حضور علیہ السلام کے زمانے میں تھے؟۔ آپ کہیں گے کہ نہیں۔ چنانچہ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضور کے زمانہ کی حدیثیں ہی جمع کی ہیں۔ یہ

حدیثیں آپ کے زمانہ میں تھیں۔ اگر چہ امام بخاریؒ آپ کے زمانہ میں نہ تھے۔ اسی طرح فقہ کتاب وسنت سے ماخوذ مسائل کا نام ہے اور کتاب وسنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھیں۔ جیسے امام بخاریؒ نے احادیث کو مرتب کر دیا اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے کتاب وسنت میں موجود مسائل کو مرتب کر دیا ہے۔ خود نہیں گھڑا۔ چنانچہ امام مجتہد برملا کہتے ہیں "اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ" قیاس کتاب وسنت میں موجود مسائل کو ظاہر کرتا ہے۔ ثابت نہیں کرتا۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی تک جتنے اہل السنۃ والجماعت محدثین گذرے ان میں سے کسی نے بھی صحابہ کرامؓ کی احادیث اور تابعین رحمہم اللہ کی فقہی کاوش و فتاوٰی پر انکار نہیں کیا۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ ایک بھی حدیث کی کتاب ایسی نہیں جس میں اجماع وقیاس کا انکار ہو بلکہ سب میں قیاسی اقوال کم وبیش ملتے ہیں۔ ان کی تبویب و تخریج میں قیاس کا دخل ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دین کو فرقوں میں بانٹ رکھا ہے کچھ لوگ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی کہتے ہیں اور کوئی یہ کہتا ہے کہ میں دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں۔ ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تھے؟ کیا وہ حنبلی، شافعی، حنفی یا مالکی تھے؟

☆ فرق اتنا ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی جن مسائل پر عمل کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان مسائل کا یہ نام نہ تھا کہ یہ فقہ حنفی کے مسائل ہیں۔ جیسے قرآن پاک کی ساتوں قراء تیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھیں لیکن اس وقت ان کا نام قاری عاصم کی قراءت یا قاری حمزہ کی قراءت نہیں تھا۔ اسی طرح صحاح ستہ کی کل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی احادیث ہیں لیکن اس وقت ان احادیث کو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ بخاری کی حدیث ہے۔ وہ نسائی کی۔ فلاں ابن ماجہ کی اور فلاں ابوداؤد کی۔ پس اگر فقہ کا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا نام اس وقت فقہ حنفی نہ تھا تو اس قرآن کا بھی انکار کیا جانا چاہیے کیونکہ اس وقت اس کا نام قاری عاصم کی قراءت نہ تھا۔ اور صحاح ستہ کی احادیث کا بھی انکار ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو

صحاح ستہ کی احادیث نہیں کہا جاتا تھا۔

؎ ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند   روباہ چہ حیلہ کہ بگسلد ایں سلسلہ را

☆ڈاکٹر صاحب اور غیر مقلدین کی طرف سے یہ بات کثرت کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ اصل فتنہ کی جڑ یہ چاروں مسلک ہیں۔(یعنی حنفی مالکی شافعی حنبلی) نہ یہ ہوتے۔نہ اختلاف ہوتا۔اس لیے ان سب کو چھوڑ دینا چاہیے۔پھر بقول احناف اگر یہ چاروں مسلک برحق ہیں تو چاروں پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟۔اس سلسلہ میں مولانا اوکاڑوی نے اپنا ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرمایا ہے۔جس سے ان دونوں سوالوں کا بہت خوبصورت جواب نکل آتا ہے۔مولانا فرماتے ہیں:

جب میں کراچی میں تھا۔ایک دفعہ دس بارہ آدمی جن میں پروفیسر۔وکیل اور لیکچر تھے۔آ کر میرے پاس بیٹھ گئے کہ جی ہم سب پریشان ہیں۔میں نے کہا اللہ خیر کرے۔کیا پریشانی ہے؟۔(جب کوئی بڑوں کو چھوڑتا ہے تو پریشانی ساری عمر جان نہیں چھوڑتی۔آخر مرزا قادیانی مودودی اسی پریشانی ہی کی پیداوار تھے کہ بڑوں کو چھوڑا تو ساری عمر پریشان رہے) کہنے لگے کہ کیا کریں چار مذہب ہو گئے،چار چار۔میں نے کہا کہاں؟ یہاں تو ہمیں صرف ایک ہی مذہب نظر آتا ہے۔بھینگے کو بھی ایک کے دو نظر آتے ہیں۔آپ کو ایک کے چار کیسے نظر آ گئے؟۔کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ہوں گے۔میں نے کہا پھر پریشانی ان کو ہونی چاہیے۔آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ پوچھا کہ یہ چار مذہب کیوں ہوئے؟۔میں نے کہا میں نے تو نہیں بنائے بلکہ پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں کوئی فیصلہ کر لیا ہوگا؟۔بولے جی ہاں چاروں کو ہی چھوڑ دیا جائے۔میں نے کہا ذرا جلدی نہ کرنا۔جو سات قاری ہیں۔قراءت میں ان کا اختلاف ہے۔تو یہ اختلاف بڑا ہے لہذا پہلے قرآن کو چھوڑ دو تا کہ نام بھی بڑا ہو اور کام بھی بڑا ہو۔پھر صحاح ستہ میں بھی اختلافی احادیث ہیں۔یہ بھی چار سے زائد ہیں لہذا ان کو بھی چھوڑ دو۔پھر مذاہب اربعہ کو چھوڑ دینا۔اب خاموش ہو گئے۔ایک کہتا ہے جی کیا چاروں مذہب برحق ہیں؟ میں کہا ہاں چاروں مذہب برحق ہیں۔پھر بولا کہ آپ ایک کے علاوہ دوسروں کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ میں نے

کہا ہماری مرضی۔ بولا مرضی کیوں ہے جب چاروں برحق ہیں تو ہاری باری آپ چاروں کی تقلید کیا کریں۔ میں نے کہا کہ آپ کو چار سے بڑا غصہ ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور سارے ہی برحق ہیں۔ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا جمعہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری میں آپ جمعہ پڑھتے ہیں۔ تو ہفتہ کے دن یہودیوں کے ہاں بھی جاتے ہوں گے؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی برحق ہیں۔ اور اتوار کے دن گرجے میں بھی جاتے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی برحق ہیں۔ تو یہ سارے برحق ہیں لیکن تابعداری صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں باقی سب کو بھی مانتے ہیں۔ کہنے لگا وہاں ناسخ منسوخ کا مسئلہ ہے۔ میں نے کہا وہاں راجح مرجوح کا مسئلہ ہے۔ کہنے لگا کہ اگر چاروں برحق ہیں تو ان میں حلال و حرام کا اختلاف کیوں ہے؟۔ میں نے کہا کہ اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں بھی حلال وحرام کا اختلاف تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ ہوا۔ اب حرام ہے۔ حالانکہ وہ بھی برحق نبی ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی برحق نبی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا اور آج حرام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں بیک وقت تھیں اور آج حرام ہے۔ جبکہ حضرت آدم اور حضرت یعقوب علیہما السلام بھی برحق ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی برحق ہیں۔ کہنے لگا وہاں زمانوں کا اختلاف ہے۔ میں نے کہا یہاں علاقوں کا اختلاف ہے شافعی سری لنکا میں اور حنفی یہاں پر۔ جیسے سارے نبی برحق ہیں۔ ان کے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں احکام میں اختلاف ہے۔ اسی طرح چاروں اماموں میں بھی عقائد کا اختلاف نہیں۔ البتہ احکام میں اختلاف ہے۔ کیونکہ امام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ایک امام کی تقلید میں پوری سنت کا اجر ملتا ہے۔

اب کہنے لگا کہ قرآن مکہ مدینہ میں آیا تھا نہ کہ کوفہ میں۔ لہٰذا مکہ مدینے والے کو امام ماننا چاہیے۔ میں نے کہا سات قاریوں میں سے کئی قاری بھی تھا مدنی بھی۔ جبکہ تم تو دن رات "عاصم کوفی" کی قراءت پڑھتے ہو۔ لہٰذا تم سے بڑا کوفی کون ہے؟۔ اس کا دماغ کچھ ٹھکانے لگا۔ کہنے لگا کہ کوفہ

والوں نے قرآن خود تو نہیں گھڑا تھا۔ بلکہ صحابہؓ جب کوفہ آئے تو قرآن بھی لے آئے۔ میں نے کہا کہ جب قرآن مکہ مدینہ سے لائے تھے تو کیا نماز وہیں رکھ آئے تھے۔ کہنے لگا کہ نماز بھی وہیں سے لائے تھے۔ میں نے کہا کہ جب اول تم نے اہل کوفہ پر قرآن کے بارے میں اعتماد کیا ہے تو نماز کے بارے میں بھی اعتماد کرنا چاہیے۔ ہمیں تو یہ نماز بھی الحمد للہ تواتر کے ساتھ پہنچی ہے۔ اور قرآن بھی تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے کہ ایک رافضی ہمارے قرآن کو غلط کہتا ہے۔ اور دوسرا رافضی ہماری نماز کو غلط کہتا ہے۔

☆مولانا اوکاڑوی مرحوم اپنے استاذ حضرت مولانا عبد القدیر صاحبؒ کا یہ مقولہ اکثر نقل فرماتے تھے: "دیکھو قرآن پاک کی پہلی سورت فاتحہ ہے۔ اسی کا نام ام القرآن ہے اور اسی پر زیادہ جھگڑے ہیں۔ کوئی فاتحہ علی الطعام پر لڑتا ہے اور کوئی فاتحہ خلف الامام پر۔ جب کہ سورۃ فاتحہ میں بنیادی طور پر دو ہی مسئلے ہیں۔ (۱) مسئلہ توحید۔ (۲) مسئلہ تقلید۔ فاتحہ علی الطعام والوں کو توحید اچھی نہیں لگتی اور فاتحہ خلف الامام والوں کو تقلید اچھی نہیں لگتی"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا تو تقلید کی حقیقت سے نا آشنا ہیں یا جان بوجھ کر اس کی حقیقت کو بگاڑ رہے ہیں۔

☆حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تقلید کی تعریف لکھی ہے۔ اِتِّبَاعُ الرِّوَايَةِ دِرَايَةً (عقد الجید) کتاب وسنت پر عمل کرنا ماہر شریعت کی رہنمائی میں۔

ڈاکٹر صاحب کو یہی معلوم نہیں کہ تقلید کن مسائل میں کی جاتی ہے۔ تقلید کون کرتا ہے اور کس کی کرتا ہے؟۔

مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں

ہم عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مسلمان۔ اہل بدعت۔ خوارج کے مقابلہ میں اہل سنت اور شافعی وغیرہ کے مقابلہ میں حنفی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بھارتی کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پاکستانی سرحدی کے مقابلہ میں پنجابی۔ لاہوری کے مقابلہ میں اوکاڑوی کہتے ہیں۔ اوکاڑوی پنجاب

اور پاکستان کو مان کر کہا جاتا ہے کہ چھوڑ کر۔اسی طرح حنفی اپنے آپ کو اہل سنت اور مسلمان مان کر کہا جاتا ہے نہ کہ چھوڑ کر۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جا سکتا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تھے؟ کیا وہ حنبلی، شافعی، حنفی یا مالکی تھے؟ وہ صرف اور صرف مسلمان تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ حال ہے کہ لفظ "یا" کا صحیح استعمال بھی نہیں جانتے۔ یہ لفظ ایک جنس کے درمیان آتا ہے۔ جیسے آج نومبر ہے یا دسمبر؟۔ بدھ ہے یا منگل؟۔ تو محمدی ہے یا موسوی؟۔ حنفی ہے یا شافعی؟۔ اور یہ کہنا مضحکہ خیز ہے کہ تو پاکستانی ہے یا پنجابی؟ آج نومبر ہے یا منگل؟۔ تو محمدی ہے یا حنفی؟۔ جو لوگ اردو کے ایک لفظ کا صحیح استعمال نہ کر سکیں وہ کتاب وسنت کو خاک سمجھیں گے؟۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ "یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک مسلمان چار فقہی مسالک میں سے کسی ایک کو لازماً اختیار کرے۔ اگر وہ دین کا کافی علم رکھتا ہے اور علم کی بنیاد پر مختلف فقہی مسالک کے درمیان موازنہ کر کے اپنے لیے راہ منتخب کر سکتا ہے تو ایسے شخص کو اپنے علم پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

☆ مجتہد کون ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے حسب روایت اپنے سامعین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔اس سلسلہ میں ہم مولانا اوکاڑوی کا اجتہاد وتقلید کے بارے میں مضمون پیش کر رہے ہیں

مسائل فرعیہ دو قسم کے ہیں ا۔منصوص ۲۔غیر منصوص

منصوص کی دو اقسام ہیں (I) منصوصہ متعارضہ (II) منصوصہ غیر متعارضہ غیر متعارض کی بھی دو قسمیں ہیں (الف) محکم (ب) محتمل

☆ یاد رکھیں کہ جو مسائل منصوص غیر متعارض اور محکم ہیں ان میں نہ اجتہاد کی گنجائش ہے اور نہ تقلید کی۔

☆ البتہ مسائل منصوصہ متعارضہ میں مجتہد رفع تعارض کر کے راجح نص پر عمل کرتا ہے۔ اور مقلد بھی مجتہد کی رہنمائی میں راجح نص پر ہی عمل کرتا ہے۔ خیر القرون کے مجتہد متعارضات میں جن احادیث

کوراجح قرار دے کر عمل کر رہے ہوں۔ ہزاروں محدثین فقہاء مفسرین اور کروڑہا عوام ان پر عمل کرتے آرہے ہوں ان پر عمل کرنے کا نام غیر مقلدین عمل بالرائے رکھ دیتے ہیں۔ اور جن احادیث کو خیر القرون کے مجتہد نے مرجوح قرار دیا ان پر عمل کا نام عمل بالحدیث رکھ دیتے ہیں۔

☆ مجتہد مسائل غیر منصوصہ میں قواعد شرعیہ کے مطابق منصوص پر قیاس کر کے جزئی کا حکم ظاہر کرتا ہے۔ اور مقلد اس حکم پر جو مجتہد نے کتاب وسنت سے استنباط کیا ہے عمل کرتا ہے۔ مثلاً سالن میں چیونٹی۔ دودھ میں مچھر۔ شربت میں مچھر گر جائے تو کیا کیا جائے؟ ان کا حکم صراحۃً کتاب وسنت میں منصوص نہیں ہے۔ مجتہد ان سب کو کسی پر قیاس کرے گا۔ اگر ایسا نہ کرے تو غیر منصوص مسئلہ کا حکم کتاب وسنت سے کیسے استنباط کرے؟

☆ اب رہے مسائل منصوصہ محتملہ۔ مجتہد ان کے احتمال کو رفع کر کے نص پر عمل کرنے کی راہ متعین کرتا ہے۔ اور مقلد اس کی رہنمائی میں اس نص پر عمل کرتا ہے۔

یہ ہے دائرہ اجتہاد وتقلید۔ مذکورہ بالا تین قسم (غیر منصوص۔ رفع تعارض۔ رفع احتمال) کے مسائل میں جو استنباط کر سکتا ہے وہ مجتہد ہے اور جو یہ اہلیت نہیں رکھتا وہ اگر ان مجتہدین کی رہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کرے وہ مقلد ہے۔ تقلید کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے۔ اجتہادی مسائل میں جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اس کو مجتہد کہتے ہیں۔ اور جو خود اجتہاد نہ کر سکے اور اجتہادی مسائل میں جو مسئلہ مجتہد نے کتاب وسنت سے استنباط کیا ہے جو شخص اس پر عمل کرے اس کو مقلد کہتے ہیں۔ مجتہد اور مقلد کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے امام اور مقتدی کا۔ اور غیر مقلد ایسا ہے کہ نہ امام ہے اور نہ مقتدی ہے۔ یعنی نہ خود اجتہاد کر سکے نہ مجتہد کی رہنمائی قبول کرے۔ جیسا کہ آج کل کے جدیدیت پسند ہیں۔ جو اہل حدیث کا لیبل چسپاں کئے ہوئے ہیں۔

☆ اہل حدیث سے کون مراد ہیں؟

علامہ ابن تیمیہ نے نقض المنطق صفحہ نمبر ۸ طبع ۱۹۵۱ء قاہرہ میں لکھا ہے۔ ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو محض اس کو سننے یا لکھنے یا روایت کرنے والے ہوں۔ بلکہ ہم اہل حدیث

سے مراد وہ شخص لیتے ہیں جو اس کے حفظ و معرفت کا اہل و لائق اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور اس کے باطن و ظاہر پر عمل کرنے والا ہو۔

یہ بات مسلم ہے کہ صحابہؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی شخص غیر مقلد نہ تھا۔ کتب حدیث کے جامعین یا مجتہد تھے یا مقلد۔ حضرات محدثین کے حالات میں جو کتابیں محدثین یا مؤرخین نے لکھی ہیں ان کے نام بھی اسی قسم کے ہیں۔ طبقات حنفیہ۔ طبقات مالکیہ۔ طبقات شافعیہ۔ طبقات حنابلہ۔ اس کے برعکس طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب آج تک کسی مسلمہ محدث یا مؤرخ کی لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ آپ کسی کتاب سے ان محدثین صحاح ستہ کے بارے میں نہیں دکھا سکتے "کان لا یجتھد و لا یقلد" کہ ان میں اجتہاد کی اہلیت بھی نہ تھی اور نہ وہ تقلید کرتے تھے بلکہ غیر مقلد تھے۔ عجب ہے کہ جن حضرات حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔ مالکی کا فن حدیث میں حصہ ہے ان کو تو اہلحدیث نہ مانا جائے اور جن کا جمع حدیث میں حصہ۔ نہ تنقید حدیث میں۔ نہ اشاعت حدیث میں ان کو اہلحدیث مانا جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ فرقہ نہ مکہ میں پیدا ہوا نہ مدینہ میں اور نہ ہی عرب کے کسی اور شہر میں۔ یہ فرقہ انگریز کے دور حکومت میں پیدا ہوا۔ اور یہیں سے دوسرے ملکوں میں گیا۔ انگریز کے دور سے پہلے نہ ان کا ترجمہ قرآن۔ نہ ترجمہ حدیث۔ نہ کوئی مسجد نہ مدرسہ ملتا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فھو من اھل البدعۃ والنار (طحاوی علی الدرر) جو شخص مذاہب اربعہ سے خارج ہو (نہ حنفی ہو۔ نہ شافعی ہو۔ نہ ہی مالکی اور نہ ہی حنبلی ہو) وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

اگر ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جہاد کے معنی کوشش کے ہو سکتے ہیں تو اجتہاد کے معنی زیادہ کوشش کے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک تانگے ریڑھے والا بھی زیادہ کوشش کرکے مجتہد بن سکتا ہے۔ اور آئن سٹائن دنیا کا سب سے بڑا مجتہد ہونا چاہیے۔

☆اجتہاد

ایک پروگرام "گفتگو" میں کامل سے کیے گئے ایک سوال کہ اجتہاد کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ کے جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا مطلب دین وقرآن کے معنی میں تبدیلی کرنا ہے۔ یا ترک کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش کرنا ہے اور اس کے ترجمے کو بہتر کرنا ہے۔ جیسے قرآن کی سورۂ علق میں ہے کہ اقرا باسم .... یہاں سائنس کے ذریعہ علق کے بارے میں تحقیق کرنا اور ان الفاظ کے دوسرے معنی بیان کرنا اجتہاد ہے۔

☆ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں اجتہاد نہیں کیا جاتا۔ یہ تو صریح گمراہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے کہ جس نے قرآن میں اپنی طرف سے بات کی اگرچہ وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے غلط کیا۔ اسی لئے علماء اسلام نے قرآن کی تفسیر بالرائے کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ جنہوں نے دین فہمی میں منہج صحابہ اور طریق سلف سے اعراض کیا۔ خواہشات کی اتباع کی اور اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کیا۔ اور سب سے زیادہ اپنی عقل ودانش پر بھروسہ کیا وہ معتزلہ اور دہریے تھے۔ یہ کتاب وسنت کی تفسیر بالرائے ہی کی وجہ سے جادہ مستقیم سے بھٹکے اور گمراہ فرقوں میں سرفہرست ہو گئے۔ اور آج کے دور میں طائفہ محمدشاہ لاندہبیہ بھی ان ہی معتزلہ اور دہریہ کے نقش قدم پر چل کر اپنے اجتہاد سے قرآن کی تفسیر کر رہا ہے۔ انہی غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی عربی تفسیر کو تفسیر بالرائے لکھا ہے۔

چنانچہ قاضی ریاض المملكة العربيه السعوديه شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں "میں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر دیکھی۔ اس کو پڑھا چنانچہ آیات صفات الٰہی کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ مولوی ثناء اللہ نے مسئلہ صفات میں گمراہ مبتدعین کی روش اختیار کی ہے۔ جو اہل السنۃ والجماعۃ اور محدثین کے مذہب کے سراسر خلاف ہے بلکہ انہوں نے اپنی تفسیر میں فرق باطلہ، حلولیہ، اتحادیہ، جہمیہ اور معتزلہ کے مذاہب

کو جمع کر دیا ہے۔ اس لئے اس تفسیر سے افذ و استفادہ جائز نہیں۔ اور اس مولوی کی نہ شہادت قبول ہوگی اور نہ امامت درست ہوگی۔ میں نے اس مولوی پر حجت قائم کر دی۔ لیکن اسے اپنی بات پر اصرار ہے۔ اس لئے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں" (فیصلہ مکہ صفحہ ۱۶)

اسی لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ غیر مقلدیت گمراہی کی پہلی سیڑھی ہے۔

☆ حدیث ضعیف

ایک پروگرام "گفتگو" میں لندن سے حدیث کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں حدیث صحیح ہے فلاں نہیں نیز جو قرآن کے خلاف ہو وہ کیا ہے؟ ویسے حضور نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو قرآن کے خلاف ہو یا جس کے مفہوم کا قرآن سے اختلاف ہوتا ہو۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے جواب سے پہلے اس پروگرام کے میزبان نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ حدیث کی وجہ سے فرقے بن گئے ہیں بلکہ بہت سے فرقے حدیث ہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ حدیث کو کیسے پرکھیں۔ بعض اوقات دو احادیث آپس میں نہیں ملتیں یا قرآن سے ٹکراتی ہیں۔ جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ یہ جاننے کے لیے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ایک آسان طریقہ ہے کہ جو محدثین اس کے بارے میں بتا دیتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے۔ وہ اس کے راوی چیک کر کے بتاتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف جاننا چاہیے کہ اس کے راوی کون ہیں۔ یہ جانچ پڑتال کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن عام مسلمان کے لیے سارے علماء کا اختلاف ہے (یہاں اتفاق کہنا چاہیے تھا) کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ سب کا اختلاف ہے (اتفاق ہے) صحاح ستہ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ ان چھ کتابوں کی ساری احادیث صحیح ہیں۔ ان کتابوں کا نام صحاح ستہ یعنی صحیح چھ کتابیں نہیں ہونا چاہیے۔ لوگ کہتے ہیں صحاح ستہ۔ صحیح لفظ ہے کتب ستہ یعنی چھ کتابیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ صحیح ہیں۔ اور اگر کوئی شخص صحیح بخاری

یا صحیح مسلم کا حوالہ دیتا ہے اور چیک کر لیتا ہے کہ وہ بخاری اور مسلم میں ہے تو عام مسلمان اطمینان رکھ سکتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ باقی کتابیں جو ہیں ابوداؤد۔ سنن ابوداؤد۔ سنن ترمذی۔ ابن ماجہ اور باقی جتنی کتابیں ہیں ان کے۔ ان میں کمپھر ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ ان میں صحیح یا ضعیف احادیث ہیں۔ کئی محدثین نے کام کیا ہے۔ اس دور کے ایک ناصر الدین البانی (مشہور متعصب غیر مقلد) انہوں نے صحیح اور ضعیف کو تقسیم کیا۔ مثال کے طور پر صحیح ابوداؤد۔ ضعیف ابوداؤد۔ صحیح ترمذی۔ ضعیف ترمذی۔ اور اگر ایک عام انسان جاننا چاہتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف تو انہیں دیکھے۔ وہ عرب ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ نہیں ہوا۔ نہ میرے علم میں ہے۔ یہ مانے ہوئے محدثین ہیں۔ تو عام علماء یہ مانتے ہیں کہ یہ اس دور کے مانے ہوئے محدث ہیں۔ (یہ ڈاکٹر ذاکر صاحب کی اپنی اردو کے الفاظ ہیں)

☆ ڈاکٹر صاحب ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں "قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کیا جائے۔ عام لوگوں کو بھی معلوم نہیں کہ حدیث کتنی قسم کی ہے۔ کئی مسلمان ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں۔ اس لیے میری تقریر میں صحیح حدیث کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ حدیث اکٹھا ہونے کا سلسلہ سو سال بعد کا ہے۔ حضور کے سو یا دو سو یا تین سو سال بعد جو علماء نے فتوے دیے وہ انہوں نے اپنے محدود علم کے مطابق دیے۔ اس وقت تمام احادیث اکٹھی نہیں ہوئی تھیں۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے آپ ایک سی ڈی پر تمام کتابیں رکھ سکتے ہیں۔ اب صحیح اور ضعیف کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ اس وقت جو محدود حدیثیں ان کے سامنے تھیں اس کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا۔ اور چاروں ائمہ نے یہ کہا کہ اگر میرا فتویٰ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہے تو اسے دیوار پر مارو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا۔ امام احمد بن حنبل نے کہا۔ امام مالک نے کہا۔ اور سارے ائمہ نے کہا کہ اگر قرآن و حدیث میں ملتا ہے تو میرے فتویٰ کو چھوڑ دو۔ آج کے مسلمان دو ائمہ کا فتویٰ لے کر یہ دیکھے کہ کس امام کی بات قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ اگر ہم تحقیق کریں گے تو ہمیں مل جائے گا تب ہم مسلمان واپس صحیح راستے

پر آجائیں گے"۔

☆ایک پروگرام "گفتگو" میں سعودیہ اور پاکستان کی نماز میں فرق بتلاتے ہوئے ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن اور صحیح حدیث میں کیا لکھا ہے۔ مثال کے طور پر بخاری میں لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین زور سے کہنا چاہیے۔ تو ہمیں وہ عمل کرنا چاہیے جو صحیح حدیث کے مطابق ہو۔ اس طریقہ سے نماز پڑھو جیسا کہ حضور نے پڑھی۔ چاروں ائمہ قابل احترام ہیں لیکن حنفی شافعی ضروری نہیں۔ کئی ائمہ کے وقت صحیح حدیث موجود نہ تھی۔ بلکہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے طفیل ہمیں صحیح احادیث مل گئی ہیں۔

☆ایک پروگرام "گفتگو" میں جدہ سے کیے گئے ایک سوال کہ حدیث کا کیسے پتا چلے گا کہ صحیح ہے یا ضعیف؟ کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم حضور تک راویوں کے بارے میں پتا کریں گے اور یہ محدث بتاتے ہیں۔

☆ذاکر نائیک صاحب کا اشارہ جس سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف ہے اس سے مراد غالبا سعودیہ کی تیار کردہ "صحاح ستہ بمع موطا امام مالک" کی سی ڈی ہے جس میں حدیث کی مشہور کتب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ "الشاملۃ" نامی سی ڈی میں ۸۳۳۴ کتب موجود ہیں۔ اور "الجامع الکبیر" نامی سی ڈی میں تقریبا ۱۵۰۰۰ کتب موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ آج کے دور میں سی ڈی کے ذریعہ صحیح اور ضعیف احادیث کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور پہلے محدثین و مجتہدین نے محدود احادیث کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی کہ ائمہ محدثین جنہیں لاکھوں احادیث ان کی اسناد کے ساتھ یاد تھیں۔ یہ ان کے حافظہ اور مطالعہ کو محدود سمجھ رہے ہیں اور خود جس بخاری شریف کا ہر تقریر میں بیسیوں مرتبہ نام لیتے ہیں اس کے تکررات نکال کر سات ہزار کے قریب احادیث کو زبانی بھی نہیں سنا سکتے۔

پھر فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ نے کہا کہ اگر میرا فتویٰ اللہ رسول کے حکم کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر مارو۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بزعم خویش ایک خود تشخیصی پروگرام ترتیب دیا ہے کہ آج کا

مسلمان دو ائمہ کا فتویٰ لے کر یہ دیکھے کہ کس امام کی بات قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ اس طرح مسلمان صحیح راستے پر آ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ جہالت پہلی جہالت سے بھی بڑھ کر ہے کہ وہ ائمہ حضرات جن کے علم و تقویٰ کی نظیر نہیں ملتی۔ امام بخاریؒ جیسے محدثین بھی جن کے شاگردوں کے شاگرد ہیں یہ ان ائمہ مجتہدین کے علم و فضل کو آج کے جہل مرکب کے ذریعہ ماپنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن اور صحیح حدیث میں کیا لکھا ہے۔ مثال کے طور پر بخاری میں لکھا ہے .... الخ

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جو کتب لکھیں انہوں نے کون سی ٹیکنالوجی استعمال کی تھی؟۔ جس کے تحت انہیں تمام صحیح احادیث مل گئیں اور ائمہ مجتہدین جو ان سے پہلے تھے اس ٹیکنالوجی سے محروم رہ گئے۔ رہا یہ اعتراض کہ کئی ائمہ کے وقت صحیح حدیث موجود نہ تھی۔ غلط ہے۔ ہم اسکی تفصیل صفحہ 206 پر لکھ چکے ہیں۔

ڈاکٹر نائیک صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث کی تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد کیا گیا۔ حالانکہ عہد نبوت اور صحابہ کے دور میں احادیث کی بڑی تعداد لکھی جا چکی تھی۔ بعض صحابہ نے اپنے حافظے کے نسیان کی بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھنے کی ترغیب دی۔

صحابہ کے دور میں اکثر حضرات صحابہ کے مجموعے موجود تھے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۳ھ) کے احادیث کے مجموعہ کا نام ''الصحیفۃ الصادقۃ'' تھا۔ اس میں ۵۳۷۴ سے زیادہ احادیث تھیں۔ یہ عہد صحابہ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے ضخیم مجموعہ تھا۔

مستدرک حاکم کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۹ھ) کے مجموعہ میں ۵۳۷۴ روایات تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے۔ عبدالعزیزؒ بن مروان (متوفی ۱۰۱ھ) جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد تھے ان کے پاس مسند ابی ہریرہؓ لکھی ہوئی تھی۔

امام دارمیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد حضرت بشیر بن نہیکؒ نے آپ کی مرویات کو ایک مجموعہ کی شکل میں محفوظ کر رکھا تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں لکھا ہے کہ عبدالملکؒ بن مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث تحریر کروائی تھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں اپنی مسند میں نقل کیا۔ امام مسلمؒ نے بھی اس سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ حاجی خلیفہؒ نے "کشف الظنون" میں اس کا نام "الصحیفۃ الصحیحۃ" ذکر کیا ہے۔ اس مجموعہ میں احادیث کی تعداد ۱۳۸ ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے حضرت علیؓ کے مجموعہ احادیث کا نام "صحیفہ علی" لکھا ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد میں "کتاب الصدقۃ" بھی ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائی تھی۔ اس میں زکوٰۃ۔ صدقات وعشر وغیرہ کے احکام تھے۔ جو اپنے عمال کو بھیجنے کے لئے لکھوائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کے پاس پہنچی۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نقل کی۔ ان سے حضرت سالم بن عبداللہؒ نے نقل کی۔ پھر حضرت سالمؒ سے امام ابن شہاب زہریؒ نے اسے یاد کیا اور روایت کیا۔

امام ابوداؤدؒ کے حوالہ سے صحیفہ عمرو بن حزمؓ کا ذکر موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں نجران کا عامل بنا کر بھیجا تو فرامین کا ایک مجموعہ انہیں دیا۔ جسے حضرت ابی بن کعبؓ نے لکھا تھا۔ اس میں طہارت۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ حج وعمرہ۔ جہاد وغیرہ کے احکام تھے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے "جامع بیان العلم وفضلہ" میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مجموعہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۸ھ) نے حج کے احکام پر ایک مجموعہ حدیث لکھا تھا۔ اس مجموعہ میں ۱۵۶۰ روایات تحریر تھیں۔ جس کا ذکر امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر جلد ۷۔ صفحہ ۱۸۶ پر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۳ھ) کے مجموعہ میں ۱۶۳۰۔ اور حضرت

انس بن مالک رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۳ھ) کے مجموعہ میں ۱۲۸۲ روایات تحریر تھیں۔
تہذیب التہذیب میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحیفہ سمرہ بن جندبؓ کا ذکر کیا ہے جو ان کے صاحبزادہ حضرت سلیمان بن سمرہؓ نے نقل کیا تھا۔ طبقات ابن سعد میں حضرت سعد بن عبادہؓ کے تحریر کردہ مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔
پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بڑے پیانے پر تدوین حدیث کا کام کیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم پر مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن حزمؒ نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کئے۔ اس کا ذکر علامہ ابن عبدالبرؒ نے "التمہید" میں امام مالکؒ سے کیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں امام زہریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیں تدوین حدیث کا حکم دیا۔ علامہ ابن ندیمؒ نے "الفہرست" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قاضی حضرت امام ابن مکحولؒ کے مجموعہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔
علامہ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ کوفہ کے قاضی حضرت امام شعبیؒ کا ایک مجموعہ احادیث تھا جسے حضرت عامر بن شرحبیلؒ نے تالیف کیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم پر لکھا گیا۔
دوسری صدی ہجری میں احادیث کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں "کتاب الآثار" پہلا مجموعہ ہے جسے فقہی ترتیب کے مطابق امام ابوحنیفہؒ نے خود مرتب کیا تھا۔ ان کے شاگرد امام محمدؒ، امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ نے اسے اپنی اسناد سے بھی علیحدہ تحریر کیا ہے۔ امام مالکؒ نے ان تالیفات سے استفادہ کیا تھا۔ اس لئے "کتاب الآثار" موطا امام مالک سے زمانا مقدم ہے۔ اس دور کے دیگر محدثین ابن عقدہؒ، ابونعیم اصفہانیؒ، ابن عدیؒ، ابن عساکرؒ نے بھی اپنی مسانید تیار کیں۔ جسے علامہ خوارزمیؒ نے یکجا کر دیا۔ یہ "جامع مسانید الامام الاعظم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دور کا دوسرا اہم مجموعہ احادیث موطا امام مالک ہے۔ امام مالکؒ کے ہی ہم عصر امام ابن راشد کا مجموعہ احادیث "جامع معمر بن راشد" اسی دور کا مقبول ترین مجموعہ تھا۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ نے بھی ایک جامع

تیار کی تھی۔ جس سے حضرت امام شافعیؒ نے استفادہ کیا۔ حضرت ابوالولید بن جریجؒ نے ایک سنن ترتیب دی۔ اسی طرح حضرت وکیع بن جراحؒ نے بھی ایک سنن ترتیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے مجموعہ احادیث کا نام "کتاب الزہد" رکھا تھا۔

تیسری صدی ہجری میں سند کے طویل ہونے کی وجہ سے اسماء الرجال کا باقاعدہ علم ترتیب دیا گیا۔ اس دور میں مسند ابوداؤد طیالسیؒ (یہ سنن ابوداؤد والے نہیں)۔ مسند عبیداللہ بن موسیٰؒ۔ مسند احمد بن حنبلؒ (جسے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے ترتیب دیا)۔ مصنف عبدالرزاق بن ہمام یمانیؒ (یہ امام ابوحنیفہؒ اور معمر بن راشدؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں۔ ان کے مجموعہ میں اکثر ثلاثیات ہیں)۔ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہؒ (یہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے استاذ ہیں۔ ان کے مجموعہ میں فقہی ترتیب کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی موجود ہیں)۔ مستدرک حاکمؒ۔ معاجم طبرانیؒ (کبیر۔ اوسط۔ صغیر)۔ مسند ابوبکر بزارؒ المعروف المسند الکبیر۔ مسند ابی یعلیٰؒ۔ مسند دارمیؒ۔ سنن بیہقیؒ اور سنن دار قطنیؒ شامل ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسے لوگوں کا خیال ہے کہ جو حدیث بخاری و مسلم میں نہ ہو وہ لازماً کمزور ہوگی۔ حالانکہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کا دارومدار بخاری و مسلم پر نہیں بلکہ اس کی سند پر ہے۔

☆ مشکوٰۃ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں

ڈاکٹر صاحب حیدر آباد کی ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ "مشکوٰۃ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں۔ صحیح بخاری کی الحمدللہ۔ صحیح مسلم کی ساری حدیثیں ہیں۔ جتنی باقی کتابیں ہیں ابوداؤد۔ سنن ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ یہ ساری حدیثیں صحیح نہیں۔ تحقیق ہونا چاہیے کہ حدیث صحیح نہیں۔ اس طرح مشکوٰۃ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں۔"

☆ ڈاکٹر صاحب کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ان کے البانی صاحب نے کہا ہے صحیح مسلم کی ساری حدیثیں صحیح نہیں بلکہ اس میں ضعیف احادیث بھی ہیں۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں ضعیف احادیث کے عنوان سے صفحہ 242 پر موجود ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث کی تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ اگر ہر حدیث کو مختلف سندوں کیساتھ جمع کریں تب یہ عدد پورا ہوتا ہے۔ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ صحیح۔ حسن۔ ضعیف ہر قسم کی تمام احادیث جو صحاح ستہ۔ مسند احمد اور دوسری کتب احادیث میں ہیں تو ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے۔ اور یہ ہر رطب ویابس کے مجموعہ کی تعداد ہے۔ تمام کتابوں کی چھان بین کر کے امام حاکمؒ نے اول درجہ کی صحیح احادیث کی تعداد دس ہزار بتائی ہے۔ (توجیہ النظر صفحہ ۹۳)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تقریر میں بار بار یہ الفاظ دہرائے "عام مسلمان کے لیے سارے علماء کا اختلاف ہے۔ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ سب کا اختلاف ہے"۔ ڈاکٹر صاحب کو اتفاق کہنا چاہیے تھا۔ لیکن ان کا دماغ ساتھ نہیں دے رہا۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اس لیے بار بار اختلاف کا تکرار کر رہے ہیں۔

حدیث صحیح اور ضعیف کی تفصیلی بحث آگے اوراق میں دی جارہی ہے۔ صفحہ 217 پر ملاحظہ فرمالیں۔ ناصر الدین البانی کی تحریرات میں سے ایک نمونہ اس کتاب کے آخر میں موجود ہے۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ یہ لوگ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ کئی لوگ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں اسی لئے میری تقریر میں صحیح حدیث کا ذکر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو کیا معلوم کہ جس حدیث کو چاروں ائمہ مجتہدینؒ نے قبول کر لیا اور سب کا اس پر متواتر عمل ہے۔ اس حدیث کو اللہ اور رسول نے نہ صحیح فرمایا ہے اور نہ ضعیف۔ ہاں امت کے اجماع کی وجہ سے اس میں شک نہیں۔ اور جن مسائل کی احادیث میں اختلاف ہے ان میں سے جس پہلو کی حدیث پر امام اعظم نے عمل فرمایا اور احناف کا اس متواتر عمل ہے اس کو ہم صحیح مانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے امام صاحب نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب صحیح حدیث پر ہے۔ اور مجتہد کا کسی حدیث کے موافق عمل کر لینا اس مجتہد اور اس کے مقلدین کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ہے۔ اطیعوا البخاری و اطیعوا المسلم نہیں ہے۔

☆خون بہنے سے وضو ٹوٹنا

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب سے ایک سوال ہوا کہ اگر نماز کے دوران میں کسی کی نکسیر پھوٹ جائے اور خون بہنے لگے تو اسے نماز جاری رکھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب میں ڈاکٹر نائیک صاحب کہتے ہیں۔ بعض علماء کرام خصوصاً فقہ حنفیہ سے متعلق علماء کرام کے خیال میں خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ نماز کے دوران خون بہہ جانے کی صورت میں کسی کو کیا کرنا چاہیے، اس سوال کے جواب میں ان کا فتویٰ بہت طویل ہے تاہم ان کے اس نقطۂ نظر کی تائید میں بظاہر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ دوسری جانب خون بہنے سے وضو نہ ٹوٹنے کے حق میں شہادت زیادہ قوی ہے۔ جب خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب ؓ کو نماز کی حالت میں خنجر مار کر زخمی کر دیا گیا تو جسم سے خون بہہ جانے کے باوجود انھوں نے نماز جاری رکھی اور ان کے اس عمل پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

☆ڈاکٹر نائیک صاحب نے سائل کے جواب میں حسب عادت غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ فقہ حنفی کے نقطۂ نظر کی تائید میں بظاہر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ابولولو نے صبح کی نماز میں خنجر سے شدید زخمی کیا اور دیگر بہت سے صحابہ کو بھی زخمی کیا۔ اتنے میں نماز ختم ہو چکی تھی۔ صحابہ نے قاتل کو پکڑ لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نکسیر پھوٹنے کے بعد دوبارہ وضو فرماتے تھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ کان اذا رعف رجع فتوضأ ولم یتکلم ثم رجع وبنی علی ماقد صلی (بیہقی) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب بھی (نماز کے دوران) ناک سے نکسیر پھوٹتی تھی تو وہ نماز چھوڑ کر واپس جاتے اور وضو کرتے اور کسی سے کلام نہ کرتے۔ پھر واپس آ کر جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرتے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا جاءت فاطمۃ بنت حبیش رضی اللہ عنہا الی النبی صلی

الله علیه وسلم فقالت یارسول الله انی امرأۃ استحاض فلا اطهر افادع الصلوٰۃ فقال لا انما ذلك عرق ولیست بالحیضة...... وفی روایة توضای لکل صلوٰۃ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ میں ایسی عورت ہوں جس کو استحاضہ کی تکلیف ہے اور (اس میں خون مسلسل آتا ہے) میں پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (نماز نہ چھوڑو) یہ تو محض خون کی رگ ہے (جس کے زخم کی وجہ سے خون بہتا ہے) حیض نہیں۔..........اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا (چونکہ تم معذور کے حکم میں ہو لہٰذا) تم ہر نماز کے لئے وضو کرو۔

عن زید بن ثابت رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الوضوء من کل دم سائل (کامل ابن عدی) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہو جاتا ہے۔

مسند فردوس میں ہے "من رعف فی صلوٰۃ او قلس فلیتوضا"۔ (دار قطنی ۱/۱۵۷۔ بیہقی ۲/۲۵۷) جسے نماز میں نکسیر پھوٹے یا قے آئے تو وہ وضو کرے۔

حیرانی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں تو کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ خون بہنے سے وضو ٹوٹنے کے نقطہ نظر کی تائید میں بظاہر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

☆ سنت کے مطابق نماز

برادر عبداللہ نے تحریری طور پر سوال دریافت کیا ہے کہ نماز ادا کرنے کے کئی ایک طریقے دیکھنے میں آتے ہیں کیا یہ سب طریقے جائز اور درست ہیں یا ان میں سے کسی ایک ہی طریقے کے مطابق نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے میں کہنا چاہوں گا کہ نماز مسلمانوں کے لیے ایک لازمی عبادت اور ایک نہایت بابرکت روحانی عمل ہے۔ نماز کے بارے میں آپ کو چھوٹی بڑی طبع شدہ بے شمار کتابیں' کتابوں کی مارکیٹ سے مل جائیں گی۔ ان میں بعض کتابوں میں

ضعیف استنادی حیثیت رکھنے والی احادیث کے حوالے سے نماز کے طریقے کا تعین کیا گیا ہے جبکہ سنت نبوی کے مطابق نماز پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے کہ:

نماز ایسے ادا کرو جیسے تم لوگوں نے نماز ادا کرتے ہوئے مجھے دیکھا ہے"۔

(صحیح بخاری، جلد اول، کتاب الاذان باب ۱۸، حدیث: ۷۰۴ جلد نہم، حدیث ۳۵۲)

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارکہ کی روشنی میں اسی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنا مسلمانوں پر ضروری قرار دیا گیا ہے جس طریقے کے مطابق خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔ قیام، رکوع، سجود اور تشہد نماز کے ضروری حصے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد سب نمازی ایک ہی طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ البتہ قیام کرتے ہوئے بعض لوگ سینے پر ہاتھ باندھتے جبکہ بعض زیر ناف باندھ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ نماز میں چند امور میں نمازی کو اختیار دیا گیا ہے مثلاً رکوع کے دوران کیا اذکار پڑھنے چاہئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے دوران "سبحان الله ربی العظيم (پاک ہے میرا پروردگار عظمت والا) کی تسبیحات بھی پڑھا کرتے تھے۔ جبکہ کبھی کبھی آپ اس تسبیح کی بجائے یہ تسبیح اور پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔

"پاک ہے تیری ذات اے میرے اللہ ہم سب کے پروردگار اور تو تمام تعریفوں کے لائق ہے اے میرے اللہ مجھ کو معاف فرمادے"۔

میں نمازی حضرات کو مشورہ دوں گا کہ وہ اگر نماز کے طریق کار کے متعلق صحیح صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں تو وہ............ کی تالیف کردہ کتاب سے استفادہ کریں۔ اس کتاب کو انھوں نے مستند اور صحیح احادیث مبارکہ کی روشنی میں مرتب کیا ہے اور یہ کتاب بازار میں عام دستیاب ہے۔ البتہ جن بھائیوں کے پاس فاضل وقت موجود ہو اور وہ تفصیلی طور پر نماز کے مسائل کے بارے میں مطالعے کے خواہش مند ہوں تاکہ نماز کے کلمات کے ساتھ ساتھ اس کے فروعی اور

جزئی مسائل سے بھی آگاہی حاصل ہو جائیں اور وہ اگر تفصیلاً جاننا چاہتے ہوں کہ سجدہ کرنے کا اصلی طریقہ کیا ہے، اس دوران بدن کا کون سا عضو پہلے زمین سے مس کرے، سجدہ کرتے ہوئے ہاتھوں اور کہنیوں کو کیسے رکھا جائے، اور پھر رکوع، تشہد، قعدہ وقومہ کے مسائل بھی پوری وضاحت سے بیان کیے گئے ہوں یعنی نماز کے آغاز سے لے کر اس کے سلام پھیرنے تک کے جملہ مسائل اور طریقوں کی اچھی طرح سے وضاحت کر دی گئی ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ دنیائے اسلام کے معروف محقق و محدث علامہ ناصر الدین البانی مرحوم کی مرتب کردہ کتاب کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں صحیح احادیث مبارکہ سے نماز کے مسائل کو مدلل کیا گیا ہے۔ گویا کہ نماز ادا کرنے کا طریقہ سب مسلمانوں کے لیے ایک ہی ہے۔ جزوی وفروعی اختلافات کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں۔

☆ڈاکٹر صاحب عام سامعین کو دھوکہ دینے کی خاطر کنایۃً مقلدین کے طریقہ نماز کی بنیاد ضعیف احادیث پر بتلا رہے ہیں۔ اور ناصر الدین البانی غیر مقلد کی کتاب میں بتایا ہوا طریقہ نماز سنت نبوی کے مطابق کہہ رہے ہیں۔

سب سے پہلے اس عقدہ کو حل کریں کہ کسی حدیث کے ضعیف ہونے کا کیا مطلب ہے۔ نیز حدیث ضعیف کا کیا حکم ہے۔ اگر یہ دو باتیں سمجھ میں آجائیں تو اس دور کے متجددین کی پھیلائی ہوئی تمام الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

☆ حدیث ضعیف سے کیا مراد ہے؟

یاد رکھئے جب کوئی محدث کسی حدیث کو ضعیف کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔ اور حدیث کو بیان کرنے والے ثقہ اور قوی راوی نہیں ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی۔ کیونکہ کسی راوی کو ضعیف اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے حافظے ضبط حدیث یا عدالت میں کوئی نقص ہے لیکن یہ ضروری نہیں ضعیف راوی کی ہر روایت غلط ہی ہو۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی روایت کردہ کوئی مخصوص حدیث صحیح بھی ہو۔ کیونکہ جس شخص کا حافظہ (محدثین کے نزدیک

عام حافظہ نہیں بلکہ ان کی کڑی شرائط کے مطابق حافظہ ہو) اچھا نہ ہو اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ جب بھی کوئی بات بیان کرے اس سے ضرور بھول چوک ہو جائے۔ یا جس شخص کا ضبط حدیث بہتر نہیں اور اکثر خلط ملط کا شکار ہو۔ اس کے لئے بھی ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ غلطی کرے۔ مشہور محدث علامہ تقی الدین ابو عمرو عثمان شافعی المعروف بابن الصلاح ؒ المتوفی ۶۴۳ھ لکھتے ہیں کہ محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی یقیناً جھوٹی ہے بلکہ کسی حدیث کو غیر صحیح کہنے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح کی شرط کے مطابق نہیں (علوم الحدیث صفحہ ۱۱)

محدثین نے روایت حدیث کرتے ہوئے عدالت کا سب سے زیادہ سخت معیار رکھا۔ جبکہ مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے جس عدالت کی ضرورت ہے اس کا معیار اتنا سخت نہیں۔ چنانچہ اسماعیل بن ابی اویس رحمہ اللہ کہتے ہیں "میں نے ایک مرتبہ اپنے ماموں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے سنا وہ فرما رہے تھے۔ میں نے ستر ایسے آدمیوں سے ملاقات کی ہے جنہوں نے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر (مسجد نبوی کے) ان ستونوں کے پاس حدیث بیان کی لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث قبول نہیں کی حالانکہ ان میں سے ایک ایک شخص اتنا بڑا امین تھا کہ اگر اس کو بیت المال کا انچارج بنا دیا جاتا تو وہ اس کے حق میں امین ہی ثابت ہوتا"۔

علامہ سیوطیؒ نے امام نوویؒ کی کتاب "تقریب" کی شرح میں لکھا ہے "جب کسی حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ غیر صحیح ہے (اگر ضعیف کہا جائے تو زیادہ جامع ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مذکورہ شرائط کے مطابق صحیح نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی جھوٹی ہے اس لیے کہ جھوٹے آدمی کا سچ بولنا اور بکثرت غلطی کرنے والے کا صحیح روایت کرنا بھی بہت ممکن ہے۔ (تدریب الراوی صفحہ ۳۹)

اس امکان پر کہ شاید نفس الامر میں حدیث صحیح ہو علماء اور فقہاء کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے احادیث ضعیفہ سے احکامات کا اور مسائل کا استنباط نہیں کرتے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے

حدیث ضعیف میں بھی احتمال صدق پایا جاتا ہے اور اس بات کا پورا پورا امکان ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے راوی نے اپنے ضعف کے باوجود حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت بالکل صحیح منتقل کی ہو اور خطا و نسیان اور کذب و اختلاط سے پرہیز کیا ہو۔ چنانچہ فقہا و محدثین اس حدیث ضعیف کو اسلام کے دوسرے اصول و ضوابط کے مطابق پرکھتے ہیں۔ اگر وہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور شریعت پر پوری اترتی ہے تو پھر اسے قرائن سے جانچتے ہیں کہ آیا واقعۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہوگی یا نہیں۔ اگر قرائن سے ضعیف حدیث کی تائید ہوتی ہو تو اسے معمول بہ بنالیا جاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر جلد اول صفحہ ۵۰۷ فصل فی الآثار میں لکھتے ہیں۔ "کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ نفس الامر میں یہ جائز ہے کہ جس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا گیا ہے وہ صحیح ہو"۔ آگے صفحہ ۴۱۵ جلد اول بحث سجدہ میں لکھتے ہیں ضعیف حدیث کے یہ معنی نہیں کہ وہ نفس الامر میں بھی باطل ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی حدیث کو صحیح قرار دینے کے لئے محدثین کے ہاں جن شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ اس میں نہیں پائی جاتیں۔ پس اس بات کا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح ہو۔ چنانچہ یہ جائز ہے کہ کسی ضعیف حدیث کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا آجائے جس سے یہ امر محقق ہو جائے کہ ضعیف راوی نے اس خاص حدیث کا متن پوری حفاظت سے نقل کیا ہے اور اس قرینہ کے بعد اس حدیث پر صحیح کا حکم لگا دیا جائے۔

آگے نماز جنازہ کی تکبیرات اربعہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کسی حدیث کی سند کا ضعیف ہونا اس کے متن کے باطل ہونے کی قطعی دلیل نہیں بلکہ حدیث کا ضعف ایک ظاہری امر ہے چنانچہ اگر اس کی تائید ایسے قرائن سے ہو جائے جو اس کی صحت پر دلالت کریں تو وہ صحیح بھی جائے گی (فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۶۱)

وہ قرائن جن سے کسی ضعیف حدیث کی صحت کی توثیق ہوتی ہے بہت سے ہیں۔ ان میں سے پہلا اور قوی قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کو تلقی بالقبول (لوگوں کے عمل سے تائید) حاصل

ہو۔ مسلمان فقہاء اور محدثین نے اسے صحیح سمجھ کر اس کی بنیاد پر قانون سازی کی ہو۔ امت مسلمہ کے عوام وخواص نے اسے معمول بہ بنایا ہو۔ ایسی حدیث جسے تلقی بالقبول حاصل ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ صحیح بلکہ بعض اوقات متواتر کے حکم میں بھی جاتی ہے۔

علامہ سیوطیؒ اپنی کتاب تدریب الراوی کے صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ قال بعضهم يحكم الحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح

(بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب کسی حدیث کو لوگوں کے عمل سے تائید (تلقی بالقبول) حاصل ہو جائے تو اگر چہ اس کی سند صحیح نہ ہو تب بھی اس پر "صحت" کا حکم لگا دیا جائے گا)۔

علامہ ابن حجرؒ الافصاح علی نکت ابن الصلاح" میں لکھتے ہیں ومن جملة صفات القبول ان يتفق العلماء على العمل بمدلول حديث فانه يقبل حتى يجب العمل به وقد صرح بذلك جماعة من ائمة الاصول۔ (الاجوبة الفاضلة صفحہ ۲۳۱) کسی حدیث کے مقبول ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل علم اس حدیث کے مدلول پر عمل کرنے میں متفق ہوں۔ چنانچہ جس حدیث کی حالت یہ ہو وہ مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس اصول کی تصریح ائمہ اصول حدیث کی ایک پوری جماعت نے کی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ "تلقین میت" کے بارے میں ایک حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں فهذا الحديث وان لم يثبت فاتصال العمل به في سائر الامصار والاعصار من غير انكار كاف في العمل به (کتاب الروح صفحہ ۱۲) یہ حدیث اگر چہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں لیکن پھر بھی تمام بلاد اسلامیہ کا ہر زمانے میں بغیر کسی انکار کے اس کے مطابق عمل کرنا اس حدیث کو معمول بہ بنانے کے لیے کافی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب کے مقابلہ میں بڑے بڑے محققین کیا لکھ رہے ہیں آپ وہ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ نیز علامہ ابن قیم کو تو غیر مقلد اپنا بڑا مانتے ہیں۔

شیخ ابراہیم شبرخیتی مالکی شرح اربعین نوویہ صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں "یہ اصول کہ حدیث ضعیف پر مسائل و

احکام کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اور ان پر بصورت احکام عمل نہیں کیا جائے گا صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ حدیث کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو۔ لیکن جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ مقبول ہوگی اور وہ احکام میں بھی عمل کرنے کے لئے حجت بن سکے گی جیسا کہ امام شافعیؒ کی رائے ہے"

یاد رہے کہ فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب فکر کے بانی ائمہ یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ اجمعین اس زمانہ میں پیدا ہوئے جو عہد رسالت کے قریب تھا اس وقت مسلمانوں میں انہی اخلاق وعادات کا چلن تھا جن پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈال گئے تھے۔ ان حضرات نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور دن رات کی محنت سے علوم اسلامیہ کو سمجھا۔ سینکڑوں علماء فقہاء اور محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ دین کے مزاج سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی۔ پھر اس کے بعد اپنی تمام زندگی ان علوم کی توسیع اور نشر واشاعت میں صرف کردی۔

یہ حضرات (ائمہ اربعہ) جس زمانہ میں پیدا ہوئے اس زمانے میں علم حدیث اپنے عروج پر تھا۔ احادیث کی تدوین ہورہی تھی۔ ہزاروں افراد نے اپنی زندگیاں حدیث کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھیں لہذا اس دور میں کسی حدیث پر ان حضرات کا اتفاق اور پوری امت کا بلا اختلاف عمل کرنا اسی وقت ممکن تھا جب وہ اس دور میں تواتر کی حد تک مشہور رہی ہو۔ اور ایسی صورت میں محض اتنی بات کی وجہ سے اس حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ بعد میں اس کو کسی ضعیف راوی نے روایت کردیا ہے۔

صحیح مسلم کے دیباچہ میں مرقوم ہے لو لا الاسناد لقال ما شاء من شاء یعنی حدیث کے لئے اگر سند شرط نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہے کہہ دیتا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنے استاد حضرت مولانا علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ کان الاسناد لئلا یدخل فی الدین ما لیس له لا لیخرج من الدین ما ثبت منه من عمل اهل الاسناد (الاجوبة الفاضلة صفحہ ۲۳۸) اسناد اس لیے ہوتی ہیں تاکہ دین میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہو جو درحقیقت دین میں شامل نہیں ہے۔ نہ کہ اس

لئے کہ دین سے کوئی ایسی چیز خارج کردیں جو خود سند بیان کرنے والوں کے عمل سے بھی دین میں ثابت ہے۔

☆ مستند احادیث سے احناف کی نماز

اب ہم مستند احادیث سے احناف کی نماز پیش کرتے ہیں۔

○ حدیث ○ : عن عبداللہ بن زید قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب للناس لجمع الصلوۃ۔طاف بی وانا نائم رجل یحمل ناقوسا فی یدہ فقلت یا عبداللہ اتبیع الناقوس؟قال وما تصنع بہ؟فقلت ندعو بہ الی الصلوۃ۔قال افلا ادلک علی ما ھو خیر من ذلک؟فقلت بلی قال فقال تقول اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھدان لاالہ الااللہ اشھدان لاالہ الااللہ اشھدان محمدارسول اللہ اشھدان محمدارسول اللہ حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح حی علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الااللہ۔

(ابوداؤد :باب کیف الاذان)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تاکہ ناقوس بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے۔تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے ہے۔میں نے کہا یہ ناقوس بیچو گے؟اس نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے؟میں نے کہا اس سے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کریں گے۔اس نے کہا تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟میں نے کہا ضرور! اس نے کہا اچھا تو پھر تم یہ کہا کرو (ترجمہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۴ دفعہ) میں (صدق دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی عبادت کے قابل نہیں (۲ دفعہ) میں (صدق دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (۲ دفعہ) نماز کے لیے آؤ (۲ دفعہ) کامیابی کی طرف آؤ (۲ دفعہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۲ دفعہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

○ حدیث ○ : فان کان صلوۃ الصبح قلت الصلوۃ خیر من النوم الصلوۃ خیر من النوم۔ (ابوداؤد : کیف الاذان)

ترجمہ : اگر صبح کی نماز کا وقت ہو تو دو دفعہ الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔

○ حدیث ○ : یقول علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاقامۃ سبع عشر کلمۃ (ترمذی)

ترجمہ : حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔

○ حدیث ○ : ان بلالاً کان یثنی الاذان ویثنی الاقامۃ۔

(مصنف عبدالرزاق۔ اسنادہ صحیح۔ آثار السنن ج ۱ ص ۵۳)

ترجمہ : حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہا کرتے تھے۔

○ حدیث ○ : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر القناع۔

(شمائل ترمذی ص ۱۷)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

○ حدیث ○ : صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک۔ (مؤطا الامام مالک باب وقوت الصلوۃ)

ترجمہ : جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے تو ظہر کی نماز ادا کر اور جب یہ سایہ دوگنا ہو جائے تو عصر کی نماز ادا کر۔

○ حدیث ○ : قال اذا اشتد الحر فابردوا الصلوۃ فان شدۃ الحر من فیح جھنم۔ (مسلم : استحباب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر)

ترجمہ : فرمایا جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو چونکہ گرمی کی شدت

جہنم کے اثر سے ہے۔

○ حدیث ○ : أذن مؤذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر فقال أبرد أبرد۔
البخاری۔ باب إبراد الظہر فی شدۃ الحر

ترجمہ : مؤذن بارگاہ رسالت نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو ارشاد ہوا ، موسم کو ٹھنڈا ہونے دو۔ٹھنڈا ہونے دو۔

○ حدیث ○ : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الحر أبرد بالصلوۃ واذا کان البرد عجل۔(نسائی ۔تعجیل الظہر فی البرد)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ گرمیوں میں (ظہر کی) نماز تاخیر سے اور سردیوں میں جلدی پڑھتے۔

○ حدیث ○ : فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیۃ۔

(ابوداؤد ۔وقت صلوۃ العصر)

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کو مؤخر فرماتے جب تک کہ سورج سفید اور صاف رہتا۔

○ حدیث ○ : عن سلمۃ رضی اللہ عنہ قال کنا نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المغرب اذا توارت بالحجاب۔ (بخاری :وقت المغرب)

ترجمہ : حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج چھپتے ہی ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔

○ حدیث ○ : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتہم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ۔

(الترمذی :تاخیر صلوۃ العشاء)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ضرور حکم دیتا کہ نماز عشاء کو رات کے ایک تہائی یا نصف حصہ تک

مؤخر کیا کریں۔

○ حدیث ○ : اسفروا بالفجر فانه اعظم للأجر۔

(ترمذی :ماجاء فی الاسفار بالفجر)

ترجمہ : فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

○ حدیث ○ : صل صلوة الصبح ثم اقصر عن الصلوة حتی تطلع الشمس حتی ترتفع فانها تطلع حین تطلع بین قرنی شیطٰن و حینئذ یسجد لها الکفار ثم صل فان الصلوة مشهودة محضورة حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوة فان حینئذ تسجر جهنم فاذا اقبل الفیء فصل فان الصلوة مشهودة محضورة حتی تصل العصر ثم اقصر عن الصلوة حتی تغرب الشمس فانها تغرب بین قرنی شیطٰن و حینئذ یسجد لها الکفار۔(مسلم :الاوقات التی نهی عن الصلوة فیها)

ترجمہ : صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔ چونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ جب سورج کچھ بلند ہو جائے تو پھر نماز پڑھو چونکہ ہر نماز بارگاہ الٰہی میں پیش کی جاتی ہے البتہ جب نیزہ بے سایہ ہو جائے (زوال کے وقت) تو نماز نہ پڑھو۔ چونکہ یہ جہنم کو دہکانے کا وقت ہے اور جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو پھر نماز پڑھو چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ جب عصر کی نماز پڑھ چکو تو پھر دوسری نماز سے رک جاؤ تا آنکہ سورج ڈوب جائے چونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

○ حدیث ○ : صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنبه۔

(بخاری :اذا لم یطق قاعدا)

ترجمہ : کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر تو بہر حال

نماز ادا کرو۔

○ حدیث ○ : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاقام الی الصلوۃ یکبر حین یقوم۔(بخاری :باب التکبیر اذاقام من السجود)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ فرماتے تو نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت اللہ اکبر کہتے۔

○ حدیث ○ : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذاکبرلافتتاح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یکون ابہاماہ قریبا من شحمتی اذنیہ۔

(طحاوی :رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ)

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کی تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

○ حدیث ○ : عن وائل بن حجر قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاوائل بن حجراذاصلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک۔والمرأۃتجعل یدیہاحذاء ثدییہا۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۳)

ترجمہ : حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وائل بن حجر جب نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ۔اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔

○ حدیث ○ : ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری والرسغ والساعد۔ (ابوداؤد :رفع الیدین فی الصلوۃ)

ترجمہ : پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو اس طرح رکھا کہ وہ بائیں ہتھیلی کی پشت اور گٹے اور کلائی پر تھا۔

○ حدیث ○ : السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ۔

(ابو داؤد :وضع الیمنی علی الیسری)

ترجمہ : سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے۔

○ حدیث ○ : یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولاالہ غیرک۔(مسلم :حجۃ من قال لایجھر بالبسملۃ)

ترجمہ : (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) یہ کلمات پڑھتے تھے سبحانک اللھم وبحمدک وتعالی جدک ولا الہ غیرک۔

○ حدیث ○ : عن انس قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدامنھم یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

(مسلم :حجۃ من لایجھر بالبسملۃ)

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں لیکن کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

○ حدیث ○ : لاصلوۃ لمن لم یقرأبفاتحۃ الکتاب فصاعدا۔

(ابو داؤد :من ترک القراءۃ)

ترجمہ : اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ اور مزید (سورۃ) نہیں پڑھی۔

○ حدیث ○ : واذا قرأ فانصتوا۔(مسلم :التشھد فی الصلوۃ۔ھکذا فی بہا فی سنن ابن ماجۃ :باب اذاقرأفانصتوا)

ترجمہ : اور جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔

○ حدیث ○ : لاقراءۃ مع الامام فی شیء۔(صحیح مسلم :سجود التلاوۃ۔ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ موطا امام مالک :ترک القراءۃ خلف الامام میں)

ترجمہ : کسی نماز میں بھی مقتدی کو امام کے ساتھ قراءت نہیں کرنی چاہیے۔

○ حدیث ○ : من صلی وراء الامام کفاہ قراءۃ الامام۔

(سنن بیہقی : من قال لا یقرأ خلف الامام)

ترجمہ : جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کے لیے امام کی قراءت کافی ہے۔

○ حدیث ○ : من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔ (ترمذی : ترک القراءۃ خلف الامام۔ موطا الامام مالک : باب تجب قراءۃ فاتحۃ الکتاب)

ترجمہ : جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

○ حدیث ○ : ان عبداللہ بن مسعود لم یقرأ خلف الامام لا فی الرکعتین الاولیین ولا فی غیرھما۔ (جامع المسانید ج ۱ ص ۳۱۰)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات نہیں کیا کرتے تھے نہ تو پہلی دو رکعتوں میں اور نہ ہی آخری دو رکعتوں میں۔

○ حدیث ○ : عن عمر بن الخطاب انہ قال یخفی الامام اربعا التعوذ وبسم اللہ الرحمن الرحیم وآمین وربنالک الحمد۔ (عینی شرح ھدایہ ج ۱ ص ۳۳۰)

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے ۱۔ اعوذ باللہ...... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۳۔ آمین ۴۔ ربنا لک الحمد ۔

○ حدیث ○ : عن عبداللہ بن مسعود قال یخفی الامام ثلاثا الاستعاذۃ وبسم اللہ الرحمن الرحیم وآمین۔ (المحلی ج ۳ ص ۱۸۳)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ امام تین چیزوں کو آہستہ کہے۔ تعوذ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین۔

○ حدیث ○ : لم یثبت الجهر بالتامین عن النبی صلی الله علیه وسلم ولا عن الخلفاء الاربعة وما جاء فی الباب فهو لا یخلو من شیء۔

(آثار السنن ج ا ص ۹۳)

ترجمہ : بلند آواز سے آمین کہنا نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور نہ ہی چاروں خلفاء سے اور جو کوئی روایت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ جرح و تنقید سے خالی نہیں۔

○ حدیث ○ : قال عبدالله بن مسعود رضی الله عنه الا اصلی بکم صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة۔

(ترمذی : ماجاء فی رفع الیدین)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھی اور صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین کیا۔

○ حدیث ○ : فقال مالی أراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة۔ (مسلم : الامر بالسکون فی الصلوة)

ترجمہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوا کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے (رفع یدین کرتے ہوئے) دیکھ رہا ہوں۔ گویا وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

○ حدیث ○ : ان علیاً رضی الله عنه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوة ثم لا یرفع بعد۔ (بیهقی : من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح)

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

○ حدیث ○ : ان ابن مسعود رضی الله عنه کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لا یعود۔ (جامع المسانید ج ا ص ۳۵۵)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے

اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

○ حدیث ○ : عن ابی هریرة رضی الله عنه انه کان یصلی بهم فیکبر کلما خفض ورفع فاذا انصرف قال انی لاشبهکم صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (بخاری : باب اتمام التکبیر فی الرکوع)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب نماز ادا کرتے تو جب بھی (کسی رکن کی ادائیگی کے لیے) اوپر یا نیچے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح ہے۔

○ حدیث ○ : لاتجزئ صلوة لایقیم الرجل فیها یعنی صلبه فی الرکوع والسجود۔ (الترمذی : من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود)

ترجمہ : وہ نماز کافی نہیں جس میں نمازی رکوع وسجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہ رکھے۔

○ حدیث ○ : لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اجعلوها فی رکوعکم۔ (زیلعی ۔ابوداؤد : مایقول الرجل فی رکوعه)

ترجمہ : جب یہ آیت نازل ہوئی "فسبح باسم ربک العظیم" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس تسبیح کو رکوع میں رکھو۔

○ حدیث ○ : ثم یقول سمع الله لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وهو قائم ربنالك الحمد۔ (بخاری : باب التکبیر اذاقام من السجود)

ترجمہ : پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہتے۔

○ حدیث ○ : اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه۔ (الترمذی : ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود)

ترجمہ : جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے

اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔

○ حدیث ○ : فکان یقول فی رکوعه سبحان ربی العظیم وفی سجوده سبحان ربی الأعلی۔ (الترمذی :ماجاء فی التسبیح فی الرکوع)

ترجمہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔

○ حدیث ○ : قال النبی صلی الله علیه وسلم أمرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة واشار بیده علی انفه والیدین والرکبتین واطراف القدمین۔

(بخاری :باب السجود علی الانف)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں پیشانی پر اور آپ نے ناک کی طرف بھی اشارہ کیا۔ دونوں ہاتھوں پر۔ دونوں گھٹنوں پر اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر۔

○ حدیث ○ : کان اذا رکع فرج بین اصابعه واذا سجد ضم اصابعه۔

(مستدرک الحاکم ۔صحیح علی شرط المسلم)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں انگلیوں کو کھول کر رکھتے اور سجدہ میں انگلیوں کو ملا کر رکھتے۔

○ حدیث ○ : ووضع کفیه حذو منکبیه۔

(الترمذی :ماجاء این یضع الرجل وجهه)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (سجدہ میں) ہاتھ کندھوں کے برابر رکھتے۔

○ حدیث ○ : لا خیر فی جماعة النساء۔ (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۳۱)

ترجمہ : عورتوں کی جماعت (کی نماز) میں کوئی خیر نہیں۔

○ حدیث ○ : قال علی رضی الله عنه لا تؤم المرأة۔

(اعلاء السنن ج۳ ص ۲۴۴)

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورت امامت نہ کرے۔

○ حدیث ○ : عن ابن عمر انہ سئل کیف کان النساء یصلین علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن۔

(جامع المسانید ج ا ص ۴۰۰)

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے چارزانو بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔

○ حدیث ○ : اذاجلست المرأة فی الصلوٰة وضعت فخذها علی فخذها الاخری واذاسجدت الصقت بطنها علی فخذیها کاستر مایکون لها۔

(بیہقی ج۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ : نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملالے۔ اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ ستر ہوسکے۔

○ حدیث ○ : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذاسجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلک کالرجل۔ (مراسیل ابی داؤد ص۸)

ترجمہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹادو اس لیے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔

○ حدیث ○ : عن علی رضی اللہ عنہ اذاسجدت المرأة فلتحتفز ولتضم

فجعليها۔ (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملائے۔

○ حدیث ○ : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ سئل عن صلوٰۃ المرأۃ فقال تجتمع وتحتفز۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۲۲۱)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ سب اعضاء کو ملائے اور سرین کے بل بیٹھے۔

○ حدیث ○ : ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورک۔

(ابو داؤد: من ذکر التورک فی الرابعۃ۔ صححہ النیموی)

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہہ کر بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

○ حدیث ○ : کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسری وینصب رجلہ الیمنی۔

(مسلم: صفۃ الصلوٰۃ)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لیے بیٹھنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

○ حدیث ○ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشیر باصبعہ اذا دعا لا یحرکھا۔ (روی عن عبداللہ بن الزبیر)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا پڑھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اس کو ہلاتے نہیں تھے۔

○ حدیث ○ : کان یسلم عن یمینہ وعن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ (الترمذی :ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے۔

○ حدیث ○ : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوۃ اقبل علینا بوجھہ۔ (صحیح البخاری :یستقبل الامام الناس اذا سلم)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

○ حدیث ○ : قال تسبحون وتکبرون وتحمدون دبر کل صلوۃ ثلاثاوثلاثین مرۃ۔ (مسلم :استحباب الذکر بعد الصلوۃ)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ۔ الحمدللہ۔ اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھا کرو۔

○ حدیث ○ : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

○ حدیث ○ : قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخرودبر الصلوات المکتوبات۔ (جامع الترمذی : کتاب الدعوات)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

○ حدیث ○ : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلوتہ استغفر ثلاثاوقال اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت ذالجلال والاکرام۔ (مسلم :استحباب الذکر بعد الصلوۃ)

ترجمہ : جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت ذا الجلال والاکرام۔

○ حدیث ○ : عن عبداللہ قال السھو ان یقوم فی قعود اویقعدفی قیام اویسلم فی الرکعتین فانہ یسلم ثم یسجدسجدتی السھو ویتشھد ویسلم۔

(الطحاوی :باب سجود السھوفی الصلوۃ)

ترجمہ : حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول یہ ہے کہ نمازی بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھ جائے یا (تین چار رکعت والی نماز میں) دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے تو ایسا شخص سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

○ حدیث ○ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم فسھافسجد سجدتین ثم تشھدثم سلم۔ (ابو داؤد :سجدتی السھو فیھماتشھدوتسلیم)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ نماز پڑھی اور اس میں کچھ بھول گئے۔ تو آپ نے دو سجدہ سہو کر کے تشہد پڑھی۔

○ حدیث ○ : التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔

(صحیح المسلم :تسبیح الرجل وتصفیق المرأۃ)

ترجمہ : تسبیح مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔

○ حدیث ○ : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام من اثنتین من الظھرلم یجلس بینھمافلماقضی صلوتہ سجدسجدتین ثم سلم بعدذلک۔

(البخاری :ماجاء فی السھو اذاقام)

ترجمہ : ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیرا۔

○ حدیث ○ : اذاشک فی صلوتہ فلیلغ الشک ولیبن علی الیقین فاذااستیقن

التمام سجد سجدتین۔ (ابن ماجه :ماجاء فی من شك فی صلاۃ)

ترجمہ : جب تمہیں نماز میں شک آجائے تو چاہیے کہ شک کو ختم کرکے یقینی بات پر عمل کیا جائے (یعنی کم والے احتمال کو اختیار کیا جائے) جب اسے مکمل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر دو سجدہ سہو کرلے۔

○ حدیث ○ : کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوۃ حتی نزلت وقوموا لله قنتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام۔

(مسلم :تحریم الکلام فی الصلوۃ ۔بخاری:ماینهی من الکلام فی الصلوۃ)

ترجمہ : ہم نماز میں بات کرلیا کرتے تھے ایک آدمی اپنے پہلو میں کھڑے دوسرے آدمی سے بات کرلیتا تھا تا آنکہ یہ آیت نازل ہوگئی "اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوکرو" تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا۔

○ حدیث ○ : قال لینتهین اقوام عن رفعهم ابصارهم عند الدعاء فی الصلوۃ الی السماء او لتخطفن ابصارهم۔

(مسلم :النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ)

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے رک جائیں یا پھر ان کی بینائی کو اچک لیا جائے گا۔

○ حدیث ○ : قالت سالت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الالتفات فی الصلوۃ فقال هو اختلاس یختلسه الشیطن من صلوۃ العبد۔

(بخاری :الالتفات فی الصلوۃ)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کا حصہ ہے جسے وہ بندہ کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔

○ حدیث ○ : لاصلوۃ بحضرۃ الطعام ولا وھو یدافع الاخبثان۔

(مسلم :باب کراھۃ الصلوۃ بحضرۃ الطعام)

ترجمہ : جب کھانا سامنے موجود ہو تو نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس صورت میں جب وہ بیت الخلاء کی ضرورت محسوس کر رہا ہو۔

○ حدیث ○ : ولا یبسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب۔

(بخاری :باب لا یفترش ذراعیہ فی السجود)

ترجمہ : تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں اپنی کہنیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

○ حدیث ○ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لھا اعلام فقال شغلتنی اعلام ھذہ فاذھبوا بھا الی ابی جھم (عامر بن حذیفۃ) واتوا بانبجانیۃ۔

(مسلم :کراھۃ الصلوۃ ثوب لہ اعلام)

ترجمہ : ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھی جس پر نقش ونگار تھے۔ نماز کے بعد فرمایا یہ لے جا کر عامر بن حذیفہ کو دے دو کہ اس کے نقوش نے میری توجہ کو منتشر کر دیا۔ اور اس کا وہ موٹا کپڑا لاؤ جس پر نقش ونگار نہیں ہیں۔

○ حدیث ○ : نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن السدل فی الصلوۃ۔

(الترمذی :ماجاء فی کراھیۃ السدل فی الصلوۃ)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا وغیرہ (ایسی چادر جو کندھوں پر یا گلے میں) لٹکا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

○ حدیث ○ : اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد حتی یذھب عنہ النوم فان احدکم اذا صلی وھو ناعس لعلہ یذھب یستغفر فیسب نفسہ۔

(الترمذی :الصلوۃ عند النعاس)

ترجمہ : جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آئے تو ذرا سو جاؤ تا کہ نیند کا غلبہ جاتا رہے۔ اگر اسی حالت میں نماز پڑھی تو عین ممکن ہے کہ اپنی طرف سے استغفار کرنا شروع کرے جب کہ حقیقت میں وہ اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔

○ حدیث ○ : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نقرة الغراب وافتراش السبع وان يوطن الرجل المكان فى المسجد كمايوطن البعير۔

(رواه احمد والحاكم)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے (جلدی جلدی نماز پڑھنے سے) اور درندہ کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے اور اس سے کہ کوئی شخص مسجد میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر کرلے جیسے کہ اونٹ (اپنے اصطبل میں) ایک خاص جگہ مقرر کرلیتا ہے۔

○ حدیث ○ : سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلى فقال صلى الله عليه وسلم مثل مؤخرة الرحل۔ (مسلم :سترة المصلى)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سترہ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مؤخرۃ الرحل کی طرح۔

○ حدیث ○ : من صلى فى يوم وليلة ثنتى عشر ركعة بنى له بيت فى الجنة اربعاقبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب وركعتين بعدالعشاء وركعتين قبل الفجر صلاة الغداة ۔

(جامع الترمذى :من صلى ثنتى عشر ركعة ،رواه مسلم مختصرا)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں یہ بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا (وہ یہ ہیں) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد ۲ مغرب کے بعد ۲ عشاء کے بعد ۲ فجر کے بعد

○ حدیث ○ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لایدع اربعا قبل الظہر ورکعتین قبل الغداۃ۔ (صحیح البخاری :الرکعتان قبل الظہر)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

○ حدیث ○ : رحم اللہ امرءً صلی قبل العصر اربعا۔

(الترمذی :ماجاء فی الاربع قبل العصر)

ترجمہ : اللہ رحم فرمائے اس شخص پر جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔

○ حدیث ○ : عن ابی معمر قال کانوا یستحبون اربع رکعات بعد المغرب۔ (مروزی :قیام اللیل ص۵۸)

ترجمہ : حضرت ابومعمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ مغرب کے بعد چار رکعت پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

○ حدیث ○ : کانو یستحبون اربع رکعات قبل العشاء الآخرۃ۔

(مروزی :قیام اللیل ص ۵۸)

ترجمہ : حضرات صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات کو مستحب سمجھتے تھے۔

○ حدیث ○ : کان یصلی بالناس العشاء ثم یرجع الی اہلہ فیصلی اربعا۔

(ابوداؤد :باب صلوۃ اللیل)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے اور چار رکعتیں پڑھتے۔

○ حدیث ○ : کان یصلی ثلاث عشر رکعۃ یصلی ثمان رکعات۔ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس۔ (مسلم :صلوۃ اللیل والوتر)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ پہلے آٹھ رکعت تہجد پڑھتے

پھر تین وتر پڑھتے۔ پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔

○ حدیث ○ : الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

(ابوداؤد :من لم یوتر۔ صححه الحاکم)

ترجمہ : وتر حق ہے۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

○ حدیث ○ : من نام عن وترہ او نسیه فلیصله اذا ذکرہ۔

(ابوداؤد :ابواب الوتر)

ترجمہ : جو شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے ضرور پڑھے۔

○ حدیث ○ : کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی من اللیل ثمان رکعات و یوتر بثلاث۔ (نسائی :باب الوتر)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی) آٹھ رکعات پڑھتے۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔

○ حدیث ○ : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع۔ (ابن ماجه :ماجاء فی ابواب الوتر)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے اور دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے

☆زیر ناف ہاتھ باندھنا

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ کہ "قیام۔ رکوع۔ سجود۔ اور تشہد سب نمازی ایک ہی طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ البتہ قیام کرتے وقت بعض لوگ سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں جبکہ بعض زیر ناف باندھ لیتے ہیں"۔ چنانچہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ ۳۹۰ پر حضرت علقمہ بن وائل کی روایت موجود ہے۔ عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم وضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة۔ (حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجرؓ سے روایت

کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

ابوداؤد نسخہ ابن الاعرابی صفحہ ۲۸۰۔ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۱ پر ہے۔عن ابی جحیفہ ان علیا قال من السنة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة۔(حضرت ابوجحیفہؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے)۔

عن ابي وائل قال قال ابوهريرة اخذ الاكف على الاكف في الصلوة تحت السرة۔(ابوداؤد نسخہ ابن الاعرابی جلد اول صفحہ ۱۸۰۔المحلی ابن حزم جلد ۳ صفحہ ۳۰)

حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں۔

واختلف في موضع الوضع فعنه فوق السرة وعنه تحتها وعنه ابو طالب سألت احمد ابن يضع يده اذا كان يصلي قال على السرة او اسفل وكل ذلك واسع عنده ان وضع فوق السرة او عليها او تحتها۔علي رضي الله عنه من السنة في الصلوة وضع الاكف على الاكف تحت السرة ۔عمرو بن مالك عن ابي الجوزاء عن ابن عباس مثل تفسير علي الا انه غير صحيح والصحيح حديث علي قال في رواية المزني اسفل السرة بقليل ويكره ان يجعلها على الصدر وذالك لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه نهى عن التكفير وهو وضع اليد على الصدر (بدائع الفوائد جلد ۳ صفحہ ۹۱)

دوران نماز ہاتھ باندھنے کی جگہ میں اختلاف ہے امام احمدؒ سے ایک روایت ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی ہے۔ایک ناف کے نیچے باندھنے کی ہے۔ایک روایت آپ سے وہ ہے جو ابوطالب نے ذکر کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ نمازی نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ

کہاں رکھے۔ آپ نے فرمایا "ناف کے اوپر یا نیچے رکھے"۔ اور آپ کے نزدیک سب جائز ہے چاہے ناف سے اوپر رکھے چاہے ناف پر رکھے اور چاہے ناف سے نیچے رکھے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ ہتھیلیوں پر ہتھیلیوں کو ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ عمرو بن مالک نے بروایت ابوالجوزاء حضرت ابن عباسؓ سے حضرت علیؓ کی تفسیر کی مانند روایت کی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح حضرت علیؓ کی حدیث ہے۔

امام حرنیؒ کی روایت کے مطابق امام احمدؒ کا یہ فرمان ہے کہ ناف سے تھوڑا نیچے باندھے۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے تکفیر سے منع فرمایا اور تکفیر سینہ پر ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں۔

ڈاکر نائیک صاحب اور غیر مقلدین کو چاہیے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی ایک حدیث بخاری و مسلم سے ثابت کریں کیونکہ ہر مسئلہ کے لیے ان کا مطالبہ دلیل بخاری و مسلم سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ناصر الدین البانی کو دنیائے اسلام کا معروف محقق و محدث کہا ہے۔ جبکہ ان کی تحقیق کا محاسبہ حسن بن علی السقاف نے تناقضات الالبانی الواضحات کے نام سے کیا ہے۔ جس میں البانی صاحب کے سینکڑوں تناقضات بیان کیے گئے ہیں۔

☆ البانی صاحب کا مسلم شریف پر اعتراض

ڈاکٹر ڈاکر نائیک صاحب بخاری و مسلم کی تمام حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔ اور ناصر الدین البانی پر اتنا اعتماد ہے کہ دوسروں کو البانی کی کتب پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ حالانکہ البانی نے صحیح مسلم کی کئی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جن میں سے چند آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

(۱) البانی نے اپنی کتاب "آداب الزفاف" کے صفحہ ۲۲ پر مسلم شریف کی حدیث ذکر کی ہے جو عمر بن حمزہ العمری کے واسطے سے روایت کی گئی ہے۔ "حدثنا عبدالرحمن بن سعد قال: سمعت ابا سعید الخدری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ الرجل یفضی الی امرأتہ وتفضی الیہ ثم

ینشر سرها"۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ذکر کی ہے "ان هذا الحدیث مع کونه فی صحیح مسلم فانه ضعیف من قبل سنده"۔ (بے شک یہ حدیث صحیح مسلم میں ہونے کے باوجود سند کے اعتبار سے ضعیف ہے)۔

یہی حدیث "ضعیف الجامع الصغیر" (۱۹۲/۲) میں ذکر کی ہے اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "هذا الحدیث من الاحادیث القلیلة التی تکلم علیها العلماء مما فی صحیح مسلم"۔ (یہ حدیث مسلم کی ان چند احادیث میں سے ایک ہے جن پر علماء نے کلام کیا ہے)۔

(۲) مسلم شریف کی حدیث "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لاتذبحوا الامسنة......" کے بارے میں "السلسلة الضعیفة" (۹۱/۱) میں لکھا ہے کہ "کان الأحری به ان یحشر فی زمرة الاحادیث الضعیفة"۔ (یہ روایت ضعیف احادیث میں شمار کئے جانے کے زیادہ لائق ہے)۔

(۳) "السلسلة الصحیحة" (۲۵۳/۴) پر مسلم شریف کی حدیث "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان رجلا قال والله لا یغفر الله لفلان......" ذکر کر کے اس کی سند سوید بن سعید کی وجہ سے ضعیف قرار دی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب جس البانی کو اس دور کا عظیم محدث کہتے ہیں اس کی دیدہ دلیریوں کا تو یہ عالم ہے کہ وہ مسلم شریف کی روایات کو ضعیف قرار دے رہا ہے۔

☆ البانی کی ایک اور دیدہ دلیری

ناصر الدین البانی کی ایک اور دیدہ دلیری کا نمونہ ملاحظہ ہو: بدع الزیارة فی المدینة المنورة: ابقاء القبر النبوی فی مسجده (مناسك الحج و العمرة ۔ بقلم ناصر الدین البانی) مدینہ منورہ کی زیارات کی بدعات میں سے ایک بدعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کو مسجد نبوی شریف میں باقی رکھنا ہے۔

☆ ننگے سر نماز پڑھنا

ڈاکٹر نائیک صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ میرے قصبے کے لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں آدھی آستینوں کی قمیص پہن کر، یا سر پر ٹوپی پہنے بغیر نماز ادا کرتا ہوں۔ ان کو اس وقت بھی سخت اعتراض ہوتا ہے کہ جب میں مسجد میں فرض نماز کی ادائیگی کے بعد سنتیں ادا کیے بغیر باہر نکل آؤں۔ ایسا میرے ساتھ کچھ عرصے سے ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے مجھے اتنی سخت اذیت پہنچتی ہے کہ میں سوچتا ہوں کہ آئندہ مسجد میں نہیں جاؤں گا۔ براہ کرم مشورہ دیجیے۔

جواب میں ڈاکٹر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ میں آپ کے "احساسات" کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔ لوگ ایسے مطالبات کرنے لگے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ایک مرد کے لیے نماز کے دوران اپنا ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔ متعدد علماء کرام کے مطابق مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے۔ جسم کے بقیہ حصوں کو دوران نماز ڈھانپ لیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ نصف آستین والی قمیص پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے۔ اس طرح نماز کے لیے سر پر ٹوپی کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ بعض علاقوں میں ٹوپی بہت ضروری سمجھی جاتی ہے۔

ایک دوسری جگہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی کسی آیت میں یا کسی بھی صحیح حدیث میں یہ حکم مذکور نہیں ہے کہ ٹوپی پہننا فرض ہے یا ٹوپی کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ جبکہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب رضوان اللہ علیھم اجمعین دوران نماز ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ اس لیے نماز ادا کرتے ہوئے کوئی نماز کے ادب و احترام کے پیش نظر ٹوپی اوڑھ لیتا ہے یا سر ڈھانپ لیتا ہے تو اس کا یہ عمل احسن ہے۔ ایک اور جگہ ڈاکٹر صاحب ان ہی الفاظ کا تکرار یوں کرتے ہیں۔ ٹوپی پہننا چونکہ ایک احترام کا عمل ہے اور بہت ساری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بالعموم نماز کی ادائیگی کے وقت سر کو ڈھانپا کرتے تھے لہٰذا صحابہ کرام کی پیروی میں ہمیں بھی ٹوپی لینی چاہیے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیں اس امر کو بھی ضرور ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں واضح طور پر کہیں بھی نماز کے لیے ٹوپی پہننے

کو فرض قرار نہیں دیا گیا۔ اس لیے اگر نماز بغیر ٹوپی پہنے ادا کرلی جائے تو یہ عمل بھی درست ہے اور جو نمازی بغیر ٹوپی پہنے نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہے اور اس میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ البتہ اگر کوئی اصرار کرے کہ ٹوپی اوڑھ کر نماز ادا کرنا درست نہیں تو اس شخص کی اس سوچ سے اتفاق ممکن نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فرمان سے یہ ثابت نہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز ادا کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔ گویا ٹوپی کے مسئلے کو لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو لوگ ٹوپی پہن کر نماز پڑھیں ان کو غلط کہنا بھی ایک بے جا جسارت ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں نماز ادا ہو جاتی ہے۔ امید ہے اس وضاحت سے میرے بھائی کو اپنے سوال کا شافی وکافی جواب مل گیا ہوگا۔

☆ اب ہم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے ننگے سر نماز پڑھنے کے مسئلے کو لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دینے پر چند احادیث پیش کرتے ہیں۔

عن انس ابن مالک قال کان رسول الله صلى الله علیه وسلم یکثر القناع۔ (شمائل ترمذی ص 8) حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

☆ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں تو سر کو ڈھانپ کر رکھتے ہوں مگر نماز میں کپڑا اتار دیتے ہوں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نماز میں بھی سر ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

عن انس ابن مالک قال رأیت رسول الله صلى الله علیه وسلم یتوضأ وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ینقض العمامة۔ (ابوداؤد شریف ج 1، ص 19) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور پگڑی کو کھولا نہیں۔

☆ ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پگڑی سے نماز پڑھی ہوگی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وضو کے

وقت تو پگڑی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر مسح کرتے ہوئے بھی اسے نہ اتاریں مگر عین نماز کے وقت اسے اتار دیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمامہ پر مسح جائز نہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے نیچے ہاتھ داخل کر کے اس اہتمام سے سر پر مسح نہ کرتے۔

عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ قال نافع وکان ابن عمر یفعل ذلک قال عبد اللہ ورأیت القاسم بن محمد وسالما یفعلان ذلک (شمائل ترمذی ص8) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عمامہ باندھتے تھے تو اپنے عمامہ (شملہ) کو اپنے کندھوں کے مابین لٹکا لیتے تھے۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی یونہی کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت قاسم بن محمدؒ اور سالمؒ کو بھی یونہی کرتے دیکھا ہے۔

☆اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت سالمؒ سر پر عمامہ رکھتے تھے۔ اور عمامہ باندھتے ہوئے اس کا شملہ کندھوں کے مابین لٹکا لیتے تھے اور ظاہری بات ہے کہ یہ عمامہ نماز میں بھی سر پر رہتا تھا یہ ممکن نہیں کہ نماز کے علاوہ تو سر پر عمامہ رکھتے ہوں اور نماز میں اتار دیتے ہوں۔

عن ابن عمر انہ کان اذا مسح رأسہ رفع القلنسوۃ ومسح مقدم رأسہ (رواہ الدار قطنی ج1 ص154) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سر پر مسح فرماتے تو ٹوپی سر سے ہٹا لیتے اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرماتے۔

اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے سر پر ہمیشہ ٹوپی ہوتی تھی اور جب وضو میں مسح کرتے تو اتار لیتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ پھر اسی میں نماز پڑھتے ہوں گے۔ کیونکہ اتار کر رکھنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ننگے سر نماز پڑھنے والے شاگرد کو ڈانٹتے بھی تھے۔

عن الحسن البصری قال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یسجدون وایدیھم فی ثیابھم ویسجد الرجل منھم علی عمامتہ (مصنف ابن ابی شیبہ

ج 1 ص 298۔ مصنف عبدالرزاق ج 1 ص 400۔ عمدۃ القاری بحوالہ الاعتصام 9 جولائی 1993ء) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نماز میں سجدہ کرتے اس حال میں کہ ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے تھے اور ان میں سے ہر آدمی اپنی پگڑی پر سجدہ کرتا تھا۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ نماز میں پگڑیاں پہنے ہوئے ہوتے تھے۔

پگڑی پر صرف دو فرقوں کا جھگڑا ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ محراب میں ضرور ہونی چاہیے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ ہو بھی تو اتار کر پھینک دو۔

عن وائل بن حجر قال ثم اتیتہ من العام المقبل وعلیھم الاکسیۃ والبرانس...الخ (طحاوی شریف ج 1 ص 144) حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں اگلے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (تو میں نے دیکھا کہ نماز میں) صحابہؓ کے (جسموں پر) چادریں تھیں اور (سروں پر) لمبی ٹوپیاں تھیں۔ یہ کتنی واضح حدیث ہے کہ صحابہؓ سروں پر ٹوپیاں اوڑھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ننگے سر نماز پڑھنے کے مسئلے کو لوگوں کے اختیار پر نہیں چھوڑا گیا۔

علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں قال ابن عمر لغلامہ نافع لما راہ یصلی حاسرا ارأیت لو خرجت الی الناس کنت تخرج ھکذا؟ قال لا قال فاللہ احق ان یتجمل لہ (مجموعۃ الفتاوی ج 22 ص 117) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگرد حضرت نافع کو ننگے سر نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کیا خیال ہے تمہارا اگر تمہیں لوگوں کے پاس جانا پڑے تو اس حالت میں جا سکتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ نہیں تو اس پر آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت اختیار کی جائے۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلدین سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "نماز کا صحیح اور مسنون طریقہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہو پگڑی سے یا ٹوپی سے" (فتاویٰ ثنائیہ ج 1 ص 525)

اسی طرح غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب نے بھی ان سے اختلاف

کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اہل علم کا طریق وہی ہے جواب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گذری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو...... کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے......ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل وفراست سے متعلق ہے۔اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

(فتاویٰ علماء اہلحدیث ج4،ص286 تا ج4،ص289)

غیر مقلد کے عالم مولانا ابوبکر غزنوی نے اپنے والد مولانا داؤد غزنوی صاحب کی سیرت میں ان کا حوالہ نقل کیا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا رسم بد ہے۔

☆ننگے سر نماز پڑھنے کے بارے میں چند اور غیر مقلد علماء کا موقف

سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں۔

”سر ننگا رکھنے کی عادت بنالینا اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔اور بھی نامناسب ہے۔ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل وفراست سے تعلق رکھتا ہے۔اگر حس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے“۔(فتاویٰ علماء اہل حدیث۔جلد۴۔صفحہ۲۹۱)

سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحب لکھتے ہیں۔”ابتدا عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرامؓ نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔چہ جائیکہ معمول بنا ہو۔اس لئے اس رسم بد کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔اگر تعبد اور خشوع اور عاجزی کے خیال سے نماز پڑھی جائے تو یہ عیسائیوں سے مشابہت ہوگی۔......اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد اور خشوع وخضوع کی علامت نہیں۔اور اگر ننگے سر نماز کسل اور سستی

کی وجہ سے ہے تو یہ منافقین کی ایک خصلت سے مشابہت ہوگی۔..... غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔المذنب الراجی رحمۃ ربہ الودود سید محمد داود الغزنوی ۔۲۹ جمادی الاولی ۱۳۲۹ھ"۔

(فتاویٰ علما اہل حدیث۔جلد۴۔صفحہ ۲۹۱)

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب فرماتے ہیں۔

"ٹوپی اور عمامہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ مسنون ہے"۔(فتاویٰ نذیریہ۔جلد۱۔صفحہ ۲۴۰)

غیر مقلدین کے مفسر قرآن مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں۔

"نماز کا صحیح اور مسنون طریقہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہے یعنی بدن پر کپڑا اور سر ڈھکا ہوا پگڑی یا ٹوپی سے"۔(فتاویٰ ثنائیہ۔جلد۲۔صفحہ ۵۲۵)

مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی صاحب فرماتے ہیں۔

"ننگے سر نماز ہو جائے گی مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔مگر یہ جو بعض کا شیوہ ہے کہ گھر سے پگڑی یا ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں۔یہ بالکل غلط ہے۔یہ فعل سنت سے ثابت نہیں۔ایسے ہی برہنہ سر کو بلاوجہ شعار (عادت) بنانا بھی خلاف سنت ہے۔اور خلاف سنت بے وقوفی ہی ہوتی ہے"۔(فتاویٰ ثنائیہ۔جلد۱۔صفحہ ۵۲۲)

غیر مقلد عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی (گجراتی) صاحب فرماتے ہیں۔

"ننگے سر نماز ہو جاتی ہے مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بناء پر ابدالآباد کے لیے یہ عادت بنا لینا جیسے کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا"۔(جریدہ اہلحدیث سوہدرہ۔شمارہ ۱۲۔جلد ۱۵۔فتاویٰ علماء اہل حدیث۔جلد۴۔صفحہ ۲۸۱)

ان حوالہ جات کے بعد ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس کا تو کوئی قائل نہیں کہ ٹوپی کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی نماز سر ڈھانک کے پڑھی ہے۔جس کا ثبوت تفصیلی طور پر ذکر کیا جا چکا ہے۔کیا ٹوپی کے مسئلے کو لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا

ہے؟۔اور ان مسائل (ننگے سر۔برہنہ جسم) کی کوئی بنیاد نہیں ہے؟۔کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام عمل ڈاکٹر صاحب کے نزدیک غیر اہم ہے؟۔

☆نماز میں ستر کا ڈھانپنا

کسی نے ڈاکٹر نائیک صاحب سے استفسار کیا ہے کہ نماز ادا کرنے کے لیے کون سا لباس زیادہ مناسب ہے۔کرتا پاجامہ،شلوار قمیص یا پینٹ شرٹ اور ٹائی وغیرہ۔

جواب میں ڈاکٹر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ دراصل نماز کے دوران بنیادی شرط ستر کا ڈھانپنا ہے اور بدن کا کون سا حصہ مستور ہونا چاہیے اس سلسلے میں عرض ہے کہ خواتین کو دوران نماز اپنا پورا بدن ڈھانپنا چاہیے۔خواتین کا صرف چہرہ اور کلائیوں سے اگلا والا ہاتھوں کا حصہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔جبکہ مردوں کا ستر یہ ہے کہ انھیں زیر ناف تک نچلا حصہ ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہیے اگر کسی وجہ سے باقی حصے کو نہ بھی ڈھانپا جائے تو نماز بہر حال ہو جائے گی۔جہاں تک لباس کا تعلق ہے کہ کون سا لباس زیادہ موزوں ہے،یعنی پینٹ شرٹ' کرتے پاجامے اور شلوار قمیص میں سے جس میں آپ کو زیادہ راحت اور آسانی محسوس ہو آپ وہ لباس پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ایسا لباس نہ پہنیں کہ نماز پڑھتے ہوئے آپ اس کی شکنیں درست کرنے اور اس کو سنبھالنے پر ہی لگے رہیں اور نماز میں خشوع وخضوع کا عمل متاثر ہو جائے۔پس نماز ادا کرتے ہوئے کوئی سا بھی لباس پہنا جا سکتا ہے لیکن یہ لباس شریعت کے تقاضوں سے متصادم نہ ہو اور شرعی احکام کی روح کے خلاف نہ ہو۔ لباس کو ساتر ہونا چاہیے۔غیر شرعی لباس ایسا لباس ہے جو جسم کی ستر پوشی سے قاصر ہو اور جسم کے اعضاء کو وہ پورے طور پر ڈھانپ نہ سکے اور ایسا لباس پہننے کی بھی اجازت نہیں،جس سے غیر مسلموں سے مشابہت کے پہلو نکلتے ہوں۔یعنی ایسا لباس نہ پہنا جائے جس پر صلیب کا نشان ہو یا کسی دیگر مذہب کے شعار کی علامات ہوں،یا جن سے شرک وبت پرستی جھلکتی ہو۔اس طرح کا لباس زیب تن کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔جبکہ شلوار قمیص،کرتے پاجامے،تہبند کرتے،کوٹ پتلون،یا شرٹ وپتلون پہن کر نماز ادا کی جا سکتی ہے اور اس سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

اُمید ہے اس وضاحت سے میرے عزیز کو تشفی آمیز جواب مل گیا ہوگا۔

☆ مردوں کی رانیں ستر میں شامل ہیں

عن محمد بن عبداللہ بن جحش ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر علی معمر بفناء المسجد محتبیا کاشفا عن طرف فخذہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمر فخذلک یا معمر فان الفخذ عورۃ (مسند احمد) محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے صحن میں معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے جو اپنے سرینوں کے بل گھٹنے اٹھا کر بیٹھے ہوئے تھے اوران کی ران کی ایک جانب ننگی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے معمر اپنی ران ڈھانپ لو کیونکہ ران وہ حصہ ہے جس کا چھپانا واجب ہے۔

☆ گھٹنے بھی ستر میں شامل ہیں

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....فان ما اسفل من سرتہ الی رکبتیہ من عورتہ (مسند احمد) حضرت عمرو بن شعیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی ناف سے لے کر اس کے گھٹنوں تک کا حصہ چھپانے کی چیز ہے۔

یاد رکھئے کہ اگر غایت وانتہا کا مابعد اس کے ماقبل میں شامل ہو تو غایت وانتہا حکم میں شامل ہوتی ہے اور اس سے زائد حصہ حکم سے خارج ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں "ما اسفل من سرتہ" ناف سے لے کر پاؤں تک شامل ہے۔ چنانچہ گھٹنے اس میں خود بخود شامل ہوگئے۔ اور غایت انتہا کے طور پر گھٹنوں کا ذکر ہی اس کی دلیل ہے۔ البتہ پنڈلیاں اس حکم سے باہر ہوں گی۔

مستدرک حاکم میں ہے "غطط فخذک فان الفخذ عورۃ" (۱۸۱/۴) اپنی ران کو پوشیدہ کر کیونکہ ران ننگ ہے۔

طبرانی میں ہے "یا جرھد خمر فخذک فانھا من العورۃ" اے جرہد اپنی ران کو چھپاوے کیونکہ

یہ شرمگاہ میں سے ہے۔(طبرانی ۳۰۵/۲۔ بیہقی ۲۲۸/۲)

"لا تبرز فخذك ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت"۔ تو اپنی ران کو ننگا نہ کر اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف دیکھ۔(بخاری و مسلم۔ ابوداود فی الجنائز والحمام۔ وابن ماجہ فی الجنائز)

"الرکبۃ من العورۃ"۔(سنن دارقطنی ۲۳۱/۱۔ دیلمی ۲۱۲/۱) گھٹنا شرمگاہ میں داخل ہے۔

☆ نماز کے دوران بیٹھنے کا طریقہ

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب ایک جگہ کہتے ہیں کہ نماز کے دوران لوگ جتنے طریقوں سے بیٹھتے ہیں ان سب کی اجازت ہے تاہم تین رکعت یا چار رکعت کی ادائیگی کے بعد جب آخری بار تشہد کے لیے بیٹھا جاتا ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں دائیں پاؤں کے نیچے ہو اور بایاں کولہا فرش پر ہو۔

☆ ڈاکٹر صاحب نے تو اس سلسلہ میں کوئی حدیث پیش نہیں کی بلکہ غیر مقلدین کا طریقہ بتلایا ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب ہر بات میں بخاری و مسلم کا حوالہ طلب کرتے ہیں۔ اور اب خود بغیر حوالہ کے مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ لیکن ہم التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا طریقہ مسلم شریف سے پیش کرتے ہیں۔ جسے ڈاکٹر صاحب بھی اہمیت دیتے ہیں۔

کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسری وینصب رجلہ الیمنی۔(مسلم : صفۃ الصلوۃ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لیے بیٹھنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

☆ مرد اور عورت کی نماز

کسی سامع بھائی نے تحریری طور پر سوال پوچھا ہے کہ خواتین اور مردوں کے نماز ادا کرنے کے طریقے میں فرق اور اختلاف کیوں ہے؟

میں نے کسی اور ساتھی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا تھا کہ نماز کے موضوع پر بے شمار کتب بازار سے دستیاب ہیں جن میں نماز ادا کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ نماز کے

طریقوں کے موضوع پر دستیاب ہونے والی کتب بالعموم دو فصلوں پر منقسم ہوتی ہیں: مثلاً
☆مردوں کے لیے نماز کی ادائیگی کا طریقہ ☆خواتین کے لیے نماز کی ادائیگی کا طریقہ۔
جبکہ کہیں بھی ایک صحیح و مستند حدیث نہیں ملتی جس میں عورت کے لیے مرد سے علیحدہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم ہو۔ اس کی بجائے صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ''حضرت اُم درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ التحیات میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم ہے''۔ (صحیح بخاری، جلد اول، کتاب خصائص نماز، باب ۲۳)

اس کے علاوہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے بہت سی احادیث مروی ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں اور احادیث مروی ہیں جن میں عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں سے بعض احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور احادیث وسنن کے دیگر مجموعوں میں شامل ہیں جبکہ ان احادیث مبارکہ میں اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہوا کہ عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں سے مختلف ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں آتا ہے:
''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسے ہی تم بھی پڑھو''۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ۱۸، حدیث: ۶۰۴، جلد نہم حدیث ۳۵۲)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں عورتوں اور مردوں کو یکساں طریقے سے نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے نہ یہ کہ عورتیں مردوں سے کسی الگ طریقے سے نماز ادا کریں اور مرد کسی اور طریقے کے مطابق نماز ادا کریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

☆ ڈاکٹر صاحب نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کے التحیات میں مردوں کی طرح بیٹھنے کی روایت نقل کی ہے۔ اس میں عورتوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم موجود نہیں۔ ام درداء رضی اللہ عنہا خود فقیہہ تھیں اس لیے یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما التحیات میں چوکڑی مار کر بیٹھتے تھے۔ اس لیے کہ وہ خود مجتہد تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ کہیں بھی ایک صحیح و مستند حدیث نہیں ملتی جس میں عورت کے لیے مرد

سے علیحدہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم ہو۔ اور بخاری شریف میں آتا ہے کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسے ہی تم بھی پڑھو۔ آگے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں عورتوں اور مردوں کو یکساں طریقہ سے نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے دھوکہ دینے کی خاطر بخاری شریف کی طرف روایت کا غلط انتساب کیا ہے۔ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیس روز رہے۔ اور جلدی واپس جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلیہ دے دیا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسے نماز پڑھو۔ اس حدیث میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز طرح کہیں بھی نہیں کہا گیا۔ عورتیں نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دیکھتی ہوں گی۔ کیونکہ وہ تو صحابہ کے بہت پیچھے کھڑی ہوتی تھیں۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب یہی مطلب لینے پر مصر ہیں جو انہوں نے بیان کیا تو اولاً عورتوں کو چاہیے کہ وہ غیر مقلد مردوں کی طرح ننگے سر نماز پڑھیں۔ نصف پنڈلی تک شلوار رکھیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوا کریں۔ چیخ کر آمین کہا کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ جیسا مجھے حج کرتا دیکھو ویسے حج کیا کرو۔ اس میں بھی ایسا ہی عموم رکھیں۔ عورتیں احرام کے لیے دو چادریں استعمال کریں۔ دوران طواف اضطباع بھی کیا کریں اور رمل بھی کریں۔ رمی کے بعد حلق بھی کروایا کریں۔ تاکہ معلوم ہو کہ تقلید کی دھجیاں بکھیرنے والی بھی اور کتاب وسنت کو گلے لگانی والی بھی حج کر رہی ہیں۔

عورتوں اور مردوں کی نماز میں ویسے ہی فرق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عورت اور مرد میں فرق رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو غیر مقلدین کی اتباع میں ذخیرہ احادیث میں عورت اور مرد کی نماز میں فرق کی کوئی حدیث بھی نہیں ملی۔ کور چشم کو کیا دکھائیں۔ البتہ قارئین کے افادہ کے لیے ہم احادیث ہی سے یہ فرق ثابت کیے دیتے ہیں۔

☆ مرد اور عورت کی نماز کا پہلا فرق تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا ہے۔ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا وائل بن حجر اذا صلیت

فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها۔ (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۱۸ نمبر ۲۸، ۲۹۷ کنز العمال حدیث ۱۹۶۴۰) مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر جب تم نماز شروع کرو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک اٹھائے۔ امام ہیثمیؒ نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ المتوفی ۲۳۳ھ اپنی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۳۹ پر حضرت عطاءؒ تابعی سے نقل کرتے ہیں کہ عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔

امام بخاریؒ کے دوسرے استاد امام عبدالرزاقؒ المتوفی ۲۱۱ھ حضرت ابن جریجؒ المتوفی ۱۵۰ھ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عطاء تابعیؒ نے فرمایا کہ عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں۔ (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)

امام عبدالرزاقؒ کہتے ہیں کہ ہمیں مکہ والوں نے بتایا کہ حضرت ابن جریجؒ نے نماز حضرت عطاءؒ سے سیکھی اور حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن زبیرؓ سے سیکھی اور حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سیکھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔

حضرت امام عبدالرزاقؒ حضرت ابن جریجؒ سے اور وہ حضرت عطاءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت (نماز میں) لپٹ سمٹ کر رہے گی۔ جب رکوع کرے اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے (یعنی ملائے) گی اور جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے گی۔ پھر جب سجدہ کرے گی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم کے ساتھ ملائے گی اور اپنے پیٹ کو اور اپنے سینے کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے گی اور جتنا ہو سکے لپٹ سمٹ جائے گی (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ حدیث ۵۰۶۹)

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت اور مرد کی نماز ایک جیسی نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔

مراسیل ابی داؤد صفحہ ۸ اور سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ پر ہے۔ عن یزید بن ابی حبیب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضمّا بعض

اللحم الی الارض فان المرأة فی ذالک لیست کالرجل۔

(حضرت یزید بن ابی حبیبؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت) میں مرد کی طرح نہیں ہے)۔

☆عورتوں کا نماز کے دوران بیٹھنے کا طریقہ

حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیف کن النساء یصلین علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن (یعنی یستوین جالسات علی اوراکھن) (جامع المسانید۔جلد۱۔صفحہ۴۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ (یعنی تشہد میں کس طرح بیٹھا کرتی تھیں؟) تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ پہلے تو (قعدے حالت میں) چار زانو ہو کر بیٹھتی تھیں پھر بعد میں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مرفوع حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الرکعة الاخیرة یفرش رجله الیسری وینصب الاخری ویقعد علی مقعلته وکان ینهی عن افتراش السبع فی الجلوس وهو ان یجلس مادا ذراعیه علی الارض وکان یامر النساء ان یحتفزن او تربعن فی التشهد۔ (کشف الغمة عن جمیع الامة ۔کتاب الصلوة۔باب صفة الصلوة۔فصل فی الجلوس الاخیر والتشهد فیه)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی آخری رکعت میں قعدے کے لیے بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیا کرتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیا کرتے تھے اور اپنے سرین پر بیٹھ جاتے تھے اور نبی علیہ السلام (مردوں کو) اس طرح درندوں کے

طریقے پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر بیٹھا جائے اور نبی علیہ السلام عورتوں کو تشہد کی حالت میں سمٹ کر (یعنی دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اور زمین سے چمٹ کر) بیٹھنے کا یا چوزانوں بیٹھنے کا حکم فرماتے تھے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب سے روایت ہے: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الى الارض فان المرأة ليست في ذلك كالرجل (السنن الكبرى للبيهقي۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۳۔ مراسیل ابی داؤد۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو اس لیے کہ اس سلسلہ میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے۔

حدیث مرسل قابل عمل ہوتی ہے۔ اور جو اسے قابل عمل نہیں سمجھتے ان کے لیے امام بیہقی کا حوالہ کافی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے دو موصول طریقوں سے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ والمرأة تنخفض وتلزق بطنها بفخذيها لانه استر لها فانه عورة مستورة ويدل عليه مارواه ابوداود في مراسيله انه عليه الصلوة والسلام مر على امرأتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الى الارض فان المرأة ليست في ذلك كالرجل وذكر الشارح ان المرأة تخالف الرجل في عشرة خصال: ترفع يديها الى منكبيها وتضع يمينها على شمالها تحت ثديبها ولا تجافي بطنها عن فخذيها وتضع يديها على فخذيها تبلغ رؤس اصابعها ركبتيها ولا تفتح ابطيها في السجود وتجلس متوركة في التشهد ولا تفرج اصابعها في الركوع ولا تؤم الرجال وتكره جماعتهن ويقوم الامام وسطهن اه ويزاد على العشر انها لا تنصب اصابع القدمين كما ذكره في المجتبى۔ (البحر الرائق

شرح کنز الدقائق۔ جلد ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اور عورت اپنے آپ کو پست اور نیچا رکھے گی اور اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ چمٹا کر رکھے گی اس لیے کہ عورت کے حق میں یہ زیادہ پردے کی بات ہے اور عورت پردے اور چھپانے کی چیز ہے۔ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا لو۔ اس لیے کہ اس سلسلہ میں عورت حکم مرد کی طرح نہیں ہے اور شارح نے ذکر کیا کہ عورت کی نماز کی حالت مرد سے تقریباً دس چیزوں میں مختلف ہے۔

عورت تکبیر تحریمہ کے لیے اپنے ہاتھ اپنے کاندھوں تک اٹھائے گی۔ اور وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنی چھاتی کے نیچے باندھے گی۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ نہیں کرے گی۔ اور رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر اس طرح رکھے گی کہ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے کنارے اس کے گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور اپنی دونوں بغلوں کو سجدے کی حالت میں کشادہ نہیں کرے گی اور تشہد کی حالت میں اپنے دونوں پاؤں ایک طرف نکال دے گی۔ اور رکوع کی حالت میں اپنی انگلیوں کو کشادہ کر کے نہیں رکھے گی۔ اور مردوں کی امامت نہیں کرائے گی۔ اور عورتوں کو اپنی جماعت کرنا بھی مکروہ ہے۔ (اور اگر اس مکروہ کا ارتکاب کرتے ہوئے عورتیں جماعت کریں) تو ان کی امام درمیان میں کھڑی ہوگی۔ اور اس کے علاوہ ایک یہ بھی ہے یہ وہ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو (سجدہ۔ قعدہ وغیرہ میں) کھڑا نہیں کرے گی۔ جیسا کہ مجتبیٰ میں مذکور ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والمرأة تضع علی صدرها اتفاقا لان مبنی حالها علی الستر (شرح النقایۃ۔ جلد ا۔ صفحہ ۱۲۲) اور عورت سب کے نزدیک اپنے ہاتھ سینے پر رکھے گی اس لیے کہ عورت کی حالت کا دارومدار پردے پر ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنۃ لهن

وضع اليدين على الصدر لانه استرلها كمافي البنايةوفي المنية المرأةتضعهماتحت ثدييها۔ (السعایۃ، جلد۲، صفحہ ۱۵۶) رہا عورتوں کے حق میں (ہاتھ باندھنے کا معاملہ) تو تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کے لیے سنت سینے پر ہاتھ باندھنا ہے۔ کیونکہ عورتوں کے لیے یہ زیادہ پردے کا باعث ہے۔ جیسا کہ بنایہ میں ہے۔ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنے پستانوں کے نیچے (متصل) رکھے گی۔

صحاح ستہ کے مترجم غیر مقلدین کے علامہ وحید الزمان حیدر آبادی نے تحریر فرمایا ہے۔ "الاان المرأة ترفع يديهاعند التحريم الى ثدييهاولاتخوى في السجود كالرجل بل تنخفض وتلصق وتضم بطنهابفخذيها"۔ (نزل الابرار من فقہ النبی المختار۔ جلد۱۔ صفحہ ۸۵) "مگر اتنی بات ہے کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنی چھاتی تک اٹھائے گی اور سجدے میں مرد کی طرح پیٹ کو زمین سے اونچا نہیں رکھے گی بلکہ پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے چپکا لے گی"۔

غیر مقلدین کے مشہور عالم عبد الجبار بن عبد اللہ غزنوی صاحب لکھتے ہیں۔ "غرض یہ کہ عورتوں کا انضمام (اکٹھی ہو کر) اور انخفاض (سمٹ کر اور چمٹ کر) احادیث اور تعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے۔ اور اس کا منکر کتب حدیث اور تعامل اہل علم سے بے خبر ہے"۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الجبار عفی عنہ۔ (فتاوی غزنویہ۔ صفحہ ۲۸۔ فتاوی علماء اہل حدیث۔ جلد۳۔ صفحہ ۱۴۹)

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے دوسرے اعتراض صلوا کمارأیتمونی اصلی کی طرف آتے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد علیشؒ نے حدیث صلوا کمارأیتمونی اصلی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "صلوا كمارأيتموني اصلي فلم يامرهم الابفعل مارأواواهل العلم لايرون عنه صلى الله عليه وسلم فهم مثله في الاقتداء فكانه قال كمارأيتموني اصلي اورأيتم نوابي يصلون" (منح الجليل شرح مختصر خليل۔ جلد۱۔ فصل في بيان حكم فعل الصلوة في جماعة)۔

"حدیث صلوا کما رایتمونی اصلی (تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھے جانے والے فعل کا حکم دیا اور صحابہ و دیگر اہل علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اس اتباع و اقتداء کیے جانے کے سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہوئے۔ تو گویا کہ نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو یا (اگر تم مجھے نہیں دیکھ رہے بلکہ) تم میرے نائبین (صحابہ و تابعین الی آخرہ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو"۔

اگر بخاری شریف کی مذکورہ حدیث کا مطلب وہی ہوتا جو مرد و عورت کی نماز میں فرق کے منکرین بیان کرتے ہیں تو صحابہؓ مرد و عورت کی نماز کے فرق کے کیوں کر قائل ہوتے۔

احادیث تو بتلا رہی ہیں کہ اللہ کے نبی کے نزدیک مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے ذاکر نائیک صاحب اور غیر مقلدین کے نزدیک عورت اور مرد کی نماز میں فرق نہیں ہے۔ اگر بات ایسی ہے تو عورتیں اپنی مسجد الگ بنانا چاہیں اور وہاں خود مؤذن۔ امام اور خطیب بننا چاہیں تو انہیں اجازت ہونی چاہیے۔ نیز عورتیں اقامت کہنا چاہیں تو اجازت ہونی چاہیے۔ مردوں کی امامت کی اجازت ہونی چاہیے۔ اور اونچی آواز سے قرأت کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔ نیز عورتوں کو ننگے سر۔ کہنیاں اور ٹخنے کھول کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ ان کی شرکت جماعت میں ضروری ہونی چاہیے اور جماعت میں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح ایک میٹر کا فاصلہ رکھیں۔ ان پر بھی جمعہ اور عیدین واجب ہونا چاہیے۔ اور اگر مذکورہ بالا امور نماز میں ان کا مردوں سے اختلاف ہے تو پھر عورتوں کی نماز مردوں جیسی کس طرح ہو سکتی ہے؟

موجودہ دور کے غیر مقلدین تو عورت و مرد کی نماز میں فرق کے قائل نہیں ہیں لیکن ان کے اکابر فرق کے قائل تھے چنانچہ صحاح ستہ کے مترجم جن کے تراجم پڑھنے کی غیر مقلدین حضرات لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں یعنی علامہ وحید الزمان حیدر آبادی اپنی کتاب لغات الحدیث جلد اول صفحہ ۹۸ پر "ج" کے تحت لکھتے ہیں۔ عورت جب نماز پڑھے تو جلسہ اور سجدہ میں سمٹ کر رہے اور مرد کی طرح نہ

پھیلائے۔ (جیسے مرد سجدہ میں اپنا پیٹ رانوں سے علیحدہ اور بازو پہلو سے جدا رکھتا ہے)

مترجم صحاح ستہ علامہ وحید الزمان صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ مگر اتنی بات ہے کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنی چھاتی تک اُٹھائے گی اور سجدہ میں مرد کی طرح پیٹ کو زمین سے اونچا نہیں رکھے گی بلکہ پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے چپکائے گی (نزل الابرار من فقہ النبی المختار جلد۱ صفحہ ۸۵)

مولانا داؤد غزنوی کے والد اور میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولانا عبد الجبار غزنوی بھی عورت و مرد کی نماز میں فرق کرتے تھے۔

ڈاکر نائیک صاحب کی یہ بات کہ حدیث صلوا کما رایتمونی اصلی سے عورتوں اور مردوں کو یکساں طریقے سے نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے غلط ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطاب حضرت مالک بن حویرثؓ اور ان کے رفقاء کو اس وقت ہے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت سے مستفید ہو کر واپس جا رہے تھے۔ لہذا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب مرد حضرات تھے خواتین نہ تھیں۔ اور اگر اس خطاب سے مراد پوری امت ہے تو عورتوں کو بھی عمامہ پہن کر نماز پڑھنی چاہئے۔ نماز میں ٹخنے ننگے رکھنے چاہئیں اور ڈاکر نائیک صاحب کے دوسری جگہ ایک سوال کے جواب کے مطابق ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر عورتیں ننگے سر نماز پڑھیں تو ان کی نماز بھی ہو جانی چاہیے۔ بلکہ بیگم فرحت ہاشمی کی تقلید میں امامت بھی کروانی چاہیے۔ اور مردوں کی طرح اونچی قرأت بھی کرنی چاہئے۔

☆ نماز میں عورت کے ستر کا ڈھانپنا

بات چل رہی تھی پردہ کی اور اس میں غیر مقلدین کی مخالفت نص قرآنی اور مخالفت حدیث کا ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ اب غیر مقلدین کی آزاد خیالی ملاحظہ ہو۔ کہ وہ نماز کے اندر بھی عورت کے ستر ڈھانپنے کے قائل نہیں۔ جبکہ عورت کے سر کے بال ستر میں داخل ہیں۔ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لیے ستر ڈھانپنا شرط ہے۔ چنانچہ ترمذی

جلد اول صفحہ ۸۶۔ ابوداؤد جلد اول صفحہ ۹۴ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتقبل صلوۃ الحائض الا بخمار (جوان عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں)۔

لیکن نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد بدور الاہلہ صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں۔ "واما آنکہ نماز زن اگرچہ تنہا یا با زنان یا با شوہر یا دیگر محارم باشد۔ بے ستر تمام عورت صحیح نیست پس غیر مسلم است"۔ (رہی یہ بات کہ عورت کی نماز اگرچہ وہ تنہا ہو یا دوسری عورتوں کے ساتھ ہو یا شوہر یا دوسرے محرموں کے ساتھ ہو تو پورے ستر کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی تو یہ بات ہمیں تسلیم نہیں)۔

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خان صاحب نے بدور الاہلہ صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے عورت کی نماز بغیر تمام ستر چھپائے ہوئے صحیح ہے۔ تنہا ہو یا دوسری عورتوں کے ساتھ ہو۔ یا اپنے شوہر کے ساتھ ہو۔ یا دوسرے محارم کے ساتھ ہو۔ غرض ہر طرح صحیح ہے۔ زیادہ سے زیادہ سر چھپالے یہاں ڈاکر نائیک صاحب کیا کہیں گے؟۔ یہ فرمان کس حدیث صحیح کے تحت جاری ہوا؟۔ عذر کی صورتیں اور مجبوری کی حالتیں تو اقوال رجال ہیں۔ ان کا ذکر کرنا اہلحدیث (غیر مقلد) ہو کر درست نہیں۔

غیر مقلدین نے دین کی اصلاح کرتے ہوئے جدیدیت زدہ لوگوں کو نماز میں مزید آسانی فراہم کروی۔ آخر میں یہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

غیر مقلدین کے ایک اور عالم نواب نور الحسن خان بن نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ "واز بنجا دریافتہ باشی کہ ہر کہ چیزی از عورتش در نماز نمایاں شد یا در جامہ ناپاک نماز گزارد نمازش صحیح ست"۔ (عرف الجادی صفحہ ۲۲) یہیں سے تمہیں معلوم ہوگا کہ نمازی کے ستر کا جو حصہ بھی نماز میں کھل جائے یا وہ ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہے۔

☆ بغیر وضو نماز

ڈاکر نائیک صاحب سے کسی نے سوال کیا ایک بار نماز باجماعت کی تکمیل کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا کہ وہ وضو کرنا بھول گئے تھے اور انھوں نے بے وضو ہی نماز کی امامت کروی چنانچہ تمام

نمازی اپنی نماز دہرالیں، اس پر بحث ہونے لگی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ مقتدیوں کی نماز ہوگئی ہے۔ انھیں نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ دیگر کچھ افراد کا اصرار تھا کہ مقتدیوں کو نماز دہرانی چاہیے۔ چنانچہ آدھے نمازیوں نے نماز دہرالی اور آدھے نمازی نماز دہرائے بغیر چلے گئے۔ ان میں کس نے درست عمل کیا؟

جواب میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں۔ امام صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی بھول کا اعلان نہ کرتے اور وضو کر کے نماز دوبارہ ادا کر لیتے۔ مقتدیوں کی نماز درست تھی۔ جو لوگ نماز دہرائے بغیر چلے گئے، انھوں نے ٹھیک کیا۔ چند لوگوں نے نماز دہرائی، ان شاء اللہ تعالیٰ انھیں نفل نماز کا الگ سے ثواب ملے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نماز فجر کی امامت فرمائی۔ نماز کے بعد انھیں احساس ہوا کہ ان کے لباس پر ناپاکی کے آثار موجود ہیں۔ انھوں نے غسل فرمایا اور نماز دوبارہ ادا فرمائی لیکن انھوں نے مقتدیوں میں سے کسی کو نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ انھوں نے مقتدیوں کو نماز دہرانے کی ہدایت نہیں کی تھی۔

☆ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب جو بخاری و مسلم اور صحیح حدیث کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ یہاں اپنے اصول سے ہٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتانے کی بجائے صحابی کا عمل ذکر کر رہے ہیں اور اس کی تفصیل بتانے سے بھی گھبرا رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے وہ تمام مسائل جن میں وہ امت مسلمہ سے اختلاف کرتے ہیں مفروضہ سوالوں کی شکل میں جان بوجھ کر عام سامعین کے سامنے لائے جا رہے ہیں۔ تاکہ ان کا ذہن بھی منتشر ہو جائے۔

☆ مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ پر ہے۔ عن ابی جعفر ان علیا صلی بالناس وھو جنب او علی غیر وضوء فاعادو امرھم ان یعیدوا۔ حضرت ابو جعفرؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حالت جنابت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دی۔ آپ نے وہ نماز خود بھی لوٹائی اور ان لوگوں کو بھی لوٹانے کا حکم دیا۔

کتاب الآثار للامام ابی حنیفہؒ صفحہ ۳۱ پر ہے۔ عن ابراھیم قال اذا فسدت صلوۃ الامام

فسدت صلوۃ من خلفه۔حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔آگے لکھا ہے۔عن عطاء بن رباح فی رجل یصلی باصحابه علی غیر وضوء قال یصلو ویصلون۔حضرت عطاء بن ابی رباح نے ایسے شخص کے بارے میں جو مقتدیوں کو بغیر وضو کے نماز پڑھا دے۔یہ ارشاد فرمایا کہ امام اور مقتدی سب نماز لوٹائیں۔

مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ پر ہے۔عن الثوری قال سمعت حمادا یقول اذا فسدت صلوۃ الامام فسدت صلوۃ القوم۔حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حمادؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہوجائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین کے اقوال کے بعد بھی غیر مقلدین اور ڈاکر نائیک صاحب کے نزدیک جو امام بغیر وضو نماز پڑھا دے وہ صرف اپنی نماز لوٹائے۔مقتدیوں کو بتانے کی ضرورت نہیں۔کیا اسی کو عمل بالحدیث کہتے ہیں؟۔

☆امام کا دوبارہ جماعت کروانا

ہم نے اپنے دفتر میں باجماعت نماز کی ادائیگی کا اہتمام کیا ہے۔بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک ساتھی نماز کی ادائیگی کے لیے اس وقت پہنچتا ہے جب جماعت ختم ہوچکی ہوتی ہے۔ایسی صورت میں وہ چند لمحے انتظار کرتا ہے کہ کوئی اور ساتھی آجائے تاکہ وہ باجماعت نماز ادا کر سکے۔ایک موقع پر جب کوئی اور ساتھی نہیں آیا تو پہلی جماعت کی امامت کرنے والے امام نے پیش کش کی کہ وہ ان کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں اور دوبارہ امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں تاکہ تاخیر سے آنے والے ساتھی نماز باجماعت ادا کرسکیں۔تاخیر سے آنے والے ساتھی کا کہنا تھا کہ چونکہ امام صاحب پہلے ہی ایک جماعت کی امامت کرچکے ہیں اس لیے وہ دوسری جماعت کی امامت نہیں کرسکتے۔اس مسئلے پر دونوں میں خاصا اختلاف رائے ہوا۔آپ کی رائے درکار ہے۔

جواب میں ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں۔آپ کے ساتھی کو اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنی چاہیے تھی،امامت کوئی بھی شخص کرے نماز کی درستگی پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔تاخیر سے آنے والے غالباً اس

بات پر فکر مند تھے کہ چونکہ امام صاحب فرض نماز ادا کی امامت کر چکے ہیں اس لیے میرے ساتھ نماز ادا کرنے میں وہ سنت یا نفل ادا کریں گے۔ ان کے ذہن میں یہ سوال ہوگا کہ سنت یا نفل نماز کو فرض نماز پر کیسے فوقیت دی جا سکتی ہے۔ لیکن یہاں فوقیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات صحیح ہے کہ بعض علماء اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ فرض ادا کرنے والے مقتدیوں کی امامت ایسا شخص کرے جو سنت یا نفل ادا کر رہا ہو، لیکن علماء کی اکثریت اس رائے سے متفق نہیں ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح نماز با جماعت ادا کی جا سکتی ہے اور وہ بالکل درست ہوگی۔ اس بارے میں ایک مشہور حدیث موجود ہے جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ معروف صحابی رسول حضرت معاذؓ بن جبل کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ادا کرتے اور اس کے بعد اپنے قبیلے میں جا کر وہاں لوگوں کی عشاء کی نماز کی امامت کرتے۔ دیکھا جائے تو حضرت معاذؓ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے بیان کردہ واقعہ میں آپ کے ان ساتھی کا ہے جو نماز کی امامت کرتے ہیں۔ امام کے انتخاب کا پہلا معیار یہ ہے کہ وہ مقتدیوں میں سب سے بہتر ہو اور قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہو۔ کسی شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ معاذؓ نے عشاء کی نماز میں قرآن مجید کی سب سے طویل سورہ "البقرہ" تلاوت کی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو بلایا اور انھیں ہدایت کی کہ امامت کرتے وقت قرآن پاک کی درمیانی طوالت یا مناسب طوالت کی سورۃ تلاوت کیا کریں۔ یہاں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات پر کوئی سوال نہیں کیا کہ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں عشاء کی نماز ادا کر لیتے ہیں تو پھر اپنے قبیلے میں جا کر عشاء کی نماز کی امامت کیوں کراتے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک خاص وقت کی نماز ادا کر چکا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اسی وقت کی فرض نماز کی دوسرے لوگوں کی امامت کرے۔ امام کے لیے وہ سنت یا نفل نماز ہوگی لیکن اس سے فرض نماز ادا کرنے والوں کی نماز متاثر نہیں ہوتی۔

☆ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے اس مسئلہ میں بھی سامعین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم احادیث کی روشنی میں درست مسئلہ پیش کرتے ہیں۔

عن سلیمان مولی میمونۃ قال اتیت ابن عمر علی البلاط وهم یصلون فقلت الا تصلی معهم؟ قال قد صلیت ۔انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین" ۔(ابوداؤد جلد اول صفحہ ۸۵) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں (مدینہ منورہ میں) مقام بلاط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے؟ آپ نے فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

اگر چہ یہ حدیث موقوف اور منقطع ہے۔ لیکن احناف کے ہاں موقوف حجت ہے۔ اور خیر القرون کا انقطاع غیر مضر ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے قول سے صحابی کا عمل بہر حال فوق ہے۔ اس سے زیادہ تصریح مصنف عبدالرزاق جلد ۲۰۹۔ معجم طبرانی کبیر حدیث ۹۳۳ سے ہو رہی ہے۔ جس کی سند کو غیر مقلدین کے بڑے عالم ناصر الدین البانی نے حسن کہا ہے۔

عن ابراهیم ان علقمۃ والاسود اقبلا مع ابن مسعود الی مسجد فاستقبلهم الناس قد صلوا فرفع بهما الی البیت فجعل احدهما عن یمینه والآخر عن شماله ثم صلی بهما ۔(حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علقمہؒ اور حضرت اسودؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔ لوگوں نے ان حضرات کا استقبال کیا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت علقمہؒ اور اسودؒ کو لے کر گھر تشریف لے گئے اور ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے نماز

پڑھائی۔)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۳ پر (باب القراءۃ فی العشاء۔ مسئلہ المفترض خلف المتنفل) لکھا ہے کہ "حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت "انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ ...... الخ" (بخاری جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۰۔ باب صلوۃ القاعد۔ ابواب تقصیر الصلوۃ) اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مقتدی اور امام کے افعال ظاہرہ اور باطنہ میں اتنا ربط اور اتحاد ہونا چاہیے کہ مقتدی امام کی نیت کے ساتھ صلوۃ امام میں شریک ہو سکے۔ تب ہی امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہوگی۔ اور مقتدی امام کا فعل اور نیت کے اعتبار سے تابع ہوگا۔ اور "لا تختلفوا علیہ" کے تقاضا پر بھی عمل ہو سکے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مقتدی مفترض امام متنفل کی نماز میں صلوۃ امام کی نیت کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں مقتدی کی نماز کا امام کی نماز کے ساتھ ربط کہاں رہ سکتا ہے؟۔ اس کے علاوہ مفترض بحیثیت قوی ہونے کے متنفل (جو کہ عمل کے لحاظ سے ضعیف ہے) کا تابع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے "اقتداء کرنے" کی حقیقت کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتداء کا حکم بتدریج دیا گیا اور اس میں آہستہ آہستہ ترقی ہوئی۔ ورنہ شروع میں امامت اور اقتداء کا مفہوم صرف یہ تھا کہ امام اور مقتدی ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ پھر مقتدی کے افعال کو امام کے افعال کے ساتھ متعلق قرار دے کر ما موتین اور امام کی نماز کو ایک کر دیا گیا۔ اور مقتدیوں کو افعال نماز میں امام کی مخالفت سے روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ قراءت جیسے اہم رکن میں بھی دونوں کو شریک کر کے ان کے درمیان مکمل اتحاد پیدا کر دیا گیا۔ اقتداء کی تکمیل کے ان تدریجی مراحل پر سنن ابوداؤد جلد اول صفحہ ۷۴ باب کیف الاذان میں ابن ابی لیلیٰؒ کی روایت دلیل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں مسبوق جماعت میں شریک حضرات سے فوت شدہ رکعتوں کے بارے میں پوچھتا تھا اور پھر اپنی رکعتوں کو پورا کر کے امام کے ساتھ شریک ہوتا۔ لیکن ایک مرتبہ حضرت معاذؓ مسبوق ہوئے تو فوراً آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے اور انہوں نے اپنی بقایا رکعتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پوری کیں۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ان معاذاقد سن لکم سنة کذلك فافعلوا"۔یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شروع اسلام میں مقتدی کے لیے امام کی اقتداء تمام جہات میں لازم نہ تھی۔پھر بتدریج لازم ہوتی گئی۔یہاں تک کہ امام اور مقتدی کی نماز میں مکمل اتحاد ہوگیا۔پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن احادیث میں مکمل اقتداء کے تقاضا کے خلاف کوئی فعل ہواور اس کی کوئی تاریخ بھی معلوم نہ ہوا یسی احادیث کو امام کی مکمل اقتداء کرنے اور اس سے اختلاف کرنے کی ممانعت سے پہلے پر محمول کیا جائے۔البتہ اگر کوئی صریح دلیل اس پر دلالت کرے کہ اس حدیث کا تعلق مکمل اقتداء کرنے کے بعد سے ہے تب اس حدیث پر عمل کیا جائے گا۔حضرت معاذؓ کی حدیث میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے۔چنانچہ اسے بھی مکمل اقتداء سے پہلے والے احکام پر محمول کیا جائے گا"۔

☆ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے درست نہیں

غیر مقلدین کے مشہور عالم ناصر الدین البانی فرماتے ہیں۔ولا یعارض هذا الحدیث المشهور الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه.........فان غایة مافیه حض الرسول صلی الله علیه وسلم احد الذین کانوا صلوا معه صلی الله علیه وسلم فی الجماعة الاولیٰ ان یصلی وراءه تطوعا۔فهی صلوة متنفل وراء مفترض وبحثنا انما هو فی صلوة مفترض وراء متنفل۔(تمام المنة صفحہ ۱۵۷)اور اس موقف کے خلاف وہ حدیث پیش نہ کی جائے جس میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لے؟ کیونکہ اس حدیث شریف سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں سے جنہوں نے آپ کے ساتھ پہلی جماعت میں شرکت کی تھی ایک شخص کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ اس آنے والے کے پیچھے نماز پڑھ لے۔پس یہ تو صورت ہوئی کہ ایک نفل نماز پڑھنے

والا فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھے۔ جبکہ ہماری بحث تو اس میں ہے کہ ایک فرض نماز پڑھنے والا دوسرے فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے"۔

ناصر الدین البانی کی اس بحث کو ڈاکٹر ذاکر صاحب کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث پر قیاس کریں کہ جو صحابی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ چکا ہے وہ دوسروں کو فرض نہیں بلکہ نفل پڑھا رہا ہوگا۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے درست نہیں اسی سے جماعت ثانیہ کی نفی بھی ہو رہی ہے جس کی غیر مقلدین کے ہاں بہت ترویج دی جاتی ہے۔ ہم اس مناسبت سے اس مسئلہ پر بھی کچھ تحریر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

علامہ البانی نے تمام المنۃ صفحہ ۱۵۵ پر لکھا ہے کہ اگر جماعت ثانیہ مسجد (محلّہ) میں مطلقاً جائز ہوتی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گھر میں جماعت نہ کرواتے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ مسجد میں فرض نماز ادا کرنا افضل ہے۔ (یہ حدیث اوپر بیان ہو چکی)

اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کروانا درست نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کرتے ہیں۔ نیز اگر ایک امام اپنے فرض پڑھ کر دوبارہ امام بن سکتا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد سے بغیر نماز پڑھے نہ لوٹتے۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ پر ہے۔ عن افلح قال دخلت مع القاسم المسجد وقد صلی فیہ قال فصلی القاسم وحدہ۔ (حضرت افلحؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے) حضرت قاسمؒ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد گئے تو وہاں نماز ہو چکی تھی۔ حضرت قاسمؒ نے پھر وہاں وہاں تنہا نماز پڑھی (جماعت ثانیہ نہیں کروائی)۔

لیجئے اب تو امام بخاریؒ بھی فرما رہے ہیں۔ قال الامام البخاری وکان الاسود اذا فاتتہ الجماعۃ ذھب الی مسجد آخر (بخاری جلد اول صفحہ ۸۹) حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اسود بن یزیدؒ (تابعی) کی اگر (کبھی) جماعت رہ جاتی تو وہ (جماعت کی جستجو میں) دوسری

مسجد میں تشریف لے جاتے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے موقف کے لیے خود تو صحابی کا عمل پیش کر رہے ہیں لیکن ان کے طبقے کے لوگ غیر مقلدین حضرات صحابہ کرام کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کا فعل حجت نہیں ہوتا اور نہ ہی موقوفات حجت ہیں۔

☆ صحابہ کا فعل حجت نہیں

نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد اپنی کتاب دلیل الطالب صفحہ ۱۷۶ پر لکھتے ہیں "علامہ شوکانی در مؤلفات خود ہزار باری نویسد کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست" (علامہ شوکانی اپنی تالیفات میں ہزار مرتبہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کے موقوفات میں حجت نہیں ہے۔)

دوسرے غیر مقلد عالم نواب نورالحسن بن نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "در اصول مقرر شدہ کہ قول صحابی حجت نیست"۔ (عرف الجادی صفحہ ۱۰۱) اصول میں یہ بات طے ہو گئی ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں ہے۔

چنانچہ غیر مقلدین اور ڈاکٹر نائیک صاحب کو نفل کے پیچھے مفترض کی نماز اور جماعت ثانیہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح حکم پیش کرنا چاہیے نہ کہ صحابہ کا فعل۔

☆ صحابہ کو حجت نہ ماننے کا عقیدہ

اب ہم غیر مقلدین کے صحابہ کو حجت نہ ماننے کے بارے میں ان ہی کی کتب سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔ فرقہ محدثہ لامذہبیہ کے نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں "خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کی تفسیر سے حجت قائم نہیں ہو سکتی بالخصوص جب وہ موقع اختلاف میں ہو" (بدور الاہلہ صفحہ ۱۳۹) یہی نواب صاحب دوسری کتاب میں لکھتے ہیں "فعل صحابی حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا" (التاج المکلل صفحہ ۲۹۲)

ایسے جواہرات سے مرصع و مرقع تاج انہیں ہی نصیب ہو۔

نواب صدیق حسن کے صاحب زادے نورالحسن خاں بھوپالی (کتاب عرف الجادی من جنان ہدی

الہادی۔ اصلاً نواب صدیق حسن خان کی تصنیف ہے۔ مگر اس کو انہوں نے اپنے بیٹے نورالحسن کی طرف منسوب کردیا۔ بحوالہ نزہتہ الخواطر) اپنے والد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''صحابہ کا اجتہاد امت کیلئے حجت نہیں ہے'' (عرف الجادی صفحہ ۲۰۷) ایک اور جگہ لکھتے ہیں ''علم الاصول میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ قول صحابی حجت نہیں (عرف الجادی صفحہ ۱۰۱)

اسی فرقہ لامذہبیہ کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب لکھتے ہیں ''افعال صحابہ استناد کے قابل نہیں ہوسکتے'' (فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۱۹۶)

حالانکہ ابن تیمیہ ؒ ابن قیمؒ اور متقدمین ومتاخرین علماء سلف اقوال صحابہ سے استناد کرتے تھے اور خلفائے راشدین کی مخالفت کرنے والے کو اہل السنۃ والجماعت سے خارج سمجھتے تھے۔ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں ''خلفاء راشدین کی سنت ان احکام میں سے ہے جن کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے اور اس پر کثرت سے شرعی دلیلیں موجود ہیں'' (فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱۰۹ جلد چہارم)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''اصول سنت ہمارے نزدیک اسی طریقہ کے مطابق ہیں جس پر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے'' (فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد چہارم صفحہ ۱۵۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ''وہ لوگ علم، عقل، دین، فضیلت ہر چیز میں ہم سے فائق تھے۔ اور ان کی رائے ہمارے لئے خود ہماری رائے سے بہتر ہے'' (فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۴ صفحہ ۱۵۸)

ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں ''جب یہ لوگ متفق ہوتے ہیں تو کسی باطل پر متفق نہیں ہوتے''۔

فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۴ صفحہ ۱۵۷ پر ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں ''صحابہ علم وعمل، عقل وایمان، دین وبیان اور عبادت واطاعت ہر فضیلت میں بعد والوں سے اچھے ہیں۔ وہی لوگ ہر مشکل مسئلہ کی توضیح وتشریح کے مستحق ہیں۔ یہ ایسا مذہب ہے کہ اس سے مجال انکار صرف اسی کو ہوسکتا ہے جو دین کی بدیہیات سے انکار کی جرأت رکھتا ہو۔ اور جسے اللہ نے علم دے کر بھی گمراہ کردیا ہو''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتاب وسنت کا سب سے وسیع وعمیق علم رکھنے والے یہی صحابہ تھے۔ اب ان کے بعد جس نے کتاب وسنت سمجھنے میں صحابہ کی شاگردی کی اور ان کا دامن تھام لیا۔ وہ سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ اور جس نے صحابہ سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کی وہ گمراہ ہوا۔ حتی کہ ہلاک ہوگیا۔

☆ صحابی پر غیر صحابی کو فضیلت دینے کا غلط عقیدہ

غیر مقلدین صحابہ کو تو حجت مانتے ہی نہیں تھے۔ لیکن ان کے ایک بڑے عالم نے غیر صحابی کو صحابی پر ترجیح دینے کا غلط عقیدہ اپنا کر ان کی توہین کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

فرقہ لا مذہبیہ کے صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان صاحب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم " خیر القرون قرنی " کے تحت لکھتے ہیں " یہ ضروری نہیں کہ بعد کے زمانوں میں پیدا ہونے والا کوئی شخص قرون سابقہ والوں سے افضل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ بہت سے افضل گذرے ہیں اور یہ ایسی بدیہی چیز ہے جس کا کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ " نیز فرماتے ہیں " لیکن ممکن ہے کہ بعض اولیا کو بعض دیگر اسباب کے تحت فضیلت حاصل ہو جائے اور صحابی اس سے محروم ہو"۔

صحاح ستہ کے مترجم جناب نواب وحید الزمان صاحب کو ابن ماجہ صفحہ ۱۵ کی اس روایت پر بھی نظر کرنی چاہیے تھی جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد کو گالی نہ دو کہ ایک ادنیٰ صحابی کا تھوڑی دیر قیام تمہارے بڑے سے بڑے ولی کے عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے"۔

مسند احمد جلد اول صفحہ ۱۸۷ پر ہے کہ حضرت سعید بن زید کہتے ہیں " واللہ کسی صحابی کا صرف ایک معرکہ جس میں ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غبار آلود ہوا تمہارے عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے خواہ تمہیں عمر نوح ہی کیوں نہ مل جائے"۔

تفسیر قرطبی صفحہ ۲۱۰ جلد اول میں ہے " صحابیت کی برابری کوئی عمل کر ہی نہیں سکتا"

شارح عقیدہ طحاویہ جن کا تعلق سلفی مذہب سے ہے لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو تمام قلوب سے بہتر پایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب فرما لیا۔ اور رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پھر بندوں

کے قلوب کو دیکھا تو صحابہ کے قلوب کو سب سے بہتر پایا۔ بس ان کو اپنے نبی کا وزیر بنا دیا۔ جو اس کے دین کیلئے لڑتے ہیں۔ لہذا یہ مسلمان جس چیز کو حسن قرار دیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے اور جس کو معصیت قرار دیں وہ عند اللہ بھی معصیت اور بری چیز ہے۔" (شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۵۳۱)

علامہ ابن حزم کہتے ہیں "جس شخص نے سچی نیت سے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی وہ جنتی ہے دوزخ کی آگ اسے چھو نہیں سکتی" (الفصل لابن حزم صفحہ ۱۱۶ جلد ۴) آگے فرماتے ہیں "روئے زمین پر کوئی بھی بڑے سے بڑا ولی کسی کم درجہ صحابی کے بھی برابر نہیں ہو سکتا" (الفصل لابن حزم صفحہ ۱۱۷ جلد ۴)

☆ تفضیل شیخین

نواب وحید الزمان صاحب صحابہ کو تو حجت مانتے ہی نہیں تھے شیخین کی تفضیل میں بھی تردد کا شکار ہیں۔ لکھتے ہیں "زمانہ قدیم سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے کہ عثمان افضل ہیں یا علی۔ البتہ اکثر اہل سنت حضرت علی پر شیخین کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن اس کی بھی کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گذری۔" "ہم نہیں جانتے کہ عند اللہ ان میں سے کون افضل ہے"۔ (کنز الحقائق صفحہ ۸)

فرقہ لا مذہبیہ کی اس سرکردہ شخصیت پر ہمیں حیرت ہے کہ وہ کس قدر غلط بات کر رہے ہیں۔ تفضیل شیخین کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعت میں کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اہل سنت اس مسئلہ میں اختلاف کر ہی نہیں سکتے کیونکہ اس مسئلہ پر اجماع صحابہ ہے۔ اور جہاں اجماع صحابہ کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو وہ تفضیل شیخینؓ اور تفضیل عثمانؓ کے مسئلہ میں اجماع صحابہ کے خلاف نئی راہ اپنائیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں "جس نے علیؓ کو عثمانؓ پر فضیلت دی اس نے سنت چھوڑی اور بدعت کو گلے لگایا۔ اس لئے کہ اس نے اجماع صحابہ کی مخالفت کی (منہاج السنۃ جلد اول صفحہ ۲۳۵)

☆ عورت کا خاص ایام میں قرآن پڑھنا

ایک پروگرام "گفتگو" میں عورت کے خاص ایام میں قرآن پڑھ سکنے کے بارے میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں نماز کی رخصت ہے لیکن کسی حدیث میں نہیں ہے کہ وہ

قرآن نہیں پڑھ سکتی۔

☆ڈاکر نائیک صاحب نے حسب عادت لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارہ لیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ الحائض الجنب لا یقرآن من القرآن ۔ (بخاری ومسلم) حیض والی عورت اور جنبی قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھیں۔

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو چھونے کے لیے طہارت کی شرط ہے وہ وضو کے بغیر قرآن کو چھونے سے منع کرتے ہیں اور اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث چوہدری رفیق کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆عورتوں کا مسجد جانا

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"سوال پوچھا گیا کہ عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں؟ اور مختصراً یہ مشکل ہے۔ قرآن وحدیث میں ایسا کوئی بیان نہیں ہے جو کہ عورت کو مسجد میں جانے سے روکتا ہو۔ کچھ لوگ عام طور پر یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ عورتوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ مساجد کی بجائے گھر میں نماز پڑھیں۔" وہ محض ایک ذریعہ علم پر انحصار کر رہے ہیں اور باقی سورس کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ آپ کو وہ حدیث دیکھنی چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں تو دو سے سات گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا ایک خاتون نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے نوزائیدہ بچے ہوتے ہیں۔ ہمیں گھر کا کام کاج کرنا ہوتا ہے تو پھر ہم مساجد میں کیسے جا سکتی ہیں؟ لہٰذا اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ اگر عورت نماز گھر میں پڑھے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ مسجد میں نہ جائے۔ اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ گھر کے بجائے کمرے میں نماز پڑھے۔ اگر اس کے نوزائیدہ بچے ہیں یا اور مسائل ہیں تو اس کو برابر کا ثواب ملے گا۔

کچھ احادیث ہیں جو بتاتی ہیں کہ آپ نے کہا کہ "اللہ کے غلاموں کو جو کہ عورتیں ہیں ان کو مساجد میں جانے سے نہ روکو۔" ایک اور حدیث کہتی ہیں کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کو حکم دیا کہ اگر تمہاری عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو انہیں مت روکو۔" اور دیگر احادیث میں ہے۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔

لیکن اسلام عورت کو مسجد جانے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن وہاں علیحدہ حصہ اور سہولتیں ہوں۔ ہم مخالف اصناف کے میل کو پسند نہیں کرتے۔

آپ سعودی عرب جائیں عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت ہے۔ آپ لندن جائیں عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت ہے۔ چاہے آپ امریکہ جائیں عورتوں کو آزادی ہے مسجد جانے کی۔ یہ صرف انڈیا میں ہے کہ انہیں ممانعت اور چند ملحقہ ممالک میں۔ لیکن الحمدللہ یہاں انڈیا میں مساجد میں حتیٰ کہ بمبئی میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت دینا شروع کردی ہے۔ مجھے امید ہے دوسری مساجد اس کی پیروی کریں گی۔

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 361-362-363)

ایک دوسری جگہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں۔

میری محترم بہن نے عورتوں کے مسجد میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنے کی بابت سوال کیا ہے کہ کیا عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ آپ پورے قرآن پاک کو پڑھ جائیں۔ آپ کو کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں عورتوں کو مسجد میں آکر نماز ادا کرنے سے روکا گیا ہو۔ اسی طرح کسی صحیح حدیث میں بھی اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ عورتوں کو مسجد میں آکر نماز ادا نہیں کرنی چاہیے بلکہ احادیث میں تو عورتوں کے مسجد میں آنے اور وہاں نماز ادا کرنے کی اجازت کا اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث مبارکہ ہے:

جب عورتیں آپ سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں مسجد کی حاضری سے مت روکو"۔ (صحیح بخاری، جلد اول، کتاب خصائص الصلوۃ، باب ۸۴، حدیث ۸۳۲)

اسی طرح ایک اور مقام پر یہ ارشاد ملتا ہے:

"جب خواتین آپ سے مسجد میں حاضر ہونے کا سوال کریں تو انھیں مسجد میں جانے دو"۔ (صحیح بخاری، جلد اول، کتاب خصائص الصلوۃ، باب ۸۰، حدیث: ۸۲۳)

صحیح مسلم میں بھی اس بات کی صراحت موجود ہے چنانچہ روایت ہے:

"سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مرد نمازیوں کے لیے عمدہ صف پہلی ہے جبکہ کم تر صف آخری والی ہے جبکہ عورتوں کے لیے نماز ادا کرتے ہوئے پہلی صف ناپسندیدہ اور آخری صفیں بہتر ہیں"۔ (صحیح مسلم، جلد اول، کتاب الصلوۃ، باب ۱۷۵، حدیث ۸۸۱)

صحیح مسلم کی سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت کی صراحت ملتی ہے۔ جبکہ اس میں عورتوں کی مخصوص صنف اور ان کے ستر و حجاب کی بہتر کیفیت کے پیش نظر ان کے لیے آخری صفوں میں نماز میں شریک ہونے کو بہتر بتایا گیا ہے جبکہ مردوں کو پہلی اور اگلی صفوں میں ہونا چاہیے اور عورتوں کے لیے اگلی صفیں نامناسب اور غیر موزوں ہیں، اسی طرح مردوں کو عورتوں سے پچھلی صفوں میں نماز ادا کرنے کو بہتر خیال نہیں کیا گیا۔

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد مبارک ہے:

"اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو"۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب ۱۷۷، حدیث: ۸۸۴)

اب بندوں میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا دونوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر آتا ہے:

"مسجدوں میں خواتین کی جگہ پر بیٹھنے سے اجتناب کرو"۔

(صحیح مسلم، جلد اول، کتاب الصلوۃ، باب ۱۷۷، حدیث: ۸۹۱)

مذکورہ بالا فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت میں عورتوں کو مسجدوں میں آنے جانے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ عورتیں نماز کی

ادائیگی کے لیے مسجدوں میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو مسجد کی حاضری اور وہاں نماز ادا کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح آج بھی خواتین کو نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔ لیکن مسجدوں میں عورتوں کے لیے خاص اہتمام اور خصوصی انتظام ضرور ہونا چاہیے انھیں بھی مردوں کی طرح نماز ادا کرنے کی مکمل سہولتیں میسر ہونی چاہئیں تا کہ وہ پورے سکون اور مکمل اطمینان کے ساتھ فریضۂ نماز کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ وہاں ان کے لیے محفوظ، با حفاظت اور پرسکون ماحول کی فراہمی یقینی بنائی جائے اور انھیں کسی نوع کی تکلیف یا پریشانی کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے داخلے کا راستہ علیحدہ ہونا چاہیے، ان کے ٹوائلٹ کا بھی الگ سے انتظام ہونا چاہیے، وضو کرنے کی جگہ بھی الگ ہونی چاہیے تا کہ وہ مکمل باپردہ حالت میں وضو وغیرہ کے مسائل سے سبکدوش ہو سکیں۔ پھر نماز ادا کرنے کے لیے بھی ان کے لیے الگ اور باپردہ جگہ کا انتظام کیا جانا چاہیے۔ اگر آپ سعودی عرب جائیں، تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں خواتین کو مساجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے حتیٰ کہ وہ حرمین شریفین میں بھی کھلے طور پر حاضر ہو سکتی ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کر سکتی ہیں اور وہاں نماز ادا کر سکتی ہیں۔ سعودی عرب کی طرح اور بھی کئی ایک مسلم ممالک کی مساجد میں عورتوں کے لیے آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ کئی ایک مسلمان ممالک کی مساجد میں عورتوں کے نماز ادا کرنے کے لیے خاص انتظامات کیے ہوئے ہیں اور وہ وہاں حاضر ہو کر اپنی نمازیں ادا کرتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں عورتیں مساجد میں آ کر نماز ادا کرتی ہیں جبکہ ہمارے دیش انڈیا کے کئی ایک علاقوں کی مساجد میں عورتوں کو نماز ادا کرنے کا ماحول فراہم نہیں کیا جاتا اور ان کے مساجد میں آ کر نماز ادا کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جبکہ گھروں میں ان کے نماز ادا کرنے کو بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بمبئی کی کئی ایک مساجد میں عورتوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت ہے اور صرف کیرالا میں ایسی مساجد کی تعداد ۵۰۰ کے قریب ہے جہاں ہماری بہنیں، مائیں، بیٹیاں آ کر آزادانہ اور باوقار طریقے سے نماز ادا کر سکتی ہیں۔ ان مسجدوں کو خواتین بہنوں کے نماز ادا کرنے کے لیے ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ

مساجد کی انتظامی مجلسیں ہمارے ہاں بمبئی میں عورتوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دیں گی اور مسجدوں میں عورتوں کے نماز ادا کرنے کے لیے خصوصی انتظامات بھی کیے جائیں گے۔اس لیے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات میں خواتین کے مسجدوں میں آ کر نماز ادا کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔میں اُمید کرتا ہوں کہ میری عزیز بہن کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

☆ہم نے ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کو کیے گئے دونوں سوال اور ان کے جواب تفصیلاً درج کر دیے ہیں۔اب ان جوابات پر تبصرہ اور درست جواب بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ عورتوں کی گھر میں نماز کا ان کے لیے زیادہ بہتر ہونا ان کے نوزائیدہ بچوں کی وجہ سے تھا درست نہیں۔کیونکہ حدیث میں اس بات کو علی الاطلاق کہا گیا ہے۔اور حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ عورت کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔اگر اس ارشاد کا سبب نوزائیدہ بچے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے عورت کا اپنے بچے کے قریب نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ذاکر نائیک صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا پس منظر خود ہی گھڑتے ہوئے ذرا بھر بھی خوف نہ کیا کہ جو بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اسے حضور کی طرف منسوب کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیتا ہے۔

☆حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فعل کو کیا وہ سنت ہے۔بشرطیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل کا کسی علت کو موقوف علیہ نہ ٹھہرایا ہو۔ورنہ بہت سے فعل ابتدائے اسلام میں مختلف علتوں پر مبنی تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ان علتوں کے مرتفع ہو جانے پر وہ منسوخ اور متروک کر دیے گئے۔کما لا یخفی لا ھل العلم۔

بعض امور شریعت بھی ایسے تھے کہ اگر چہ ان کا مبنیٰ کسی علت پر تھا۔اور اس علت کی جس طرح تصریح موجود اسی طرح ارتفاع بھی معلوم۔اور باوجود اس تصریح اور ارتفاع کے وہ فعل برابر سنت رہے۔اور اس پر کسی صحابی کا انکار ثابت نہیں۔لیکن جو فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت کی

وجہ سے کیا یا حکم دیا اس مصلحت خاص کے مرتفع ہو جانے اور آپ کے نسخ نہ فرمانے سے اگرچہ اس فعل کی سنیت یا اباحت تو باقی رہے گی۔ لیکن وہ تاکید جو حکم خاص کے تعلق سے تھی وہ ہرگز نہ رہے گی۔

چنانچہ اگر کوئی فعل کسی مصلحت خاص کی وجہ سے شروع ہوا اور وہ مصلحت مرتفع ہو جائے تو مشروع نہ ہوگا۔ اور اس فعل مشروع کے بجالانے میں بعض مفسدات کا اندیشہ بلکہ قوی احتمال ہو تو اس وقت اس امر مشروع کی مشروعیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے مثلاً مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کی کس قدر تاکید ہے۔ اور یہ تاکید کسی علت پر مبنی بھی نہیں۔ لیکن اگر مسجد کے راستے میں کسی مہلک امر کا اندیشہ ہو تو اس وقت کے لحاظ سے گھر میں ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیا اس وقت یہ سمجھا جائے کہ سنت موکدہ سے روکا جا رہا ہے حالانکہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید بارش میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیں۔

لیجئے ایک اور صحابی کیا فرماتے ہیں۔ عن ام نائلة رضی اللہ عنها قالت جاء ابو برزة فلم يجدام ولده في البيت و قالوا ذهبت الى المسجد فلما جاءت صاح بها فقال ان الله نهى النساء ان يخرجن و امر هن ان يقرن في بيوتهن ولا يتبعن جنازه ولا ياتين مسجدا ولا يشهلن جمعة اخرجه ابن ابى حاتم (درمنثور) حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ وہ گھروں میں بیٹھی رہیں اور جنازہ یا مسجد یا جمعہ کہیں نہ جائیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ذاکر نائیک صاحب مردوں کی طرح عورتوں کے مساجد میں آنے کی تاکید احادیث سے ثابت کرتے جیسا کہ مشکوۃ کی حدیث دلالت کرتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متخلفین عن الجماعت کے لئے فرمایا کہ اگر عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے مکانوں کو آگ لگا دیتا۔ اگر عورتیں مسجد کی حاضری کی تاکید میں شامل ہوتیں تو وہ بھی ضرور جلنے کی مستحق ہوتیں نہ کہ ان کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو بھی چھوڑ دیا۔

عورتوں کو فقہاء نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے۔ اور اسے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ جو کہ حرام کے قریب ہے۔ اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے۔ **عن عائشة رضی الله عنها قالت لو ادرك رسول الله صلی علیه وسلم ما احدث النسآء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة أ مُنعن قالت نعم۔ (رواه البخاری)**

روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما لیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اور ان کے دیگر غیر مقلدین حواری جن کو صرف بخاری کے حوالے سے غرض ہوتی ہے اب کیا کہتے ہیں؟۔ امام بخاریؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعت کی نماز میں شامل ہونا فتنہ کا سبب تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو مسجد آنے سے منع کرتے تھے۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے۔ اور آج کل تو خدا کی پناہ۔ پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

البحر الرائق صفحہ ۳۸۰ پر لکھا ہے **ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالیٰ و قرن فی بیوتکن وقال صلی الله علیه وسلم صلاتها فی قعر بیتها افضل من صلاتها فی صحن دار ها و صلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجدها و بیوتهن خیر لهن**

۔الی قولہ۔ اور عورتیں جماعتوں میں نہ جائیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ و قرن فی بیوتکن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھری کے اندر اس نماز سے اچھی ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور صحن کی نماز اس نماز سے اچھی ہے جو مسجد میں ہو۔ اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

ڈاکٹر نائیک صاحب نے اس حدیث کا پس منظر بال بچے دار عورتوں کی طرف موڑ دیا ہے۔ نیز اس حکم (منع) کو بھی مشورہ بنا دیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عروہ بن زبیرؓ قاسم یحییٰ بن سعید انصاریؒ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام ابوحنیفہ۔ امام ابو یوسف ۔ سفیان ثوری۔ عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ سب عورتوں کا نماز کے لیے مسجد جانا درست نہیں سمجھتے تھے۔

کیا یہ حضرات سنت مٹانے والے ہو سکتے تھے؟۔ یا محض ایک امر مباح کو فساد زمانہ کی وجہ سے مکروہ سمجھتے تھے۔ جبکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے عورتوں کی نماز گھر میں اولیٰ اور بہتر ثابت ہو رہی ہے۔ اور حضور کے بعد بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ عورتوں کی حرکات و سکنات سے اس کو مکروہ سمجھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے صاف فرما دیا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں دیکھتے تو ضرور عورتوں کو روک دیتے۔

امام احمدؒ۔ محمد بن سیرینؒ سے منقطعاً روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ حج اور عمرہ کے لیے تشریف نہیں لے جاتیں۔ تو انہوں نے فرمایا میں حج بھی کر چکی ہوں اور عمرہ بھی (امرنی اللہ ان اقر فی بیتی فواللہ لا اخرج من بیتی حتی اموت) یعنی مجھ کو میرے اللہ نے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے قسم ہے اللہ کی میں گھر سے نہ نکلوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں۔ راوی کہتا ہے۔ (فواللہ ما خرجت من باب حجرتها حتی اخرجت بجنازتها) یعنی اللہ کی قسم حضرت سودہؓ اپنے گھر کے دروازہ سے نہ نکلیں یہاں تک کہ آپ کا جنازہ ہی نکلا۔ (در منثور) کیا ام المؤمنین حضرت سودہؓ سنت مؤکدہ کی تارک تھیں؟

اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمہ اللہ کی

کتاب صلوٰۃ الصالحات اور کف المومنات عن حضور الجماعات۔ اس کے علاوہ سحبان الہند علامہ احمد سعید دہلوی ؒ کی کتاب تحقیق السعید فی منع النساء عن العید بھی ملاحظہ ہوں۔ یہ تینوں کتب آج سے تقریباً ایک صدی پہلے لکھی گئی تھیں۔

☆ گاؤں میں جمعہ

ڈاکٹر ذاکر صاحب سے سوال کیا گیا کہ کیا گاؤں کی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی جائز ہے؟

جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ میں گاؤں کے لوگ خاصی تعداد میں موجود ہوتے ہیں اور نماز کی امامت کے لیے ایک قابل شخص موجود ہے تو اس صورت میں گاؤں کے لوگ یہ چاہیں گے کہ ان کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہو تاکہ گاؤں کا اسلامی تشخص اجاگر ہو۔ ایسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا بالکل درست ہے اور گاؤں کے کسی باشندے کو جمعہ کی نماز کے لیے شہر جانے کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے کہ اسے وہاں کوئی اور کام بھی ہو۔

☆ حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے مصر یعنی قریہ کبیرہ شرط ہے۔ بڑے قصبہ کے ضمن میں مشائخ حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ بڑے قصبہ کے لیے کوئی خاص حد نہیں بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہے (بوجہ بڑا بازار، منڈی وغیرہ یا ایک مخصوص تعداد میں رہائش کی تعداد) تو وہاں نماز جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

بعض غیر مقلدین نے انتہائی غلو سے کام لیتے ہوئے نہ صرف گاؤں بلکہ جنگل میں بھی جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب جو ہر بات میں بخاری و مسلم کی احادیث پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے موقف کی خاطر بخاری شریف کی احادیث بھی پس پشت ڈال دیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

بخاری جلد اول صفحہ ۱۲۳ پر امام بخاریؒ نے لکھا ہے۔ عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ باہر کے لوگ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھنے کے لیے اپنی اپنی بستیوں اور دیہاتوں

سے باری باری آتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۱۰۲ پر ہے۔ عن ابی البختری قال رأیت انسا شھد الجمعة من الزاویة وھی فرسخان من البصرة۔ حضرت ابوالبختریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جمعہ پڑھنے کے لیے زاویہ سے تشریف لاتے جو بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۱۶۸ پر موجود ہے۔ عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع۔ حضرت ابوعبدالرحمن سلمیؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جائز نہیں جمعہ اور تشریق (عید) مگر بڑے شہر میں۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۱۰۱ پر لکھا ہے۔ عن حذیفة قال لیس علی اھل القری جمعة انما الجمع علی اھل الامصار مثل المدائن۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل قریہ (گاؤں، دیہات والوں) پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ بلکہ شہر والوں ہی پر ہے جیسے شہر مدائن۔

اسی صفحہ پر آگے موجود ہے۔ عن ابی بکر بن محمد انه ارسل الی ذی الحلیفة ان لا تجمعوا بھا وان تدخلوا الی المسجد مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ حضرت ابوبکر بن محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے ذوالحلیفہ والوں کو پیغام بھیجا کہ تم وہاں جمعہ قائم نہ کرو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آ کر جمعہ پڑھو۔

ان احادیث وآثار کے بعد ڈاکر نائیک صاحب کا کہنا کہ گاؤں میں جمعہ ہونا چاہیے۔ احادیث کی مخالفت اور غیر مقلدیت کی ترویج ہے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ "واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے۔ خواہ شہر یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں۔" (فتاوی نذیریہ جلد اول صفحہ۵۷۷)

ڈھٹائی کی حد ہے کہ جلیل القدر صحابہ اور تابعین تو یہ کہتے ہیں کہ گاؤں یا دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور غیر مقلدین از خود کیسے اسے ناجائز کہہ سکتے ہیں جب تک کہ ان کے پاس اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ لیکن ان تمام تصریحات کے خلاف غیر مقلدین اور ڈاکر نائیک گاؤں میں جمعہ کی ترویج کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے ہی قاعدہ کے مطابق بخاری و مسلم کا حوالہ دینا چاہیے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان صاحب نے کس صحیح حدیث کے تحت اپنی کتاب بدور الاہلہ صفحہ ۷۱۰ پر زوال سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (کسی امام کا قول تو مقلدین کے لئے ہوتا ہے)۔

☆ عید اور جمعہ ایک سے پڑھیں

غیر مقلدین جب چاہتے ہیں فتوی کا رخ موڑ لیتے ہیں۔ اسی فتاوی نذیریہ کی جلد اول صفحہ ۵۷۳ پر درج ہے۔ ''جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جائیں تو اس دن اختیار ہے۔ جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی چاہے نہ پڑھے۔ اور ایسے دنوں میں زید جو نماز نہیں ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔''

غیر مقلدین کے امام نواب وحید الزمان صاحب ان سے بھی دو ہاتھ آگے چلے گئے۔ چنانچہ وہ نزل الابرار جلد اول صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔ ''والجمعة فی یوم العید رخصة مطلقا لاهل البلد وغیرهم فان شاء صلی العید والجمعة ان شاء صلی العید فقط ولم یصل الجمعة وسقوط الظهر خلاف والحق جواز ترکه ایضا''۔ اور عید والے دن جمعہ کی رخصت ہے۔ شہر والوں اور غیر شہر والوں سب کے لیے۔ اگر چاہیں تو عید اور جمعہ دونوں پڑھ لیں۔ چاہیں تو صرف عید پڑھ لیں اور جمعہ نہ پڑھیں۔ البتہ ظہر کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اس دن ظہر نہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ ؏ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جمعہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جس میں کسی دن کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاعذر جمعہ چھوڑنے پر سخت وعیدیں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر جمعہ وعید ایک دن اکٹھے ہوتے تو آپ جمعہ اور عید دونوں پڑھتے تھے۔ البتہ جن پر جمعہ فرض نہیں (گاؤں والے) انہیں آپ جانے کی اجازت دے دیتے تھے۔ شہر والے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ اور عید دونوں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا۔ ائمہ مجتہدین بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ لیکن غیر مقلدین جو ہر مسئلہ پر بخاری اور صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اس سے قطع نظر جمعہ کی نماز کو رخصت قرار دیتے ہیں۔ کہ جس کی مرضی ہے پڑھ لے اور جو نہ پڑھنا چاہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس دن جمعہ نہ پڑھنا مردہ سنت کو زندہ کرنا ہے۔ اور ظہر بھی پڑھے یا نہ پڑھے دونوں طرح درست ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

☆ تکثیر صلوٰۃ سے چڑ ہے

حدیث اور اہلحدیث کے فاضل مصنف نے لکھا ہے۔ "ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے غیر مقلدین کو تکثیر صلوٰۃ سے چڑ ہے۔

کیونکہ (۱) فرض نمازوں کے بعد نوافل نہیں پڑھتے الا ماشاء اللہ۔

(۲) شب براءت میں نوافل پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں (بحوالہ فتاوٰی ستاریہ جلد اول صفحہ ۵۹)

(۳) وتر تین رکعات پڑھنے کی بجائے ایک رکعت پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۴) تراویح بیس رکعات کی بجائے آٹھ رکعات پر زور دیتے ہیں۔ اور تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھتے۔

(۵) مسافر کے لیے حالت فرصت اور اطمینان میں بھی سنتیں پڑھنے کے قائل نہیں۔

(۶) اگر کسی منافی صلوٰۃ عمل کرنے سے نماز فاسد بھی ہو جائے تب بھی سجدہ سہو پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اسے لوٹانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

(۷) اگر بے وضو یا جنبی امام نماز پڑھا دے تو ان کے ہاں مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت

نہیں۔

(۸) کسی نے جان بوجھ کر نمازیں نہ پڑھی ہوں تو ان نمازوں کی ان کے ہاں قضاء نہیں بلکہ صرف توبہ ہی کافی ہے۔

(۹) جمعہ کے دن جمعہ کے بعد صرف دو رکعت پڑھ کر راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔

(۱۰) جمعہ اور عید دونوں ایک دن اکھٹے ہو جائیں تو جمعہ کی نماز میں ان کے ہاں رخصت ہے۔ مرضی ہے پڑھو یا نہ پڑھو۔

تلك عشرة كاملة

☆ خطبہ عربی زبان میں ضروری ہے

برادرم نیر اعظم نے سوال پوچھا ہے کہ کیا نماز جمعہ سے قبل دیا جانے والا خطبہ عربی زبان میں پڑھنا لازمی ہے۔ اگر ہے تو ایسا کیوں کر ہے۔ تو برادرم اس حوالے سے عرض ہے کہ مسلمان علمائے کرام اور فقہائے عظام اس ضمن میں مختلف نظریات کے حامل ہیں۔ البتہ امام مدینہ حضرت امام مالکؒ کو چھوڑ کر بقیہ تمام ائمہ کرام اور فقہائے عظام مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام اہلسنت سیدنا امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ بعض دوسرے علماء و فقہاء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر جمعۃ المبارک کے حاضرین و سامعین کی زبان عربی نہیں ہے اور وہ عربی زبان میں خطبے کو نہیں سمجھ سکتے تو جمعے کا خطبہ کسی دیگر علاقائی، مقامی یا قومی زبان میں دیا جا سکتا ہے۔ البتہ پھر بھی اس خطبے کے جس حصے میں سید کائنات حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہدیۂ درود وسلام پیش کیا جاتا ہے، وہ حصہ عربی زبان میں ہی ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ باقی کا خطبہ کسی بھی دوسری زبان میں دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس بات کی صراحت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک بھی حدیث میں نہیں ملتی کہ جمعہ کا خطبہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مطہرہ میں خطبہ جمعہ ہمیشہ عربی زبان میں دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کی زبان عربی تھی

اور وہ عربی زبان کو ہی سمجھ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی اور زبان میں خطبہ دینے کی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ جمعہ کے دن خطبہ دینے کا مقصد اسلام کی تعلیمات کا ابلاغ ہے یعنی مسلمان ہفتے میں ایک بار نماز جمعہ کے لیے مجتمع ہوں اور ان کے علماء انھیں قرآن و سنت کی تعلیمات پر مشتمل خطبہ دیں تاکہ دین حق کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ ادا ہوتا رہے اور شہادت حق کے کام سے امت مسلمہ کے لوگ عہدہ برآء ہوتے رہیں۔ اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اور عالم اسلام میں مسلمانوں کو درپیش مسائل سے آگاہ رکھنے کا ایک نہایت موزوں اور موثر پلیٹ فارم نماز جمعہ کا اجتماع ہے۔ اس لیے امت مسلمہ تک مسائل کے درست ابلاغ اور ان کے مسائل کی حقیقی تفہیم کے لیے خطبہ ان زبانوں میں دیا جائے جو وہ جانتے اور سمجھتے ہیں تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ امریکہ کے اجتماعات جمعہ میں خطیب یا امام اپنا خطبہ انگریزی زبان میں دیتا ہے اسی طرح مغرب اور افریقہ کے ممالک، یعنی کینیڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ اور بعض دیگر ممالک میں بھی خطبہ جمعہ انگریزی زبان میں دیا جاتا ہے۔ عرب ممالک میں عربی زبان میں خطبہ دیا جاتا ہے کیونکہ وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے اور وہ یہی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے کویت جانے کا اتفاق ہوا۔ کویت عربی بولنے والوں کا ایک ملک ہے وہاں کے رہنے والوں کی زبان عربی ہے اور آبادی بھی اکثریت عربوں کی ہے لیکن اس کے باوجود وہاں بعض مساجد میں تو عربی زبان میں جمعہ کا خطبہ دیا جاتا ہے جبکہ بعض مساجد میں اُردو میں اور اسی طرح کچھ مسجدوں میں انگریزی زبان میں خطبہ دیا جاتا ہے اور چند مساجد میں ملیالم میں بھی خطبہ جمعہ ہوتا ہے۔ حکومت کی جانب سے مساجد کے خطباء کو خصوصی اجازت دے دی گئی ہے اور حکومتی اہتمام سے یہ سہولت مساجد کو فراہم کی گئی ہے اور اس انتظام واہتمام کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی مقامی اور علاقائی زبانوں میں قرآن وسنت کی تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کے احکامات کا فہم حاصل کرسکیں۔

ان تمام تصریحات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ خطبہ جمعہ عربی زبان کے علاوہ کسی بھی دیگر زبان میں دیا جاسکتا ہے جبکہ اللہ رب العزت کی حمد وثناء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

اقدس پر درود وسلام کے لیے عربی زبان ہونی چاہیے۔ اسی طرح خطبہ جمعہ کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے لیکن ایسی عبارات اور آیات کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے۔ ایسے ہی چند مساجد میں نماز کے بعد خطبے کا ترجمہ بھی کر کے سنایا جا سکتا ہے تا کہ تفہیم مسائل میں سہولت رہے۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جمعہ کا خطبہ مقامی، علاقائی اور مادری زبانوں میں دیئے جانے کا اہتمام کیا جائے تا کہ لوگ شریعت مطہرہ کے احکام کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور ان کے لیے عمل کرنے کی راہیں آسان ہو سکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وضاحت سے میرے بھائی کو ان کے سوال کا تشفی آمیز جواب مل گیا ہوگا۔

☆ڈاکٹر صاحب نے غالباً خطبہ سے پہلے وعظ کو خطبہ سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے انہوں نے مختلف ملکوں جیسے امریکا میں انگریزی زبان میں، افریقہ کے ممالک میں افریقی اور دیگر ممالک میں وہاں کے باشندوں کی زبان میں خطبہ کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی ملک میں ان کی مقامی زبان میں خطبہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ مقامی زبان میں وعظ ونصیحت ہوتی ہے۔ اس کے بعد جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں ہی دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ خطبہ جمعہ صرف عربی زبان میں ہی ضروری ہے۔ جس کے لیے ہم احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔

عن عمر بن الخطاب انه قال انما جعلت الخطبة مكان الركعتين

(مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۲۸ ج ۲۔ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۲۳۷ جلد ۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کا) خطبہ دو رکعتوں کی جگہ رکھا گیا ہے۔

عن سعيد بن جبير قال كانت الجمعة اربعا فحطت ركعتان للخطبة

(المدونۃ الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵۸) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی چار رکعتیں تھیں دو خطبے کی وجہ سے کم ہوگئیں۔

خطبہ جمعہ کی اصل حقیقت ''ذکر اللہ'' ہے اسی لیے عام مفسرین نے سورۃ جمعہ کی آیت اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ جمعہ لیا ہے۔

فقہاء کرام کا کہنا بھی یہی ہے کہ خطبہ حقیقت میں ذکر اللہ ہے۔ محمد بن احمد شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ متوفی ۴۹۰ھ لکھتے ہیں۔ ولنا ان الخطبۃ ذکر (مبسوط جلد۲ صفحہ۲۴) ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے۔ مسلم جلد اول صفحہ ۲۸۶ پر حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مختصر خطبہ جمعہ دیا۔ جب ایک صحابی ابوالیقظان نے کہا کہ آپ خطبہ ذرا طویل کر لیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر حضرت عمارؓ فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے سمجھدار ہونے کی نشانی ہے۔

بہر حال خطبہ جمعہ کا اصلی مقصود ذکر اللہ ہے۔ وعظ و تبلیغ اس کے مقاصد اصلیہ میں داخل نہیں۔ مذکورہ بالا حدیث عمرؓ اور اثر سعید بن جبیرؓ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ دو رکعتوں کا بدل ہے۔ ورنہ خطبہ کے آداب و سنن جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل سے ثابت ہیں ان کا وعظ و تبلیغ سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ خطبہ جمعہ کے کچھ احکام و شرائط ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً:

۱۔ خطبہ جمعہ زوال سے پہلے پڑھ لیا گیا تو معتبر نہ ہوگا۔ اگر وعظ و تبلیغ ہوتا تو زوال سے پہلے بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

۲۔ خطبہ جمعہ نماز جمعہ سے پہلے پڑھنا ضروری ہے اگر خطبہ نماز جمعہ کے بعد پڑھا گیا تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی۔ خطبے سمیت نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ذاکر نائیک صاحب اور دیگر غیر مقلدین جو خطبے کو وعظ و تبلیغ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی لیے اس کا عربی میں ہونا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ مقامی زبان میں ہونے کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا اصل عربی خطبہ جمعہ کی بجائے گھنٹہ دو گھنٹہ کا مقامی زبان میں خطبہ دے دیا کریں۔

جمہور علماء کے نزدیک تو خطبہ جمعہ بالاجماع شرط صلوٰۃ ہے اس لیے کہ جو زبان نماز جمعہ کی ہے وہی زبان شرط کی یعنی خطبہ جمعہ کی ہونی چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ شرط صلوٰۃ کسی غیر عربی زبان میں ادا کی جائے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کہ خطبہ جمعہ مختصر ہونا چاہیے مسلم شریف میں حضرت عمارؓ کی حدیث کے ذریعہ گذر چکا ہے۔ اب اگر گھنٹہ یا نصف گھنٹہ کی اردو یا انگریزی یا غیر عربی تقریر کو خطبہ قرار دیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلی مخالفت ہوگی۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کے خطبے میں عرب کے علاوہ عجم کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے اور ان کو تبلیغ دین کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن آپ نے کبھی ان کی رعایت کرتے ہوئے نہ تو خود عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ دیا اور نہ کسی صحابی سے ان لوگوں کی زبان میں اس کا ترجمہ کروایا۔ خلفاء راشدین نے بھی ہمیشہ عربی زبان ہی میں خطبہ دیا حالانکہ ان کے خطبوں میں بھی کثرت سے عجمی لوگ شریک ہوتے تھے۔ جو مختلف ممالک سے آتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین عظام اور ان کے متبعین عرب سے نکل کر عجم میں گئے۔ مشرق ومغرب میں اسلام پھیلایا۔ لیکن ہر جگہ ہمیشہ خطبہ جمعہ عربی ہی میں دیا۔ حالانکہ ان حضرات کو تبلیغ دین کی ضرورت آج سے زیادہ تھی جبکہ بعض حضرات صحابہ وتابعین عجمیوں کی زبان خوب جانتے تھے۔ لیکن پھر بھی خطبہ جمعہ عربی ہی میں دیا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفاء راشدین، دیگر صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین کے تعامل اور مواظبت اور ساری امت کے توارث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرون سابقہ کی طرح آج بھی خطبہ جمعہ عربی ہی میں ہونا چاہیے۔ اس بات کی وضاحت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مسوی اور مصفی شرح موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ پر لکھا ہے۔ وعربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند۔ (خطبہ کا خاص عربی زبان میں ہونا اس لیے ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق ومغرب میں ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہے (کہ وہ خطبہ عربی میں پڑھتے تھے) باوجود کہ بہت سے ممالک میں ان کے مخاطب عجمی لوگ ہوتے تھے)

ڈاکٹر صاحب نے خطبہ جمعہ غیر عربی میں دینے کا قول امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب

کیا ہے۔ جو کہ غلط ہے۔

صحابہ عرب سے نکل کر عجم میں پہنچے حتی کہ ترکی اور برصغیر تک آئے۔ ان لوگوں نے خطبہ جمعہ اردو یا ترکی وغیرہ میں نہیں پڑھا۔

جس طرح ذاکر نائیک صاحب خطبہ جمعہ کے غیر عربی ہونے پر اصرار کر رہے ہیں اس طرح غیر مقلدین بھی اس مسئلہ میں ان کے ہم نوا ہی نہیں بلکہ اسے ہوا دے رہے ہیں۔ چنانچہ ثناء اللہ امرتسری صاحب نے فتاویٰ ثنائیہ میں لکھا ہے کہ ”شکر ہے کہ خطبہ جمعہ کے بارے میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے“۔ (ان کا مقصد ہر مسئلہ میں اختلاف کرنا ہی ہے۔ انہیں تو انگریز نے امت میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے ہی تیار کیا)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں ویشترط کونها بالعربية (کتاب الاذکار صفحہ ۱۰۴) اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ خطبہ عربی میں ہو۔

اسی طرح امام ہاشمی شافعیؒ کے عقیدہ کو علامہ زبیدیؒ نے اتحاف السادۃ المتقین جلد ۳ صفحہ ۲۶۸ پر لکھا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے۔ ان تمام احادیث و آثار۔ اجماع اور تعامل و توارث امت کے خلاف ذاکر نائیک صاحب اپنے غیر مقلدین اسلاف کی تائید میں خطبہ جمعہ کو غیر عربی زبان میں دینے پر زور دیتے ہیں۔ حافظ عبداللہ روپڑی جو غیر مقلدین کے مجتہد العصر ہیں۔ فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو۔ خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں کیونکہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے۔

جماعت غرباء اہلحدیث کے مفتی عبدالغفار صاحب سے سوال ہوا کہ ”زید کہتا ہے کہ خطبہ جمعہ اپنی مادری زبان میں کہنا جائز ہے۔ بکر کہتا ہے کہ جائز نہیں۔ کون حق پر ہے؟“ موصوف نے جواب دیا کہ ”زید حق پر ہے کیونکہ خطبہ کی غرض اور مقصد جو ہے اس پر نظر ڈالنی چاہیے۔ خطبہ بیان

کرنے کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ لوگ راہ راست پر آجائیں اور سن کر شریعت محمدیہ کے حامل ہو جائیں۔ بخلاف اس کے جب ان کی سمجھ میں کچھ نہ آئے گا اور امام کھڑا ہوا عربی میں خطبہ پڑھ رہا ہو اور سامعین پتھر کے بتوں کی طرح بیٹھے ہوں اور کچھ ان کے پلے نہ پڑے تو کیا خاک عمل کریں گے۔ سامعین کو غیر زبان میں وعظ وتذکر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں" (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۲۰)

ملاحظہ فرمایئے کہ فقہاءِ امت خطبہ جمعہ عربی زبان میں ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ صحابہ و تابعین اور امت کا توارث آپ کے سامنے آچکا ہے۔ لیکن ڈاکر نائیک اور غیر مقلدین کا عمل بالحدیث دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفاء راشدین۔ تمام صحابہؓ۔ تابعینؒ وتبع تابعینؒ تعامل وتوارث امت کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں کہ خطبہ جمعہ غیر عربی میں دینا درست ہے۔ بلکہ غیر مقلدین کے بعض حضرات تو خطبہ جمعہ کے بغیر بھی جمعہ کو درست قرار دیتے ہیں۔ لیجئے نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے فرائض اور ضروریات اور شرائط میں سے نہیں۔ بغیر خطبہ کے بھی جمعہ ہو جاتا ہے اسی خیال کو نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے روضہ الندیہ صفحہ ۸۹ میں لکھا ہے کہ خطبہ جمعہ شرط نماز جمعہ نہیں۔ لیکن وحید الزمان صاحب غیر مقلد ہدیۃ المہدی جلد ۵ صفحہ ۱۵۱ پر فرماتے ہیں کہ بغیر خطبہ کے جمعہ ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی شرطیت وفرضیت کو تفصیلی ثابت کیا ہے۔ یہاں غیر مقلدین کس کی بات مانیں گے۔ دونوں حضرات حدیث پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ ان کے بڑے مجتہدین میں سے ہیں۔ غیر مقلدین کے تحقیقی نزاع اس عربی مصرع کے مصداق ہیں۔ ع هو المسك ما كررته يتضوع

یہ کستوری کی طرح ہے۔ جس قدر اس کو رگڑو گے اسی قدر زیادہ خوشبو دے گی۔

☆ قصر نماز (تحدید قصر)

ڈاکر نائیک صاحب سے کسی نے قصر نماز کے بارے میں سوال کیا کہ میں حال ہی میں اپنی نئی ملازمت کے سلسلے میں مکہ مکرمہ منتقل ہو گیا ہوں۔ میرے اہل خانہ اور والدین، بھائی، بہن وغیرہ ابھی

تک جدہ میں مقیم ہیں۔ میں ہر ہفتے میں ایک بار اور تعطیلات کے دنوں میں جدہ جاتا ہوں، جہاں میں معمول کے مطابق پوری نماز ادا کرتا ہوں لیکن مکہ مکرمہ میں قصر نماز ادا کرتا ہوں کیونکہ میں خود کو مسافر سمجھتا ہوں۔ کسی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ مجھے اس کے برعکس عمل کرنا چاہیے یعنی مجھے مکہ مکرمہ میں تو پوری نمازیں پڑھنی چاہئیں اور جب میں جدہ جاؤں تو وہاں قصر نماز ادا کرنی چاہیے۔ براہ کرم مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں؟

جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں۔ جب آپ نے نئی ملازمت حاصل کرلی تو آپ کو یقیناً نئی جگہ رہنے کے لیے کوئی مکان کرائے پر لینا پڑا ہوگا اور وہیں زندگی کو سہولت بخش بنانے کے لیے کچھ اشیاء بھی خریدنا پڑی ہوں گی، فرض کیجئے، اب کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ یقیناً آپ جواب دیں گے کہ مکہ مکرمہ میں حالانکہ آپ کے اہل خانہ جدہ میں رہتے ہیں۔ اب جبکہ آپ ہفتے میں صرف ایک بار اور تعطیلات کے دنوں میں جدہ جاتے ہیں، تو یقیناً آپ مکہ مکرمہ کے مقیم ہیں چنانچہ آپ کو چاہیے کہ مکہ مکرمہ میں پوری نمازیں ادا کریں اور جب مکہ مکرمہ سے باہر سفر پر جائیں تو نماز قصر ادا کیا کریں۔ یہ بات دلیل کی رو سے درست نہیں کہ آپ ہفتے میں پانچ یا چھ دن ایک جگہ بسر کرتے ہیں اور وہاں نوکری کرتے ہیں اور رہتے ہیں اور پھر خود کو مسافر سمجھتے ہیں، صرف اس لیے کہ آپ کے اہل خانہ کہیں اور مقیم ہیں۔ اس صورت حال میں آپ یقیناً مکہ مکرمہ کے مقیم ہیں۔

☆ ڈاکٹر صاحب نے بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ دیے بغیر ہی مدت اقامت کو پانچ چھ دن قرار دے دیا۔ جبکہ حدیث شریف میں مدت اقامت پندرہ روز آئی ہے۔

کتاب الحجۃ للامام محمدؒ جلد اول صفحہ ۱۷۰ پر موجود ہے۔ عن مجاهد عن ابن عمر انه اذا اراد ان يقيم بمكة خمسة عشر يوما سرح ظهره وصلى اربعا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ فرمالیتے تو گھوڑے سے زین اتار لیتے اور چار رکعت ادا کرتے۔

کتاب الآثار للامام ابی حنیفۃؒ بروایت الامام محمدؒ صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے۔ عن مجاهد عن عبدالله

بن عمر قال اذا کنت مسافراً فوطنت نفسك علی اقامة خمسة عشر یوماً فاتمم الصلوٰة وان کنت لاتدری فاقصر۔ (حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تم مسافر ہو اور اپنے لیے کسی جگہ کو پندرہ دن ٹھہرنے کے لیے وطن بنالو تو نماز پوری پڑھو اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو (کہ کتنے دن ٹھہرنا ہے) تو قصر کرو۔

مذکورہ بالا آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسافر اگر کسی مقام پر پندرہ یا پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو پھر نماز پوری پڑھے گا قصر نہیں کرے گا۔ ورنہ قصر کرے گا۔ جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا۔ اور یہ تعیین کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس میں عقل یا رائے کو دخل ہو اور ان حضرات نے خود ہی یہ تعیین کرلی ہو۔ اس لیے یہی کہا جائے گا کہ ضرور ان حضرات نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یا آپ کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ تعیین کی ہے۔ نیز جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب بھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

واضح رہے کہ مسافر اور قصر نماز کے لیے اپنے شہر کی حدود سے ۴۸ میل یا ۷۷ کلو میٹر باہر جانا کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔ اور شہر کی حدود کے باہر ہی وہ شخص مسافر ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسافت سفر کی تحدید چار بُرد (۱۶ فرسخ یا ۴۸ میل۔ موجودہ ۷۶.۸ کلو میٹر) ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال واعمال سے بھی مسافت سفر کی تحدید یہی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت امام مالک۔ حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ۔ حضرت امام بخاری۔ حضرت امام بیہقی رحمہم اللہ سب اسی کو نقل کرتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے۔ حدیث اور اہلحدیث مرتبہ مولانا انوار خورشید دامت برکاتہم)۔

لیکن غیر مقلد مسافت قصر ۳ میل اور بعض ۹ میل بتاتے ہیں۔

اب غیر مقلدین کے حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: "مسافر اس کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسری بستی کو جائے۔ اس کی کم سے کم حد بحکم حدیث شریف تین میل ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۳۰) غیر مقلدین کے مفتی عبدالستار صاحب لکھتے

ہیں۔ "نماز قصر تین یا نو میل پر کر سکتا ہے۔" (فتاویٰ ستاریہ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۵۷) غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ نو میل پر قصر درست ہے۔" (رسول اکرم کی نماز۔ صفحہ ۱۰۶)

بخاری و مسلم کی رٹ لگانے والے ڈاکٹر ذاکر نائیک خود بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ اور لوگوں کو احادیث کے خلاف عمل پر اکسا رہے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب تو پانچ چھ دن کو مدت اقامت قرار دیتے ہیں جبکہ ان کے دیگر غیر مقلدین حضرات ۱۹ دن ذکر کرتے ہیں۔

لیکن غیر مقلدین کے ایک امام ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔ "محدثین کے نزدیک بحکم حدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر جائز ہے۔ چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۷۰۱)

ذاکر نائیک صاحب بھی صحابہ کے عمل کو چھوڑ کر اپنے غیر مقلدین اماموں کی تقلید میں جو فتویٰ دے رہے ہیں۔ اس کے لیے نہ تو بخاری و مسلم کا کوئی حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کوئی صحیح حدیث ذکر کی ہے۔

☆ تراویح

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب تراویح کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب آپ نماز ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاص، توجہ اور اس وقت کے پیش نظر ثواب دیں گے جو آپ اس عبادت کی ادائیگی میں صرف کرتے ہیں۔ ان دو صورتوں میں سے انتخاب کی گنجائش نہایت محدود ہے کہ ایک شخص آدھے گھنٹے میں دو رکعت نفل ادا کرے اور دوسرا شخص اسی وقت میں دس رکعتیں ادا کرے۔ البتہ بعض حالات میں کوئی اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بعض حضرات رمضان المبارک میں تراویح کی ۸ رکعات اگر ۳۰ منٹ میں ادا کرتے ہیں اور اس کے برخلاف دوسرے حضرات اتنی ہی رکعات ۲۰ منٹ میں ادا کریں تو یہ صاف اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰ منٹ میں ۸ رکعات تراویح ادا کرنے والوں نے نماز پر کم توجہ دی ہوگی۔ اس قدر عجلت کے ساتھ نماز ادا کرنا احسن طریقہ نہیں ہے۔

☆ تراویح اور ذاکر نائیک

ذاکر نائیک صاحب نے اپنے غیر مقلدین اسلاف کی تائید میں بیس رکعت تراویح کی بجائے آٹھ رکعت تراویح کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ بیس رکعت تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعینؒ سے لے کر آج تک امت مسلمہ میں تواتر سے چلی آرہی ہے۔ حرمین شریفین میں چودہ سو سال سے اس کا تواتر کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ ذاکر نائیک سمیت تمام غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔

غیر مقلدین کو تو تراویح کا لفظ استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تراویح جمع کا صیغہ ہے۔ جس کا اطلاق کم از کم تین ترویحہ پر ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ ذاکر نائیک صاحب سمیت دیگر غیر مقلدین دو ترویحے پڑھنے کے قائل ہیں۔ غیر مقلد اور ذاکر نائیک صاحب آٹھ رکعت کو جتنا مرضی لمبا کر لیں لیکن یہ تراویح نہیں ہو سکتی یہ ترویحتان ہوں گے۔ تراویح کے لئے کم از کم تین ترویحے ہونے چاہئیں۔

آیئے اب ہم احادیث سے تراویح کا جائزہ لیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۴۔ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶۔ معجم طبرانی کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۹۳) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه جمع الناس على ابي بن كعب فكان يصلي لهم عشرين ركعة (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲) کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اکٹھا کر دیا۔ آپ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (سنن

کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تراویح کی جماعت کروائی۔تمام رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح باجماعت پڑھنے کا طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔
”صلوا کما رایتمونی اصلی“ کے مطابق غیر مقلدین صرف تین روز تراویح کی جماعت کروائیں۔
امام ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ کی مغنی ابن قدامہ جلد ا صفحہ ۸۰۲ پر موجود ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک بیس رکعت مختار ہیں۔ سفیان ثوریؒ ابوحنیفہؒ اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی فرمایا ہے۔اور امام مالکؒ چھتیس رکعت کے قائل ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر قدیم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء پر جمع کیا تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے۔
امام غزالیؒ نے احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۱۳۹ پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۶۴ امام محی الدین نوویؒ شارح مسلم نے کتاب الاذکار صفحہ ۸۳۔شیخ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۱۰۶ علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں تراویح کو بیس رکعت ہی مانا ہے اور کسی صحابی کا اس کے خلاف عمل نہیں رہا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خیر المصابیح فی عدد التراویح از مولانا خیر محمد صاحبؒ۔
حضرت مولانا انوار خورشید صاحب دامت برکاتہم نے غیر مقلدین حضرات سے طریقہ تراویح کے متعلق چند سوال ترتیب دیے ہیں۔ہم انہیں بعینہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اور ان کے غیر مقلد حضرات کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں۔
غیر مقلدین حضرات جس طریقہ سے تراویح پڑھتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اس کے متعلق کوئی صحیح۔ صریح مرفوع حدیث پیش کریں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طریقہ سے تراویح پڑھتے تھے۔مثلاً:
(۱) غیر مقلدین حضرات سارے رمضان تراویح پڑھتے ہیں کیا اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم نے سارے رمضان تراویح پڑھی ہیں؟۔

(۲) غیر مقلدین حضرات سارے رمضان مسجد میں تراویح پڑھتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے رمضان مسجد میں تراویح پڑھی ہیں؟۔

(۳) غیر مقلدین حضرات سارے رمضان مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے رمضان مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھی ہیں؟۔

(۴) غیر مقلدین حضرات تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت کر کے تراویح پڑھی ہیں؟۔

(۵) غیر مقلدین حضرات تراویح میں پورا قرآن کریم ختم کرتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں پورا قرآن ختم کیا تھا؟۔

(۶) غیر مقلدین حضرات تراویح کے فوراً بعد وتر پڑھ لیتے ہیں سو کر اٹھ کر نہیں پڑھتے۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کے فوراً بعد بغیر سو کر اٹھے وتر پڑھ لیتے تھے؟۔

(۷) غیر مقلدین حضرات وتر کی جماعت کرواتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وتر کی جماعت کرایا کرتے تھے؟۔

(۸) غیر مقلدین حضرات آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے؟۔

اس سلسلہ میں غیر مقلدین حضرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آٹھ رکعات والی حدیث پیش کرنے سے گریز کریں کیونکہ

اولاً تو اس کا تعلق تہجد سے ہے تراویح سے نہیں۔ جس کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں سائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کی رات کی نماز کے بارہ میں سوال کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک خاتون ہیں۔ ان سے سوال اسی نماز کے بارہ میں کیا جا سکتا ہے جو گھر کی نماز ہو اور گھر کی نماز تہجد ہی ہو سکتی ہے تراویح نہیں۔ کیونکہ وہ تو مسجد میں پڑھی جاتی

ہیں۔ اگر سائل کا سوال تراویح کے بارہ میں ہوتا تو وہ مسجد میں کسی صحابی سے دریافت کرتے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں آٹھ رکعات رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھنے کا ذکر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہیں رمضان کے علاوہ نہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس حدیث پاک پر تو غیر مقلدین خود عمل نہیں کرتے کیونکہ

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز چار چار رکعت کرکے پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین دو دو کر کے پڑھتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز اکیلے پڑھتے تھے کیونکہ اس حدیث میں آپ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے پڑھانے کا نہیں۔ لیکن غیر مقلدین سارے رمضان یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ یہ نماز گھر میں پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین یہ نماز مسجد میں پڑھتے ہیں۔

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز پڑھ کر سو جاتے تھے پھر سو کر اٹھ کر وتر پڑھتے تھے۔ لیکن غیر مقلدین حضرات تراویح کے فوراً بعد سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیتے ہیں۔

(۵) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر اکیلے پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۶) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے سال وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ غیر مقلدین اکثر ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں اور جب کبھی تین پڑھتے بھی ہیں تو دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ غیر مقلدین حضرات ہر سوال کا جواب صرف اور صرف صحیح۔ صریح۔ مرفوع حدیث سے دیں۔ ضعیف حدیث اور غیر صریح حدیث نہ پیش

فرمائیں۔ نیز کسی امتی کا قول بھی نہ پیش کریں۔ اس بات کا بھی خیال رہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں جس کا مطلب ہے حدیث والے اور ان کا دعویٰ ہے کہ حدیث والے وہی ہیں اور حدیث پر عمل وہی کرتے ہیں حنفی حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ اس لئے ہر عمل کی حدیث پیش کرنی غیر مقلدین کے ذمہ ہے۔ وہ احناف سے ان کے عمل کے بارہ میں حدیث نہ طلب فرمائیں کیونکہ اولاً تو وہ بقول غیر مقلدین اہل حدیث نہیں ہیں۔ دوسرے ان کا دعویٰ بھی نہیں ہے کہ ان کا ہر عمل حدیث سے ثابت ہے۔

☆ عید

ایک پروگرام "گفتگو" میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکر نائیک صاحب مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک دن عید ہو سکے۔

☆ ویسے تو ڈاکٹر صاحب ہر چیز کو سائنس پر پرکھتے ہیں لیکن یہاں فلکیات کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اسلامی عید کا تعلق رویت ہلال سے ہے۔ اور یہ رویت دنیا کے ہر خطے میں مختلف اوقات میں ہوتی ہے۔ نظام شمسی میں کہیں چاند طلوع ہو رہا ہوتا ہے اور کہیں غروب۔ اور کہیں گھنٹوں کا فرق موجود ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ پوری دنیا میں عید ایک روز ہو۔

ڈاکٹر صاحب عیسائیوں کی تقلید اور وحدت ادیان کے عقیدہ کے تحت یہ بات کر رہے ہیں ورنہ احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دور رسالت اور دور صحابہ میں بھی مختلف علاقوں میں مختلف دنوں میں عیدیں ہوتی تھیں۔ اگر اس دور میں جب کہ اتحاد کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ اس وقت مسلمان تعداد میں کم تھے۔ مختلف دنوں میں عید کا ہونا مضر نہیں تھا۔ تو اب کیوں ہو گیا۔ اختلاف مطلع کی وجہ سے یہ اختلاف ہوتا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی جہالت ہے کہ انہیں یہ بات معلوم ہی نہیں کہ ہر ملک کا اپنا مطلع معتبر ہوتا ہے۔ نیز معرفت اوقات مشاہدہ سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے بدون مشاہدہ صرف ماہرین فلکیات کی رائے بھی معتبر نہیں۔ جس امر کی تحقیق ماہر فن کی رائے پر موقوف ہو وہاں شریعت نے ماہرین فن کے اتباع کا حکم فرمایا ہے مثلاً پانی کے ضرر کی وجہ سے جواز تیمم۔ حالت

مرض میں ترک صوم وغیرہ نظائر کثیرہ مشہورۃ وفی کتب المذھب مزبورۃ مسطورۃ۔ و عمن اولی مسکۃ من العلم غیر مستورۃ۔

☆ مرد کو عورت پر فضیلت

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"اسلام عورت اور مرد کی برابری میں یقین رکھتا ہے۔ اس برابری کا مطلب بالکل ایک جیسے مراد نہیں ہے۔ اسلام میں عورت اور مرد کا کردار توسیعی ہے۔ یہ کسی تضاد کو لئے ہوئے نہیں۔ یہ باہمی تعاون پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کہ اس میں کوئی ایسی نزعی کیفیت ہو کہ ہم میں سے بہتر کون ہے۔" (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 271)

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:

"اور میں جسٹس ایم ایم قاضی صاحب سے بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ جب انہوں نے کہا کہ بہت سے مسلمانوں نے اس آیت کو غلط تعبیر سے سمجھا کہ جب بیان کیا گیا کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بھی کہتا ہوں کہ قرآن کو پوری جامعیت کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔

جیسا کہ سورۃ نساء سورۃ نمبر 4 آیت نمبر 34 میں ہے کہ:

ترجمہ: "مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں...... الخ"

لوگ کہتے ہیں لفظ "قوام" کے معنی ایک درجہ اوپر ہونے کے ہیں لیکن اصل میں لفظ قوام اقامۃ سے نکلا ہے۔ اقامۃ کا مطلب ہے کہ جب آپ نماز سے پہلے اقامت کہتے ہیں، آپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اقامۃ کا مطلب کھڑا ہونا کے ہیں۔ لہٰذا لفظ "اقامۃ" کا مطلب ہوا کہ ایک درجہ ذمہ داری میں اونچا ہے نہ کہ فضیلت میں۔

یہاں تک کہ اگر آپ ابن خاطر کی تفسیر پڑھیں تو وہ کہتے ہیں کہ لفظ قوام کا مطلب ایک درجہ ذمہ داری میں اونچا ہونا کے ہیں نہ کہ فضیلت میں۔ اور ذمہ داری سے مراد شوہر اور بیوی کو متفقہ رضامندی کے

ساتھ عہدہ برا ہونا چاہئے۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ نمبر 250،249)

☆ ڈاکٹر صاحب کی جہالت دیکھئے کہ لفظ "قوام" کا مادہ "اقامہ" بتا رہے ہیں۔ جبکہ یہ "قوامہ" سے نکلا ہے۔

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وللرجال علیھن درجۃ"۔ مردوں کا عورتوں کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔ ان آیتوں میں واضح طور پر مردوں کو عورتوں کا سرپرست اور سردار بتایا ہے۔ اولاد کی پرورش خانگی امور مرد و عورت دونوں ہی کے باہمی میل محبت اور مشورہ سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن شوہر کا مرتبہ بڑا ہے۔ مردوں کو جہاں اللہ نے جسمانی قوت و طاقت زیادہ دی ہے وہیں اسے سمجھ بھی زیادہ دی ہے۔ حوصلہ۔ ہمت۔ بہادری۔ دلادری مردوں میں زیادہ ہے (الا ماشاء اللہ)۔ ان اوصاف کی وجہ سے مرد کو برتری دی گئی ہے۔ اور اسے عورت کا سردار بتایا گیا ہے۔ جو سردار ہے اس کی فرمانبرداری ضروری ہوتی ہے۔ ورنہ کاموں میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ کے سوا سجدہ جائز ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔

(ڈاکٹر صاحب کو ابن کثیر کہنا چاہیے تھا لیکن دوسروں کے تیار کردہ جوابات کو من کر دہرانے کی وجہ سے انہیں معلوم ہی نہیں کہ تفسیر ابن خاطر دنیا میں کوئی تفسیر نہیں ہے۔ اور اس کی وہ کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکتے۔ اس خود ساختہ سوال کا جواب انہیں کسی ایسے شخص نے یاد کروایا ہے جو عربی اور انگریزی سمجھتا ہے لیکن اس کا تلفظ عربی ہے۔ چنانچہ جب اس نے انگریزی میں تفسیر ابن کثیر کہا تو اپنے تلفظ میں اسے ابن کثیر یا ابن کاثیر کہا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اس میں ترمیم کر کے ابن خاطر بنا لیا۔ اگر ڈاکٹر صاحب نے خود مطالعہ کیا ہے تو بتائیں کہ یہ تفسیر ابن خاطر کتنی جلدوں پر مشتمل ہے۔ کس مطبع کی چھپی ہوئی ہے۔ کس سن میں لکھی گئی نیز اس کے مصنف کا اصل نام کیا ہے۔ کن اساتذہ سے کسب فیض حاصل کیا اور دیگر مفسرین میں ان کا کیا مقام ہے؟۔)

☆ بیعت اور موجودہ جمہوریت

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں کہتے ہیں:

"اسلام عورت کو ووٹ کا حق دیتا ہے۔

اگر آپ سورۃ الممتحنہ سورۃ نمبر 60 آیت نمبر 12 پڑھیں تو یہ بتاتی ہے کہ:

ترجمہ: "اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ کر لائیں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اس سے بخشش مانگو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہاں عربی کا لفظ "بیان" "(یبایعنک) استعمال ہوا ہے اور بیان ہمارے موجودہ دور کے انتخابات سے زیادہ جدیدیت کا حامل ہے۔ کیونکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض اللہ کے رسول ہی نہ تھے بلکہ وہ ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ اور عورتیں آپؐ کے پاس آئیں اور وہ آپ کے سربراہ ہونے پر راضی ہوئیں۔ لہٰذا اسلام عورت کو ووٹ دینے کا برابر حق دیتا ہے۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ نمبر 312)

یہ بھی تفسیر بالرائے ہے جو صرف ڈاکٹر صاحب ہی کو سوجھی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی یہ دلیل تار عنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ "یبایعن" کا اشتقاق بیان سے نہیں بلکہ مبایعہ سے ہے۔ اور اس کا مادہ ب۔ی۔ع ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ ان عورتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیعت کرنا موجودہ جمہوریت کے طرز انتخاب کی ہی قدیم شکل ہے کیونکہ موجودہ جمہوریت کے مطابق سب کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ سربراہ چننے کے لیے اپنی رائے دیں اور اگر کسی شخص پر اتفاق رائے نہ ہو تو وہ سربراہ نہ بن سکے گا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کرنا درحقیقت ووٹ لینا تھا تو کیا ان صحابیات کو اختیار تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی تسلیم نہ کرتیں؟۔

اور اگر یہ بیعت درحقیقت ووٹ کا سسٹم تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام مردوں اور عورتوں سے ووٹ کیوں نہ لیے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے یہ طریقہ کیوں نہ اپنایا؟

یہ ایک الگ بات ہے کہ عورت کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اسے آیت کریمہ کا مدلول ماننا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

☆ امہات المومنین کی توہین

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں سوالات و جوابات میں کہتے ہیں:

"لہٰذا میرا جھکاؤ ان سکالرز کی طرف زیادہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو سربراہ مملکت نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت فیصلہ کرنے میں حصہ نہیں لے سکتی۔ جیسا کہ میں نے پہلے اپنی تقریر میں کہا، ان کو ووٹ دینے کا حق ہے۔ ان کو قانون سازی میں حصہ لینے کا حق ہے۔ صلح حدیبیہ کے دوران حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دیا اور انہیں مشورہ دیا۔ اس وقت جب کہ پوری مسلم امہ پریشان تھی انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دیا اور راہ دکھائی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ صدر یا وزیر اعظم "سربراہ" ہوتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر ان کی پرسنل اسسٹنٹ یا سیکرٹری بھی فیصلہ کرتی ہیں۔ لہٰذا یقیناً عورت مملکت کے اہم فیصلوں میں مرد کی مدد کر سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سوال کا جواب مکمل ہو گیا ہے۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 324)

ڈاکٹر صاحب عورتوں کو خوش کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں ورنہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ مشورہ دینا اور ہوتا ہے۔ قانون سازی اور ہوتی ہے۔

امہات المومنین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے تو دیے لیکن قانون سازی نہیں کی۔ قانون تو اللہ کا ہے۔ اس میں کوئی شخص کیسے دخل دے سکتا ہے۔ چاہے وہ عورت ہو یا مرد۔ ڈاکٹر صاحب

موجودہ دور کے صدر اور وزیر اعظم کی پرسنل اسسٹنٹ اور سیکرٹریز کو امہات المومنین پر قیاس کر رہے ہیں۔ کیا یہ قیاس کرنا کسی طرح بھی درست ہو سکتا ہے؟۔ امہات المومنین کا مقام کیا ہے؟ اور موجودہ دور کی سیکرٹریز کیا کرتی ہیں؟۔ یہ کسی سے مخفی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو خدا کا خوف کرنا چاہیے کہ وہ ایسی عورتوں کو امہات المومنین پر قیاس کر رہے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ڈاکٹر صاحب نے امہات المومنین کی شان میں جو گستاخی کی ہے یہ ان کی جہالت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک اور تقریر میں ڈاکٹر صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ قبر والوں سے بھی مانگنا حرام ہے۔ آگے اپنی روانی میں کہہ بیٹھے کہ "حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے ماننا حرام ہے"۔ ایسے کفریہ الفاظ کی بناء پر انڈیا میں پولیس کے پاس رپورٹ درج کروائی گئی اور ڈاکٹر ذاکر صاحب کو اپنی حماقت اور جہالت پر ایک رجوع نامہ تحریر کرنا پڑا۔ رجوع نامہ تحریر کرتے وقت ان کے ساتھ ان کا کوئی تنخواہ دار بھی تھا۔ جس نے الفاظ "سبقت لسانی" لکھوائے۔ ان کی اپنی املا کا یہ حال ہے کہ اس رجوع نامہ کے آخری الفاظ "اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں" میں "لے" "علیحدہ اور "تا" علیحدہ لکھے ہیں۔ یہ واقعہ ۱۲ نومبر ۲۰۰۸ء کا ہے۔ اصل تحریر کا عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

12-11-2008

[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible] حرام ہے [illegible]

[illegible] ہرگز نہیں [illegible]

[illegible] سبقت لسانی سے ہوا [illegible]

[illegible] اور اپنے الفاظ واپس لے تا ہوں۔

[signature]

12/11/08 (1:35 pm)

ڈاکٹر نائیک کا یہ وہ رجوع نامہ ہے جو انہوں نے جوائنٹ پولیس کمشنر کے سامنے پیش کیا۔

☆عورت اور قانون سازی

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں کہتے ہیں:

"عورت قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔ اور مشہور حدیث جس میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مہر کے متعلق زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار مقرر کرنے پر بات کر رہے تھے کہ جوان مرد اس (کی وجہ) سے شادی کرنے کے معیار پر پورے نہ اترتے تھے۔ تو پچھلی نشستوں سے ایک عورت اٹھی اور کہا کہ سورۃ نساء آیت نمبر 20 کے مطابق:

ترجمہ: "اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟"

"تم مہر میں سونے کے ڈھیر بھی دے سکتے ہو۔"

موجود ہے اور جب اللہ کو مہر کی حد پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کون ہے جو مہر کی حد مقرر کرے۔

اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"عمر غلط ہے اور وہ عورت صحیح۔"

کیونکہ حدیث میں اس عورت کا نام موجود نہیں لہذا آپ اسے ایک عام عورت سمجھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حتیٰ کہ ایک ادنیٰ عورت بھی سربراہ ریاست پر اعتراض کر سکتی ہے۔ اور تکنیکی طور پر اگر دیکھا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ قوانین کے غلط پہلو پر اعتراض کر رہی ہے۔ کیونکہ قرآن ہی مسلمانوں کا آئین ہے۔

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 312-313)

☆حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ترغیب دے رہے تھے نہ کہ قانون سازی کر رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب ایسے بیان کر رہے ہیں جیسے اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہو۔

ابن جوزیؒ نے حیات فاروق اعظمؓ میں لکھا ہے کہ حضرت مسروق بن الاجدع فرماتے ہیں کہ ایک

مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر بیٹھ کر فرمایا: "عورتوں کا مہر چار سو درہم کے اندر اندر ہونا چاہیے اور اسے اس رقم سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر مہر میں فراخ دلی اور برگزیدگی اور شرف کا حصول مقصود ہے تو بہر حال ظاہر ہے ہم ان عظمتوں اور بلندیوں کے حصول میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئیں عاجز ہی رہیں گے"۔ وہ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ ایک قریشی عورت نے ان کا راستہ روک کر ان سے کہا۔

"امیر المؤمنین آپ نے لوگوں کو عورتوں کے مہر میں اضافہ سے روک دیا ہے اور ان سے یہ کہا ہے کہ وہ چار سو درہم سے آگے نہ بڑھیں لیکن وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ...... (سورۃ نساء آیت ۲۰) کے الفاظ کے پیش نظر کیا آپ کا یہ حکم قرآنی حکم کے خلاف نہیں۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے عورت کو ڈھیر بھر مال بھی دے دیا ہو تو ان سے کچھ بھی واپس نہ لو"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: "اے خدا عمر کو معاف کر دے۔ ہر شخص دینی معاملات اس سے کچھ زیادہ ہی سمجھتا ہے"۔ چنانچہ اس کے بعد امیر المؤمنین نے اعلان کیا کہ اگر کوئی چار سو درہم سے زیادہ عورتوں کو مہر میں دینا چاہے یا اپنی خواہش کے مطابق اور کوئی چیز دینا چاہے تو وہ بے شک ایسا کر سکتا ہے۔

اس تمام واقعہ سے کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی قانون سازی ہو رہی تھی اور نہ ہی وہ کوئی اجلاس تھا جس کی پچھلی نشستوں سے کسی عورت نے اٹھ کر قانون سازی میں حصہ لیا۔

☆ دو عورتوں کی گواہی

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام پر چالیس اعتراضات" کے سوالات و جوابات میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ:

"اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ہمیشہ ایک مرد کے برابر نہیں ہے۔ قرآن مجید کے اندر تین مقامات پر مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر گواہی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ وارثت کے بارے میں وصیت کے وقت دو عادل لوگوں کی گواہی کی ضرورت ہوتی

ہے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ سورۃ نمبر 5 آیت نمبر 106 میں قرآن کہتا ہے:

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہی (کا طریقہ یہ ہے) کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے وصیت کے وقت تم میں سے دو معتبر شخص ہوں یا تمہارے سوا دو۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں موت کی مصیبت آجائے۔“

2۔ اور طلاق کے بارے میں دو عادل لوگوں کو گواہ بنانے کا حکم ہے۔ سورۃ طلاق سورۃ نمبر 65 آیت نمبر 2 میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ”اور اپنے میں سے دو انصاف پسند گواہ کر لو اور تم صرف اللہ کے لئے گواہی دو۔“

3۔ اسی طرح پاک دامن عورتوں کے بارے میں گواہی کے لئے چار لوگوں کی شہادت کی ضرورت ہے جیسے کہ سورۃ نور سورۃ نمبر 24 آیت نمبر 4 میں ہے کہ:

ترجمہ: ”اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ اس پر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں کوڑے مارو۔ اور تم قبول نہ کرو کبھی ان کی گواہی۔ یہی نافرمان لوگ ہیں۔“

یہ بات درست نہیں کہ دو عورتوں کی گواہی ہمیشہ ایک مرد کے برابر ہوگی۔ یہ صرف چند مخصوص و معاملات میں ہے۔ قرآن کے اندر پانچ آیات ایسی ہیں جن میں گواہی کے معاملے میں مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر حکم موجود ہے۔ اور صرف ایک آیت ایسی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ یہ سورۃ بقرہ سورۃ نمبر 2 آیت نمبر 282 ہے اور مالی معاملات میں قرآن کی یہ سب سے لمبی آیت ہے۔

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھ دے کاتب تمہارے درمیان انصاف سے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اس کو سکھایا ہے اللہ نے۔ اسے چاہیے کہ لکھ دے۔ اور جس پر حق (قرض) ہے وہ لکھاتا جائے اور اپنے رب سے ڈرے اور نہ اس سے کچھ کم کرے۔ پھر اگر وہ جس پر حق (قرض) ہے وہ بے عقل یا کمزور ہے یا وہ لکھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو چاہیے کہ اس کا سرپرست انصاف سے لکھا دے اور اپنے

مردوں میں سے دو گواہ کرلو پھر اگر وہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم پسند کرو (تاکہ) ان میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک (دوسری کو) یاد دلا دے۔"

قرآن کی یہ آیت صرف مالی معاملات کے لئے ہے۔ اور اس قسم کے معاملات میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کا معاہدہ دونوں فریقوں کے درمیان لکھ لیا جائے اور اس کے دو گواہ بنا لئے جائیں اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ صرف مرد ہوں۔ اور اگر مرد نہ مل سکیں تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

اسلام میں مالی معاملات میں دو مردوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام مرد سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ خاندان کی کفالت کریں۔ چونکہ اقتصادی ذمہ داری مرد کے اوپر ہے اس لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مالی معاملات میں عورتوں کی نسبت زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ دوسری صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ کرنا ہوگا۔ اور اگر ایک عورت بھول جائے یا غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

قرآن میں عربی کا لفظ تَضِلَّ کا معنی ہے غلطی کرنا یا بھول جانا۔ صرف مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی قتل کے بارے میں بھی دوہری ہے۔ یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ ایسے معاملات میں ایک عورت مرد کی نسبت زیادہ خوف زدہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی جذباتی حالت کی وجہ سے پریشان ہو سکتی ہے۔ اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک قتل جیسے معاملات میں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ کچھ علماء کے نزدیک دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی تمام معاملات میں ہے۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ سورۃ نور سورۃ نمبر 24 آیت نمبر 6 تا 9 میں ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے بارے میں واضح حکم موجود ہے۔

ترجمہ:۔ "اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ سچ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو اور اس عورت سے مل جائے گی سزا اگر وہ چار بار اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دے کہ وہ (مرد) جھوٹا ہے اور پانچویں

بار یہ کہ اس عورت پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچوں میں سے ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی تھیں۔ ان سے کم وبیش 2220 کے قریب احادیث مروی ہیں جو صرف ان کی اکیلی شہادت کی وجہ سے مستند ہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ایک عورت کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔ بہت سے علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ رویت ہلال یعنی چاند کے دیکھنے کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ روزے جیسی عبادت جو اسلام کے اہم ارکان میں سے ہے کے لئے بھی ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ اور اس گواہی پر تمام مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک روزے کے آغاز کے لئے جبکہ اس کے اختتام کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ گواہ مرد ہوں یا عورت۔ بعض ایسے معاملات بھی ہیں جن میں صرف ایک عورت کو ہی گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً عورتوں کے مسائل میں عورت کو دفن کرنے کے لئے اس کو غسل دینا۔ ایسے معاملات میں مرد کی گواہی قبول نہیں۔ مالی معاملات میں عورت اور مرد کے درمیان نظر آنے والا یہ فرق کسی عدم مساوات کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ صرف معاشرے میں ان کی مختلف نوعیت کی ذمہ داریوں اور کردار کی وجہ سے ہے جو اسلام ان کے لئے متعین کرتا ہے۔

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 1 صفحہ 409 تا 413)

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی گفتگو بعنوان عالمی بھائی چارہ میں عورت کی گواہی کے بارے میں کہتے ہیں: "ام المومنین حضرت عائشہ صدیق رضی اللہ عنہا سے کم از کم 2220 احادیث مبارکہ مروی ہیں جنہیں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنہا شہادت ہی کی بنیاد پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک۔ صفحہ 502)

☆ روایت اور گواہی میں فرق

ذاکر نائیک صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ روایت اور گواہی میں بہت فرق ہے۔ گواہی میں یہ الفاظ

بولے جاتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں یا دیتی ہوں۔ اور روایت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو نقل کرنا ہے۔ اگر روایت اور گواہی ایک ہی ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی کہ میں گواہی دیتی ہوں۔ نیز شریعت میں جو گواہی کا تصور ہے وہ گواہی گواہ صرف قاضی کے سامنے دیتا ہے۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو کسی قاضی کے سامنے اپنی مرویات کی گواہی نہیں دی۔

مشکوٰۃ صفحہ ۱۳ پر بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) عید کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جاتے ہوئے (راستہ میں) عورتوں پر گزر ہوا۔ تو انہیں کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ نیز انہیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہونا فرمایا۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان ہے؟۔ قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل۔ قلن بلی۔ قال فذالك من نقصان عقلها۔ قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم۔ قلن بلی۔ قال فذالك من نقصان دینها۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر ہے؟۔ عرض کیا جی ہاں ایسا تو ہے۔ فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کے باعث ہے۔ پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو (ان دنوں میں حسب حکم شرع) نہ نماز پڑھتی ہیں اور نہ روزہ رکھتی ہیں۔ عورتوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا تو ہے۔ فرمایا یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

ڈاکٹر صاحب بخاری کی حدیث کے باوجود دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں مانتے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی تقاریر میں صحابیہ کے لیے رضی اللہ عنہ اور صحابی کے لیے رضی اللہ عنہا کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جو اپنی تقریر میں تذکیر و تانیث کے لیے درست الفاظ بھی استعمال نہ کر سکیں انہیں روایت حدیث اور گواہی کا فرق کیسے معلوم ہوگا؟۔

ڈاکٹر صاحب کی جہالت ملاحظہ ہو کہ قصاص کے معاملات میں عورت کی گواہی ویسے ہی نہیں ہے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب قتل کے بارے میں دو عورتوں کی گواہی کے قائل ہیں۔

☆ آیت لعان کی معنوی تحریف

نیز اس ضرب المثل کے مصداق کہ "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا"۔ ڈاکٹر صاحب نے آیت کی معنوی تحریف کرتے ہوئے لعان (بیوی پر تہمت لگانا) کے معاملہ کو عورت کی گواہی کے ساتھ جوڑ دیا۔

ڈاکر نائیک صاحب نے خواتین کو خوش کرنے کی خاطر رویت ہلال کے معاملہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر قرار دے دی ہے۔ جس کا قرآن وحدیث میں کہیں بھی حوالہ موجود نہیں۔

☆ عورت کے چہرے کا پردہ

ایک پروگرام "گفتگو" میں عورت کے چہرہ کے حجاب کے بارے میں ڈاکٹر ڈاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ ناصر الدین البانی کے نزدیک بھی چہرے کا نقاب فرض نہیں۔ سورہ نور کی آیت 124 میں یہ نہیں کہا گیا کہ چہرہ ڈھانکو۔ اس میں لکھا ہے کہ سر کے اوپر کپڑا اوڑھانکو۔ اس میں چہرہ نہیں ہے۔ کوئی ایک صحیح حدیث میں بھی نہیں ہے کہ جس میں حضور نے فرمایا ہو کہ عورت کو چہرہ ڈھانکنا چاہیے۔ اس کے بجائے کئی احادیث میں ہے حضور کے دور میں صحابیات چہرہ کھلا رکھتی تھیں۔ اس لیے حج کے دوران چہرہ ڈھانکنا حرام ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے چہرہ ڈھانپنا فرض نہیں۔ لیکن اگر کوئی ڈھانپنا چاہے تو اچھی بات ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جس ناصر الدین البانی کا حوالہ دیا ہے اس کے خیالات کا ایک نمونہ اس کتاب کے اندر اور آخر میں موجود ہے۔ رہا حضور کے دور میں صحابیات کے پردہ کی کیفیت اس کا ذکر ہم تفصیلی طور پر چوہدری رفیق صاحب کے باب میں صفحہ..... لکھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حج کے دوران چہرہ ڈھانپنا حرام نہیں بلکہ چہرہ پر کپڑا لگنا منع ہے۔ نہ کہ پردہ کرنا۔

ڈاکٹر صاحب نے غلط کہا کہ احادیث میں ہے حضور کے دور میں صحابیات چہرہ کھلا رکھتی تھیں۔ اس لیے حج کے دوران چہرہ ڈھانکنا حرام ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ (سفر حج میں) ہمارے قریب سے حاجی لوگ گزرتے تھے

اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں (چونکہ احرام میں عورت کو منہ پر کپڑا لگانا منع ہے) اس لئے ہمارے چہرے کھلے ہوئے تھے اور چونکہ حج میں پردہ کرنا لازم بھی ہے اس لئے جب حاجی لوگ ہمارے برابر سے گزرتے تو ہم بڑی سی چادر کو سر سے گرا کر چہرے کے سامنے لٹکا لیتے اور جب حاجی لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے۔(ابوداؤد)

اگر حج کے دوران نامحرموں سے چہرہ چھپانا لازم نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابی خواتین حاجی لوگوں سے چہرہ چھپانے کا اہتمام کیوں کرتیں۔

ہم قارئین کے سامنے عورت کے چہرہ کے پردہ کا مسئلہ تفصیل بیان کررہے ہیں۔ تاکہ جدت پسندوں کی تلبیس سے بچا جاسکے اور اس شیطانی چال کا دروازہ بند کیا جائے جو تحقیق کے نام پر کھولا جارہا ہے۔

☆شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں و ھذا کلہ اذا لم یکن النظر عن شھوۃ فان کان یعلم انہ ان نظر اشتھی لم یحل لہ النظر الی شیء منھا (مبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۲) یہ چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کا جائز ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ یہ نظر شہوت سے نہ ہو اور اگر دیکھنے والا جانتا ہے کہ چہرہ دیکھنے سے برے خیالات پیدا ہوسکتے ہیں۔ تو اس کو عورت کی کسی بھی چیز کی طرف نظر کرنا حلال نہیں۔

جامع الرموز میں خیال شہوت پیدا ہونے کی تشریح یہ ہے کہ نفس میں اس کے قریب ہونے کا میلان پیدا ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ نفس میں اتنا میلان بھی پیدا نہ ہو۔ یہ چیز آج کے زمانہ میں شاذ ہے۔

ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار کتاب الکراہیہ میں لکھا ہے۔

فان خاف الشھوۃ او شک امتنع النظر الی وجھھا فحل النظر مقیدۃ بعدم الشھوۃ والا فحرام و ھذا فی زمانھم و اما فی زماننا فمنع من الشابۃ الا النظر لحاجۃ کقاض و شاھد یحکم و یشھد و ایضاً قال فی شروط الصلوۃ و تمنع الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔ (اگر شہوت کا خطرہ یا شک

ہو تو عورت کے چہرے کی طرف نظر ممنوع ہوگی۔ کیونکہ نظر کا حلال ہونا شہوت نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور جب یہ شرط نہ ہو تو حرام ہے اور یہ بات سلف کے زمانہ میں تھی۔ لیکن ہمارے زمانے میں تو مطلقاً عورت کی طرف نظر ممنوع ہے۔ مگر یہ کہ کسی حاجت شرعیہ کی وجہ سے نظر کرنا پڑے اور شروط صلوٰۃ میں فرمایا کہ جوان عورت کو (اجنبی) مرد کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے نہ اس لیے کہ یہ عورت ہے۔ بلکہ فتنہ کے خوف سے۔)

اب اس دور میں فتنہ یعنی عورت کے قریب ہونے کا میلان کا خطرہ یا احتمال نہ ہو بہت مشکل ہے۔ اسی لئے متاخرین فقہاء حنفیہ نے بھی وہی حکم دیا ہے جو ائمہ ثلاثہ نے دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الخطاب فی احکام الحجاب" از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

سورۃ احزاب کی آیت نمبر یا ایھا النبی قل لا زواجك و بنٰتك ...... کی تشریح میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے استعمال جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو۔ صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔

یہ صورت باتفاق فقہاء امت کے نزدیک جائز ہے۔ مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو۔ آواز پیدا کرنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو۔ راستہ کے کنارے پر چلے۔ مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

اب رہا پردہ شرعی کا مسئلہ کہ عورت سر سے پاؤں تک مستور ہو۔ مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں۔ جن فقہاء نے اسے جائز کہا ہے ان کے نزدیک بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ مگر چونکہ عورت کی زینت کا سارا مرکز اس کا چہرہ ہے اس لئے اس کو کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہونا؟...... شاذ و نادر ہے۔ اس لئے انجام کار عام حالات میں ان کے نزدیک بھی چہرہ وغیرہ کھولنا جائز نہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ تینوں ائمہ نے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں دی۔ خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔ البتہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

نے فرمایا ہے کہ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہوگا (بوقت ضرورت) اور یہ شرط عام طور پر مفقود ہے۔ اس لیے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ حدیث شریف میں حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے دست مبارک سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے۔ وہ فساد نظر سے بچنے کے لیے تھا۔ اور اب اس زمانہ فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطرے (فتنہ) سے خالی ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ لسنا نقول ان وجه الرجل فی حقها عورة کوجه المرأة بل هو کوجه الامرد فی حق الرجل فیحرم النظر عند خوف الفتنة فقط وان لم تکن فتنة فلا۔ اذ لم تزل الرجال علی مر الزمان مکشوفی الوجوه والنساء یخرجن منتقبات فلو استووا الامر الرجال بالتنقب او منعن من الخروج ۔ (احیاء العلوم۔ کتاب النکاح۔ باب آداب المعاشرت) ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے لئے ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لئے ستر ہے بلکہ مرد کا چہرہ (عورت کے لئے) ایسا ہی ہے جیسا کہ بے ریش بچے کا چہرہ مرد کے لئے ہے۔ یعنی اگر فتنے کا اندیشہ ہوگا تو اس (مرد) کی طرف دیکھنا حرام ہوگا اور اگر فتنہ نہ ہو تو پھر اس (مرد) کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ مرد ہر زمانے میں کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔ جبکہ عورتیں نقاب پہن کر باہر نکلتی ہیں۔ اگر مرد بھی اس مسئلے میں عورتوں کے برابر ہوتے تو ان کو نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا یا عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کر دیا جاتا۔

اسی تواتر عملی کو علامہ ابوحیان اندلسیؒ نے البحر المحیط میں، ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں نقل کیا ہے۔ یہاں امام غزالی عورت کے بال تو چھوڑیے۔ نقاب یعنی چہرے کے پردے کے بارے میں اپنے زمانے کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ وہ تواتر عملی سے ثابت ہے۔

غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان نے البیان المرصوص صفحہ ۱۶۸ پر روشن خیالی کو ترویج دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ پردہ کی آیت (سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۹) خاص ازواج مطہراتؓ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ امت کی عورتوں کے واسطے نہیں۔

حقوق نسواں کی تنظیموں کو غیر مقلدین کا ممنون ہونا چاہیے کہ نص قرآنی کے باوجود انہیں سہولت دے دی۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور 11 / جولائی 2009ء آخری صفحہ پر دی گئی خبر بلا تبصرہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

"فرانس نے سکولوں میں سکارف پہننے پر پابندی عائد کرنے کے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کو بھی برقع پہننے سے روکنا چاہیے کیونکہ یہ ہمارے ملک کی سیکولر روایات کے خلاف ہے۔ بھارت دہلی میں فرانسیسی سفیر جیروم بوناوفٹ نے ایک ریسرچ سنٹر کے تھنک گروپ سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ فرانس چند مخصوص اقدار کا حامل ملک ہے۔ جہاں تک مذہبی اقدار کا تعلق ہے تو ملک میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ تاہم اس وقت ہمارے لیے مسئلہ یہ ہے کہ کچھ مذہبی انتہا پسند گروپ دباؤ ڈال کر ہماری سیکولر روایات کو تبدیل کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلم خواتین کو برقع بھی نہیں پہننا چاہیے"۔

ایک اور خبر جو ہفت روزہ ضرب مومن 09-11-22 میں شائع ہوئی ملاحظہ فرمائیے۔

پیرس (فارن ڈیسک) فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی نے کہا ہے کہ فرانس ایک سیکولر ملک ہے جہاں برقع پوش خواتین کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق فرانس کی قومی شناخت کے حوالے سے سرکاری اہلکاروں۔ طلباء۔ والدین اور اساتذہ کے اجتماع سے خطاب میں صدر سرکوزی نے کہا کہ اس وقت یہ بحث بہت ضروری ہے کیونکہ ہماری قومی شناخت مٹ رہی ہے۔ فرانس ایسا ملک ہے جہاں برقعے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی خواتین کو حجاب کی اجازت دی جائے گی۔ واضح رہے کہ 2004 میں فرانس کے تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کو حجاب اوڑھنے یا مذہبی علامت کے طور پر کوئی بھی چیز (دوپٹہ وغیرہ) رکھنے پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ صدر سرکوزی نے گزشتہ جون

میں کہا تھا کہ برقع کوئی مذہبی علامت نہیں ہے بلکہ یہ خواتین کو نیچا دکھانے کی ایک سازش ہے اور اب انہوں نے واضح طور پر برقع کی مخالفت کر دی ہے۔

☆ عورت پیغمبر کیوں نہیں ہوئی؟

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے سوالات اور جوابات میں ایک سوال کہ اسلام میں کوئی عورت پیغمبر کیوں نہیں؟ کے جواب میں کہتے ہیں:

"لیکن اگر پیغمبر سے مراد آپ کی یہ ہے کہ وہ شخص جسے کہ اس کی پاکیزگی اور سچائی کی وجہ سے منتخب کیا گیا ہو تو پھر کئی مثالیں ہیں اور بہترین مثال جو میں یہاں بیان کر سکتا ہوں وہ حضرت مریم علیہا السلام کی ہے۔ یہ سورہ مریم سورۃ نمبر 19 میں مذکور ہے۔ آیت نمبر 42

ترجمہ:۔ "جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں۔"

اور اس سے اگلی آیت کہتی ہے کہ:

ترجمہ:۔ "اور فرشتے نے مریم علیہا السلام سے کہا کہ اللہ نے آپ کو منتخب کر لیا ہے اور پاک کر دیا ہے اور تمام اقوام کی خواتین سے (Purified) کر دیا ہے۔"

اگر آپ کی مراد پیغمبر سے یہ ہے کہ وہ جو نیک اور منتخب یافتہ ہو تو مریم علیہا السلام جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں ان کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

ہمارے پاس اور بھی مثالیں ہیں۔ اگر آپ سورۃ تحریم سورۃ نمبر 66 آیت نمبر 11 کا مطالعہ کریں تو یہ کہتی ہے کہ:

ترجمہ:۔ "اور ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال ہے۔"

انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لئے جنت میں اپنے پاس گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات بخش اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات دے۔

اندازہ کریں وہ اپنے وقت کے طاقتور ترین شخص فرعون کی زوجہ تھیں اور انہوں نے تمام آسائشوں کو

ٹھکرادیا اور اس کے بدلے اللہ سے دعا کی کہ وہ بدلے میں آپ کو جنت میں محل عطا فرمائے۔ اسلام میں چار عورتیں پیغمبرانہ صفات کی گزری ہیں۔ (بی بی مریم علیہا السلام اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 341-342)

☆ قارئین اکثر ملاحظہ فرمائیں گے کہ کیے گئے سوالات اور ڈاکٹر صاحب کے جوابات میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔ سوال کچھ ہوتا ہے لیکن وہ اپنی جہالت کی بناء پر کچھ اور جواب دیتے ہیں۔ عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس سوال کا یہ جواب نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب زبردستی اس کو جواب باور کرانے پر مصر رہتے ہیں۔ اور آخر میں کہتے ہیں کہ میرے خیال میں سوال کا جواب ہوا۔ یقیناً ڈاکٹر صاحب کے خیال میں سوال کا جواب ہو گیا لیکن سائل کے خیال میں پورا نہ ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کی علمیت کا اندازہ اس جواب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سوال پوچھا جا رہا ہے کہ کوئی عورت پیغمبر کیوں نہیں ہوئی؟ اور جواب دے رہے ہیں کہ اگر پیغمبر سے نیک و پارسا مراد ہے تو ان صفات کی حامل خواتین دنیا میں آئی ہیں۔ حالانکہ پیغمبر سے اللہ کا رسول مراد ہے۔ کوئی بیوقوف شخص بھی کسی نیک آدمی کو پیغمبر نہیں کہتا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی علمیت کا بھرم رکھنے کے لیے پیغمبر کا مطلب خود ہی گھڑ کر جواب دے دیا۔

نبی۔ رسول اور پیغمبر ایک خاص اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کو سامنے رکھیں تو قرآن کا یہ ناطق فیصلہ ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ (سورۃ انبیاء آیت 7) اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر ایسے مردوں کو جن کی جانب ہم وحی کرتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انبیاء صرف مردوں میں سے بنائے تو پھر مزید تاویل و حجت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اللہ تعالیٰ کے امور میں کیا حکمت ہے یہ وہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کی حکمتیں بتا دیں یا وہ امور جن کی حکمتیں عام فہم ہیں تو ہمیں ان پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے اپنی جانب سے الفاظ قرآنی کے مختلف معنی

نہیں گھڑنے چاہئیں۔

مشکوٰۃ صفحہ ۱۳ پر بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) عید کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جاتے ہوئے (راستہ میں) عورتوں پر گزر ہوا۔ تو انہیں کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ نیز انہیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہونا فرمایا۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان ہے؟۔ قال الیس شھادۃ المرأۃ مثل نصف شھادۃ الرجل۔ قلن بلی۔ قال فذالك من نقصان عقلھا۔ قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم۔ قلن بلی۔ قال فذالك من نقصان دینھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر ہے؟۔ عرض کیا جی ہاں ایسا تو ہے۔ فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کے باعث ہے۔ پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو (ان دنوں میں حسب حکم شرع) نہ نماز پڑھتی ہیں اور نہ روزہ رکھتی ہیں۔ عورتوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا تو ہے۔ فرمایا یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

شاید کوئی عورت دل میں یہ سوال اٹھائے کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ خاص ایام کی مجبوری قدرتی ہے اور شریعت نے ان دنوں میں خود ہی نماز روزہ سے روکا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجبوری اگرچہ فطری اور طبعی ہے اور شریعت نے بھی ان دنوں میں نماز روزے سے روکا ہے مگر یہ بات بھی تو ہے کہ نماز روزہ کی ادئیگی کی جو برکات ہیں ان سے محرومی رہتی ہے۔ فطری مجبوری ہی کی وجہ سے یہ قانون ہے کہ ان ایام کی نمازیں بالکل معاف کر دی گئی ہیں جن کی قضاء بھی نہیں اور رمضان کے روزہ کی قضا تو ہے مگر رمضان میں روزہ نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اب اگر کوئی عورت یوں کہے کہ خدا نے یہ مجبوری کیوں لگائی ہے؟ تو یہ اللہ کی حکمت میں دخل دینا اور اس کی قدرت و مشیت پر اعتراض کرنا ہوا۔

شاید عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہونے کی وجہ سے ہی عورت کو پیغمبر نہیں بنایا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے بخاری و مسلم کی کس حدیث کی روشنی میں ان پاک ہستیوں حضرت مریم علیہا السلام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں پیغمبرانہ صفات ثابت کی ہیں؟۔ ان پاک ہستیوں کا درجہ اگرچہ امت میں بہت بلند ہے لیکن عورتوں کو خوش کرنے کی خاطر بلا دلیل ایسی بات کہہ دینا درست نہیں۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے مثال میں حضرت مریم علیہا السلام کا نام لیتے ہوئے سورۃ مریم کی آیت 42 کا حوالہ دیا ہے حالانکہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ حضرت مریم سے تو اس آیت کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سے ڈاکٹر صاحب کے محیر العقول حافظے اور اسلامی سکالر ہونے کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "میں جب بھی قرآن کی آیت پیش کرتا ہوں تو حوالہ دیتا ہوں جو لوگ چیک کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس سے بات میں وزن آتا ہے۔ اگر میری رائے اور دوسرے عالم کی رائے سے اختلاف رکھتا ہو تو دونوں کو سامنے رکھے ان شاء اللہ درست ہو جائے گا"۔

ڈاکٹر صاحب تو عورت کے پیغمبر ہونے اور نہ ہونے کی حکمت میں الجھے ہوئے ہیں۔ اور انہی کی طرز فکر کے حامل ایک غیر مقلد عالم نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا ہی انکار کر دیا ہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا انکار

غیر مقلدین کے ایک عالم شیخ عنایت اللہ اثری بن امام الدین بن محمد عظیم بن فتح علی جو ۱۳۱۶ھ کو وزیر آباد گجرات پاکستان میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبداللہ غازی پوری۔ شیخ عبدالستار کلانوری۔ شیخ عبداللہ گھنٹہ بلوی اور مولوی عبدالوہاب ملتانی سے استفادہ کیا۔ ان کی مولفات میں العطر البلیغ اور عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم قابل ذکر ہیں۔ ان کا ایک بدترین عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کوئی خدائی معجزہ نہیں تھا۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح ماں باپ کے اجتماع سے پیدا ہوئے۔ ہندو پاکستان کے علاء غیر مقلدین جو باطل سے نبرد آزمائی کے لئے زندگیاں وقف کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آخر خاموش کیوں ہیں؟۔ اور اس عقیدے اور

نظریے کی تردید کیوں نہیں کرتے؟۔

اب عنایت اللہ اثری کی لغویات بھی پڑھ لیجئے۔ لکھتے ہیں۔ "کس قدر قابل رحم ہے بے چاری مریم کی مظلومیت کہ اگر کسی عورت کو نکاح کے بعد چھ مہینہ پر بھی بچہ پیدا ہو جائے تو یہ اس عورت کی کرامت نہیں مانی جاتی۔ (یہ تعریض ان فقہاء پر ہے جن کے نزدیک نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب نہیں ہوگا) مگر مریم کے لئے بلا نکاح کرامت کا ظہور تسلیم کر لیا گیا" (عیون زمزم صفحہ ۹۱) "...........عیسیٰ علیہ السلام کی ماں خود کہتی ہیں کہ ان کا ایک شوہر ہے اور ان کے بیٹے کا ایک باپ ہے اور باپ بیٹا یہ دونوں بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن صدیوں بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو کہنے لگے کہ عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور ان کی ماں کا کوئی شوہر نہ تھا" (صفحہ ۳۰)

"...........اگر چہ حمل اور وضع حمل دونوں مؤنث کا کام ہے مگر بغیر مذکر کے یہ ممکن نہیں۔ اسی طرح مریم کا حمل اور وضع حمل بغیر شوہر کے ممکن نہیں" (صفحہ ۳۴)

عنایت اللہ اثری کی ایک اور موشگافی ملاحظہ ہو لکھتے ہیں "جب مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلایا تھا تو اسی سے ان کے لیے شوہر کا ثبوت ہو گیا۔ کیونکہ دودھ (چھاتی میں) بغیر جماع کے اتر تا ہی نہیں۔" (عیون زمزم صفحہ ۳۶)

عنایت اللہ اثری صاحب غیر مقلد نے اپنی دوسری کتاب العطر البلیغ میں تحریر طور پر لکھا ہے کہ "ایک دوسرے رسالہ میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عیسیٰ ثابت النسب اور شریف الاصل تھے۔ اور یہ عقیدہ کہ آپ بن باپ کی اولاد تھے بہت خطرناک ہے (العطر البلیغ صفحہ ۱۷)

اپنی لغویات کو ثابت کرنے کے لیے دہریوں ملحدوں اور معتزلہ کے نقش قدم پر چلنے والے اور کرامات و معجزات کا انکار کرنیوالے عنایت اللہ اثری صاحب غیر مقلد کی یہ پہلی بھی قابل دید ہے۔ لکھتے ہیں "ہود۔ صالح۔ لوط۔ ادریس۔ ایوب۔ شعیب۔ داؤد۔ الیاس۔ الیسع اور زکریا علیہم السلام کا قرآن میں تذکرہ کیا گیا مگر ان کے ماں باپ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تو کیا (آپ کہیں گے کہ) یہ لوگ بن ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ ہر گز نہیں۔ سب کے ماں باپ تھے۔ مگر ضرورت نہ ہونے کی وجہ

سے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ (مجون زمزم صفحہ ۳۷)

اثری صاحب کی پوری کتاب اسی طرح کی لغویات سے بھری ہوئی ہے۔ نہ معلوم یہ طائفہ محدثہ لا مذہبیہ ان فضولیات کو صاف کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ شاید انہوں نے بھی اپنے اسلاف کی تقلید کا پٹہ (قلادہ) گلے میں ڈال لیا ہے۔

☆ سیاسی مفادات کے لئے شادیاں

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے سوالات وجوابات میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف دو شادیاں عام شادیوں کی طرح تھیں اور وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھیں۔ باقی تمام شادیاں حالات کی وجہ سے تھیں۔ معاشرتی تعمیر نو کے لئے یا سیاسی مفادات کے لئے۔

اگر آپ غور کریں تو صرف دو ازواج کی عمر 36 سال سے کم تھی باقی تمام ازواج کی عمر 36 اور 50 سال کے درمیان تھی۔ آپ مثال دے سکتے ہیں کہ ہر شادی کی کوئی نہ کوئی وجہ تھی۔

مثال کے طور پر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جو کہ بنو مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں جو کہ نہایت طاقتور قبیلہ تھا اور جو کہ اسلام کا دشمن تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب وہ اسلامی فوج سے مغلوب ہوئے تو بعد میں آپؐ نے ان سے شادی کر لی اور شادی کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے کہا کہ وہ نبی کے رشتہ داروں کو غلام کیسے رکھ سکتے ہیں۔ اور انہوں نے ان تمام لوگوں کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد دونوں قبائل میں دوستانہ مراسم ہو گئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہے جو کہ نجد کے قبیلے کے سربراہ کی بہن تھیں جس نے مسلمان وفد کے 70 بندوں کو قتل کیا تھا۔ جب آپؐ نے ان سے شادی کی تو انہوں نے مدینہ کو اپنا سربراہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ تمام شادیاں جو آپؐ نے کیں وہ معاشرتی اور سیاسی وجوہات کی وجہ سے تھیں۔ انہوں نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جو کہ مکہ کے

سردار ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ لیکن اس شادی نے فتح مکہ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی مثال اس کے علاوہ ہے جو ایک طاقتور یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ اس کے بعد یہود کے مسلمانوں سے دوستانہ مراسم ہوئے۔ اگر آپ دیکھیں تو تمام شادیوں کی کوئی نہ کوئی سیاسی وسماجی وجوہات تھیں۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تاکہ اپنے صحابہ میں قریبی تعلقات پیدا ہوں۔ سماجی تبدیلی کے لئے انہوں نے اپنی طلاق یافتہ چچا زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ لہٰذا ان کی تمام شادیاں معاشرے کی بہتری اور بہتر تعلقات کے لئے تھیں۔ یہ جنس کی تسکین کے لئے نہ تھیں۔ میرا خیال ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 345۔346)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام نکاح اللہ کے حکم پر ہوئے۔ ہر نکاح میں حکمتیں تھیں نہ کہ سیاسی مفادات۔ اگر ڈاکٹر صاحب علماء حق کے انداز میں یوں کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر شادی میں کوئی نہ کوئی حکمت تھی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ موجودہ معاشرے میں ہر شخص مفادات کی اصطلاح کا مطلب بخوبی سمجھتا ہے کہ وہ کس قدر بھیانک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو ڈاکٹر صاحب خود بھی مانتے ہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبی اور توہین کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کام اللہ کی رضا کے لیے ہوتے تھے نہ کہ دنیاوی مفادات کے لیے۔ ڈاکٹر صاحب اللہ سے توبہ کریں۔

ڈاکٹر صاحب کی جہالت دیکھئے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہودی سردار کی بیٹی بنا دیا حالانکہ یہودی سردار کی بیٹی ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا تھیں۔

ڈاکٹر صاحب کے بقول اس شادی کا مقصد یہود کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ اس نکاح کی حکمت یہ تھی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک سردار کی بیٹی تھیں۔ اور انہیں کسی صحابی کی غلامی میں رہنا پسند نہ تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے

انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔
اسی طرح بنو مصطلق کے جہاد میں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کو بطور باندی دے دی گئیں۔ چونکہ وہ ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں اس لئے انہوں نے خود باندی رہنا پسند نہ کیا اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد سے نو اوقیہ سونا کے عوض کتابت طے کر لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رقم دے کر انہیں آزاد کروا دیا اور بحکم خداوندی ان سے نکاح فرمالیا۔ اگر سیاسی مصلحت ہوتی تو وہ بطور باندی کیوں دی جاتیں۔
ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کے بچے بھی تھے۔ آپ نے انہیں پالا۔ ان سے کیا سیاسی مفاد تھا؟ اسی طرح حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے کیا سیاسی مفادات وابستہ تھے؟۔
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ تو فتح مکہ کے موقع پر داخل اسلام ہوئے۔ جبکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح فتح مکہ سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کا سیاسی مفاد کہنا بھی درست نہیں۔

☆ ولی نکاح باپ کیوں ہے؟

اس سے پہلے کسی صاحب (محمد اسلام غازی) نے پوچھا ہے کہ کیا ہم اپنی بچیوں کو اپنی مرضی سے شادی کی اجازت دیں؟ جس کے جواب میں جناب ڈاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ:
''میں آپ کو بتاتا ہوں کہ والدین Guidance دے سکتے ہیں۔ یقیناً وہ بیٹی کو شادی کے متعلق Guidance دے سکتے ہیں۔ وہ ان کو مجبور کر سکتے ہیں؟ اور آپ کیسے جانتے ہیں کہ والدین ہمیشہ صحیح ہی ہوں۔ لہٰذا یہاں اسلام والدین کو اپنے بچوں کی شادی سے متعلق Guide کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن زبردستی مجبور کرنے کی نہیں۔ لڑکی کو بھی آخر شوہر کے ساتھ رہنا ہوتا ہے، والدین کے ساتھ نہیں۔'' (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 1 صفحہ 366)
جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر ''اسلام میں عورتوں کے حقوق'' میں ایک سوال کہ

Islamic Personal Law کے تحت صرف باپ ہی اپنی اولاد کا ولی کیوں ہے؟ کے جواب میں کہتے ہیں:

"بہن نے پوچھا ہے اسلامی قانون کے مطابق باپ ہی کو نیچرل گارڈین کا حق حاصل ہے۔ یہ غلط ہے۔ بہن! اسلامی شریعت کے مطابق اگر بچہ اپنی ابتدائی نشوونما میں زیادہ سے زیادہ سات سال تک اگر وہ اس سے کم ہے تو گارڈین شپ (حفاظت کی ذمہ داری) کا حق ماں کو جاتا ہے کیونکہ ماں کی ذمہ داری باپ سے زیادہ ہے شروع کی (Stages) میں۔ اس کے بعد باپ گارڈین ہوتا ہے۔ اور جب وہ میچور ہو جائے تو یہ بچہ کی اپنی آزادانہ مرضی ہوگی کہ وہ جس کے ساتھ مرضی رہے۔ لیکن اس دوران اسلام کہتا ہے کہ بلا تخصیص اس کے کہ بچہ باپ کے ساتھ ہے یا ماں کے ساتھ اس کو دونوں سے ملنے کی اجازت ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 1 صفحہ 367)

☆ سائلہ یہ پوچھنا چاہتی ہے کہ ولایت نکاح صرف باپ کے لیے کیوں ہے؟۔ اور ڈاکٹر صاحب جواب میں حضانت کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ سائلہ کے سوال اور ان کے جواب میں تو وہی نسبت ہوئی جو مشہور ضرب المثل میں بیان کی گئی ہے کہ سوال گندم جواب چنا۔

اسلام میں ولایت نکاح پہلے باپ کو پھر دادا۔ پردادا۔ حقیقی بھائی۔ سوتیلا بھائی۔ بھتیجا۔ چچا۔ کو حاصل ہے۔ اگر دھدیال میں کوئی نہ ہو تو اس کے بعد ماں ولی ہے پھر دادی۔ نانی۔ پرنانی۔ حقیقی بہن۔ سوتیلی بہن۔ پھر ماموں۔ پھر خالہ علی الترتیب ولی ہوں گے۔ (عالمگیری جلد ا صفحہ ۲۸۳)

ماں تک یہ ولایت نکاح دیگر ولیوں کے ہوتے ہوئے نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ ہی عموماً ایسا ہوتا ہے کہ دھدیال میں کوئی ولی بھی باقی نہ رہے۔ وگر کبھی ایسا ہوگا تو ماں کی بھی باری آجائے گی۔

☆ اب ہم ولایت نکاح کے بارے میں کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

ولایت نکاح کے بارے میں علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں۔ واما النظر فی الصفات الموجبة للولاية والسالبة لها فانهم اتفقوا على ان من شرط الولاية الاسلام والبلوغ

والذکوریۃ.....(بدایۃالمجتہد۔جلد۲۔صفحہ۹) ولایت کوواجب یاسلب کرنے والی صفات کے سلسلے میں علماء کااتفاق ہے کہ ولایت کی صحت کے لئے تین شرطیں ہیں۔مسلمان ہونا۔بالغ ہونا۔اورمذکرہونا۔

امام ابومحمد عبداللہ بن احمدالمعروف ابن قدامہؒ المغنی میں لکھتے ہیں۔ الذکوریۃ شرط للولایۃفی قول الجمیع.....(المغنی۔جلد۶۔صفحہ۴۶۵) ولایت کے لئے مرد ہونا تمام علماء کے قول کے مطابق شرط ہے۔

پس عورت ولایت نکاح کی اہل نہیں اور یہ اہل علم کامتفقہ موقف ہے۔نیز جو ولی نہ بن سکے وہ ولی کی وکالت(نیابت) بھی نہیں کرسکتا۔ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں۔ومن لم تثبت لہ الولایۃلم یصح توکیلہ لان وکیلہ نائب عنہ وقائم مقامہ۔(المغنی۔جلد۶۔صفحہ۴۶۷) جس کے لئے ولایت ثابت نہ ہواسے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ ولی کا وکیل اس کانائب اورقائم مقام ہوتا ہے۔

چنانچہ عورت نہ ولی بن سکتی ہے اورنہ ولی کی وکالت کرسکتی ہے نہ ہی وہ نکاح نہیں پڑھاسکتی۔کیونکہ نکاح میں دراصل ایجاب ہوتاہے جو ولی یااس کاوکیل ہی کرسکتاہے اورعورت میں ان دونوں (ولایت اوروکالت) کی اہلیت نہیں۔

اگرکوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنانکاح غیرکفو میں بغیراجازت ولی کرے تو ولی کواعتراض کاحق حاصل ہے۔اسی طرح اگرباپ داداکے علاوہ کوئی دوسراولی نابالغہ لڑکی کانکاح غیرکفو میں کردے تو وہ شرعاً باطل وناقابل اعتبارہے۔البتہ اگرباپ یاداداغیرکفو میں اپنی نابالغہ لڑکی کانکاح کردیں تو وہ جائزو صحیح اورلازم ہوجائے گا۔کیونکہ باپ اورداداکی شفقت وعنایت کاتقاضا یہی ہے کہ انہوں نے اگر کفوکی رعایت نہیں کی تو لڑکی کے کسی فائدہ کی غرض سے نہیں کی ہوگی۔بے پرواہی یالڑکی کی بدخواہی اس کاسبب نہ ہوگا۔بخلاف دوسرے کسی ولی کے کہ وہاں بے پرواہی وبدخواہی کابھی احتمال ہے۔اور اگرلڑکی عاقلہ بالغہ ہے اوروہ غیرکفو میں نکاح کرنے پرخودبھی راضی ہواوراس کاولی بھی راضی ہوجائے تو یہ نکاح صحیح اورجائزہے۔گوآئندہ مصالح کے اعتبارسے نامناسب ہے۔

☆ تعدد ازواج

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"یہ مرد کے لئے لازمی نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی سے دوسری شادی کے لئے اجازت لے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ "صرف ایک صورت میں مرد ایک سے زیادہ بیویاں کرسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ انصاف کرے بیویوں کے درمیان۔"

لیکن یہ بہتر ہے۔ اگر وہ اجازت لیتا ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ وہ پہلی بیوی کو بتائے کہ وہ دوسری شادی کرنے جا رہا ہے۔ کیونکہ اسلام کہتا ہے "اگر تمہاری ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو تمہیں انصاف کرنا ہوگا۔" اور اگر پہلی بیوی اجازت دے دیتی ہے تو قدرتی طور پر دونوں بیویوں اور شوہر کے درمیان زیادہ مخلص تعلقات فروغ پائیں گے۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے ماسوائے ایک صورت کے۔ اگر عورت اپنے نکاح نامے میں یہ واضح کرتی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تم دوسری شادی نہیں کرسکتے تب یہ شوہر کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ شادی کرنے سے پہلے اجازت لے۔ دوسری صورت میں یہ لازم نہیں لیکن بہتر ہے۔

(بحوالہ خطبات ڈاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 364-365)

☆ ڈاکٹر صاحب کو اپنے زور بیان میں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا بے پرکی ہانک رہے ہیں۔ پہلے کہتے ہیں کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ پھر آگے کہتے ہیں کہ اس کا فرض ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اطلاع دے۔

اگر اجازت لینا فرض نہیں تو اطلاع دینا کیوں فرض ہے؟۔

ڈاکر نائیک صاحب اپنے بڑوں کی طرف نظر دوڑائیں۔ غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان کی کتاب ظفر اللاضی صفحہ ۱۴۱۔۱۴۲ پر لکھا ہے کہ مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔ اس کی حد نہیں کہ چار ہی ہوں۔ نور الحسن خان غیر مقلد نے عرف الجادی صفحہ ۱۱۵ پر علامہ شوکانی

کی تقلید میں اسی کی تائید کی ہے۔

غیر مقلدین نے تو چار کی حد بھی ختم کر دی۔ یہ کس صحیح حدیث کے تحت فرمارہے ہیں۔ نیز کیا بخاری ومسلم میں اس کی تائید موجود ہے۔ قرآن کی نص کے بعد غیر مقلدین کا یہ فرمان کس زمرہ میں آتا ہے۔ خود ہی فیصلہ کیجئے۔

رئیس فرقہ لامذہبیہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ماہانہ جریدہ اشاعت السنہ کے صفحہ ۵۳ جلد ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب۔ جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وفجور اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔

☆ بچہ گود لینا۔ لے پالک

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" میں بچہ گود لینے کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"آپ ایسی صورت حال سے بھی دوچار ہو سکتے ہیں کہ شادی کے کئی سال بعد بھی آپ کے گھر اولاد نہ ہو اور شوہر اور بیوی دونوں کو اولاد کی شدت سے چاہ ہو۔ عورت خوشی سے اپنے شوہر کو اجازت دے سکتی ہے کہ وہ دوسری شادی کرے۔ اور اس طرح ان کے گھر اولاد ہو جائے۔ بہت سے لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ وہ ایک بچہ کیوں (Adopt۔ لے پالک۔ گود) نہیں کر لیتے۔ اسلام (Adoption۔ گود لینے) کی اجازت نہیں دیتا۔ جس کی کچھ وجوہات ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہوں گا۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 321)

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے سوالات اور جوابات میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ کیا اسلام میں بچہ گود لینا جائز ہے؟ اگر گود لینے سے مراد جوان بچہ لینا ہے، ایک غریب بچہ اور اس کا کھانا پینا، تعلیم، کپڑے وغیرہ، اس کو گھر لاتے ہیں، تو اسلام نے ہمیشہ زور دیا قرآن میں کہ تم غریبوں کی مدد کرو۔ ضرورت مندوں کی مدد کرو۔ آپ بچہ کو گھر میں لا سکتے ہیں اور آپ اس کو باپ کی شفقت دیتے ہیں۔ اسلام کس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ آپ اس کو قانونی طور پر گود نہیں لے سکتے۔ آپ بچے کو اپنا نام نہیں دے سکتے۔ قانونی طور پر بچہ گود لینا اسلام میں منع ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اگر کوئی شخص قانونی طور پر بچہ گود لیتا ہے تو وہاں کچھ پیچیدگیاں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ بچہ لڑکا یا لڑکی اپنی شناخت سے محروم ہو جائے گا۔ دوسرا یہ کہ فرض کریں آپ نے بچہ گود لے لیا ہے اور آپ کے اپنے بچے نہیں ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے گھر ساری عمر نہیں ہوں گے اور اگر آپ کے اپنے بچے ہو جاتے ہیں تو آپ کا جھکاؤ اپنی اولاد کی طرف زیادہ ہوگا اس گود لئے بچے کی بہ نسبت۔

تیسرا یہ کہ وہ بچہ گھر میں آزادی سے نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مخالف جنس والا ہے کیونکہ وہ بچے آپس میں سگے بہن بھائی نہ ہوں گے۔ اگر گود لیا گیا بچہ لڑکی ہے تو بڑا ہونے کے بعد اسے حجاب کرنا ہوگا باپ سے کیونکہ وہ اس کا سگا باپ نہیں ہے۔ اگر گود لیا بچہ لڑکا ہے تو بڑا ہو کر مرد بنے گا تو اس کی شادی کے بعد اس کے منہ بولے باپ سے بہو کو حجاب کرنا ہوگا۔ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ اور اگر آپ بچہ گود لیتے ہیں تو آپ اپنے رشتہ داروں کے چند حقوق سے غفلت برتنا شروع کر دیں گے۔ لہٰذا ان پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے قانونی طور پر بچہ گود لینے کی اسلام میں ممانعت ہے۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 347-348)

☆جوان بچہ ڈاکٹر صاحب کی جدید اصطلاح ہے۔ جوان کو کوئی بچہ نہیں کہتا۔ اور بچے کو کوئی جوان نہیں کہتا۔ یہ دونوں الفاظ متضاد ہیں۔ گود لینا تو محاورہ بھی ہے۔ جس کے پاس اولاد نہ ہو وہی گود لیتا ہے۔ کسی غریب کے بچوں کو پالنے کے لیے کوئی گود نہیں لیتا۔ اگر پرورش میں لینا بھی ہو تو بھی جوان کو کون گود لیتا ہے۔ جو خود کھا کما سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی جہالت ملاحظہ فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل حضرت زید بن حارثہ کو متبنٰی بنانا موجود ہے۔اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔حالانکہ قرآن وحدیث سے ممانعت کا کوئی ایک حوالہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔باقی رہا کہ وہ اپنی شناخت سے محروم ہوجائے گا۔اسلام تو متبنٰی کی ولدیت بدلنے کا کہتا ہی نہیں اور دنیا بھی جانتی ہے کہ یہ دوسرے کا بچہ ہے۔اور انہوں نے لے پالک رکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ایسے عوامل ہیں جو کسی کے ساتھ ممکن ہے پیش آئیں اور کسی کے ساتھ نہ آئیں۔اور جواز وعدم جواز کا دارومدار ان پر نہیں ہے۔

باقی رہی ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ ہوسکتا ہے بعد میں ان کے ہاں اولاد ہوجائے۔یہ بھی درست نہیں کیونکہ زیادہ تر وہ لوگ بچہ گود (Adopt) لیتے ہیں جن کے ہاں اولاد ہونے کی امید نہیں ہوتی۔اور محبت میں کمی بھی گود لینے (Adoption) کی ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس قسم کے واقعات ہماری زندگی میں اکثر پائے جاتے ہیں لیکن اس کی بنیاد پر کسی معاملہ کو ممنوع نہیں قرار دے سکتے۔جیسا کہ آج کل ساس اور بہو کی لڑائی جو تقریباً اکثر گھروں میں ہوتی ہے اور اس کی بنا پر نہ صرف گھر کی فضاء متاثر ہوتی ہے بلکہ طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔لیکن ان تمام مفاسد کے باوجود خواتین بیٹوں کی شادیاں کرتی ہیں۔

اور قانون بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔اور شرع میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

☆ طلاق ثلاثہ

جناب ذاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے سوالات وجوابات میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر مرد طلاق دے سکتا ہے تو کیا عورت بھی طلاق دے سکتی ہے؟ عورت طلاق نہیں دے سکتی۔کیونکہ طلاق عربی کا لفظ ہے اور جبھی استعمال ہوتا ہے جب کوئی مرد اسے عورت کے لئے بولتا ہے۔لیکن عورت طلاق دے سکتی ہے۔

اسلام میں پانچ قسم کی طلاق ہے۔ پہلی قسم بالرضا ہے۔ جو کہ شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتی ہے اور دونوں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے درمیان ہم آہنگی نہیں لہٰذا جدا ہو جاتے ہیں۔ [دوسری قسم یک طرفہ مرضی پر ہے جو کہ طلاق کہلاتی ہے۔ جس میں کہ اسے حق مہر ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس نے ادا نہیں کیا ہو تو اسے کرنا پڑے گا۔ تحائف سمیت جو کہ اس نے دیئے ہوئے ہے۔ تیسری قسم بیوی کی یک طرفہ مرضی پر ہے۔ اگر وہ اپنے نکاح نامے میں اس کا ذکر کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے نکاح نامے میں (Mention) کرتی ہے کہ اسے طلاق دینے کا حق ہے تو وہ اسے دے سکتی ہے۔ یہ "اسما" کے طور پر جانا جاتا ہے۔ میں نے آج تک کسی کو اسما کے متعلق بولتے نہیں سنا۔ یہ اسما کہلاتا ہے یعنی کہ عورت طلاق دے سکتی ہے۔ چوتھی قسم یہ کہ اگر شوہر اسے مارتا پیٹتا ہے یا مساوی حقوق نہیں دیتا تو اسے یہ اختیار ہے کہ وہ قاضی کے پاس جائے جو کہ نکاح کو فسخ کر دے۔ یہ نکاح فسخ کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق قاضی شوہر کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ اسے پورا حق مہر دینے کا پابند ہے یا مہر کا کچھ حصہ۔ یہ قاضی پر منحصر ہے۔ اور آخری قسم خلع کی ہے۔ اگر شوہر بہت اچھا بھی ہے اور بیوی کو اس کے خلاف کوئی شکایت بھی نہیں لیکن اپنی ذاتی وجوہات کی بناء پر وہ شوہر کو پسند نہیں کرتی تو وہ شوہر سے درخواست کر سکتی ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے۔ اور یہ خلع کہلاتا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ عورت کے طلاق دینے کے متعلق بات کرتے ہیں۔ علماء نے طلاق کی پانچ اقسام رکھی ہیں۔ کچھ اسے دو اور تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں لیکن عام طریقہ عمل پانچ طلاق کی قسموں والا بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔" (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 360)

ڈاکٹر ذاکر نائیک ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں طلاق ایک ہے تین طلاق کے لیے اتنی شرائط ہیں جن کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ سعودیہ کے تین سو فتوے موجود ہیں۔ اس لیے طلاق ایک ہے۔ آج کے حالات کے مطابق میرے نزدیک ایک ہونی چاہیے۔

☆ اگر آج کے حالات سے مراد کثرت طلاق سے بچنا مقصود ہے تو ڈاکٹر صاحب کو ایک طلاق کا بھی انکار کر دینا چاہیے۔ رہا ان کا سعودیہ کے تین سو فتووں کا دعویٰ تو ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے

یہاں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اس کی حقیقت سعودیہ کے نظریاتی کونسل کے تفصیلی فتوی میں ملاحظہ کرلی جائے :

☆ طلاق کی عجیب وغریب اصطلاحات

ڈاکٹر صاحب پر عجیب سودائی کی سی کیفیت طاری ہے۔ پہلے فرماتے ہیں کہ عورت طلاق نہیں دے سکتی پھر فرماتے ہیں کہ عورت طلاق دے سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے طلاق کی جو قسمیں گھڑی ہیں ان کا القاء یا الہام صرف ڈاکٹر صاحب کو ہی ہوا ہے۔ قرآن وحدیث اور کسی فقہ کی کتاب میں یہ قسمیں نہیں ملتیں۔ مثلاً بالرضا اور اسما۔ اور نکاح فسخ کی اصطلاح پر تو ڈاکٹر صاحب کی جہالت پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اول تو لفظ ہی سے ظاہر ہے کہ یہ نکاح کی قسم ہوگی نہ کہ طلاق کی۔ علاوہ ازیں یہ نکاح کی بھی کوئی قسم نہیں۔ نکاح موقت وغیرہ کا تو سب کو معلوم ہے۔ لیکن نکاح فسخ شاید اکیسویں صدی کی ایجادات میں سے ایک ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے ''اسما'' نام کی اصطلاح ذکر کی ہے۔ جس کو ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا گیا۔ موصوف دین میں اصلاحات کے داعی تو ہیں۔ اب شاید دین کی اصطلاحات کی بھی اصلاح فرمانی شروع کردی ہے۔

☆ تین طلاق پر درست موقف

ہم قارئین کی خدمت میں صحیح موقف تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

شادی ہونے کے بعد کبھی طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عموماً تین طلاقیں ہی دی جاتی ہیں اور پھر غلط بیانی کرکے غلط فتوے حاصل کیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً عمر بھر کے لئے حرام کاری میں مبتلا رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم تو اس طرح روزانہ کہتے رہتے ہیں۔ گویا یہ لوگ مستقل اس گناہ میں مبتلا ہیں۔ بعض ہمدرد کہتے ہیں کہ لڑکی کو بھیج دو۔ گناہ کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کبھی اس قسم کی بات برادری کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو کوئی برادری، کوئی فرد کوئی مصالحتی عدالت یا کوئی

پارلیمنٹ حلال نہیں کر سکتی۔ تقریر وتحریر میں طلاق کا مسئلہ شدید ضرورت کے باوجود بیان نہیں ہوتا۔ عوام خود تو ان مسائل کے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے عوام اور بعض دین دار گھرانوں میں تین طلاق کے واقعات پیش آنے کے باوجود انہیں ہضم کر لیا جاتا ہے۔ اور شرعی احکام پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا۔

یاد رہے کہ عورت کی طرف سے قبول طلاق ضروری نہیں۔ مرد کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اسے عورت قبول کرے یا نہ کرے۔ طلاق نامہ وصول کیا جائے یا واپس کر دیا جائے۔ (کذافی ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۴۶۵)

بہت سے جہلا، تحریری طلاق کو طلاق سمجھتے ہیں اور زبانی طلاق کو طلاق تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل طلاق زبانی ہی ہے۔ تحریری طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہے۔ (ردالمحتار)۔

طلاق عموماً غصے میں ہی دی جاتی ہے۔ اس لئے غصہ، زبردستی یا کسی کے ڈرانے دھمکانے سے زبانی طلاق دے دی تو بھی طلاق ہو جاتی ہے۔

طلاق نامہ لکھ کر اگر پھاڑ دے تب بھی وہی طلاق واقع ہوگی جو لکھی گئی تھی۔ (ردالمحتار)

قصداً طلاق دی جائے یا ہنسی مذاق میں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (کذافی الہندیہ جلد اول صفحہ ۳۵۳)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں تو وہ فرماتے کہ اگر ایک یا دو طلاق دی ہو تو پھر وہ حلال ہو سکتی ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا حکم دیا تھا۔ پس اگر تین طلاقیں دی ہوں تو پھر حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۹۲)

حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی تین طلاق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کر دیا تھا۔ (ابوداؤد جلد اول صفحہ ۳۰۵۔ نسائی جلد ۲ صفحہ ۸۳)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے خاوند ابو عمرو بن حفص مخزومی

نے مجھے تین طلاق دیں جب کہ وہ یمن جا رہے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ کر دیا (ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۱۴۷۔ نسائی جلد دوم صفحہ ۸۳۔ ابوداؤد جلد اول صفحہ ۳۱۹)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس بات ذکر کی گئی کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا مکروہ ہے فرمایا حضرت حفص بن عمرو بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ایک کلمہ سے تین طلاق دی تھیں۔ ہمیں اس کی خبر نہیں ملی کہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو۔ (سنن دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ بھی تین طلاق کے واقع ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تم کو دوسروں کی جانب سے کیا جواب دیا گیا؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ جواب ملا کہ وہ عورت مجھ سے بائنہ ہوگئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ سچ کہتے ہیں (موطا امام مالکؒ جلد اول صفحہ ۵۱۱۔ فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۳۳۰) عن مطرف عن الحکم عن ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ قالا فی رجل طلق امرأته ثلثا قبل ان یدخل بھا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶ ۔ ۵ صفحہ ۲۲۔ ۲۱) یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ تین کو نافذ کرتے تھے۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو یک بارگی تین طلاق دے آیا ہوں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ چپ رہے۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دے دیں گے۔ پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے ابن عباس! اے ابن عباس۔ بے شک خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا۔ اس لئے تیرے واسطے کوئی خلاصی نہیں ہے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی ہے۔ اس کے بعد امام ابوداؤد نے بیان فرمایا کہ ان حضرات نے متفقہ طور پر ابن عباسؓ سے

نقل کیا ہے کہ انہوں نے تین طلاق کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد جلد اول صفحہ ۲۹۹۔ فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۳۰۔ بدائع الصنائع ج ۳ صفحہ ۹۶۔ طحاوی ج ۳ صفحہ ۳۱۔ دار قطنی ج ۳۔ ۵ صفحہ ۱۵۱۔ ۳۰۔ ۷ سنن بیہقی ج ۷ صفحہ ۳۳۱۔)

حدثنا ابراهيم بن مرزوق الى آخر السند عن مالك بن الحارث قال جاء رجل الى ابن عباس فقال ان عمى طلق امرأته ثلثاً فقال ان عمك عصى الله فاثمه الله واطاع الشيطن فلم يجعل له مخرجاً (طحاوی ج ۲ صفحہ ۱۳۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵۔ صفحہ ۱۱۔ فتح القدیر ج ۳ صفحہ ۳۳۲۔ اغاثۃ اللهفان ج ۱ صفحہ ۱۲۹)۔ ایک آدمی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی عورت کو دفعتاً تین طلاق دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی۔ اور آپ نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تین سے وہ بائنہ ہو گئی اور ستانوے کا اللہ تعالیٰ تجھ سے قیامت کے دن حساب لیں گے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۵ صفحہ ۱۴ الطحاوی ج ۲ صفحہ ۳۷)

☆ سعودیہ کی سپریم کونسل کا فتویٰ

حکومت سعودیہ مجلس البحوث العلمیہ نے ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں تقریباً ۲۷ تفاسیر اور احادیث کی کتب کے حوالوں کو ذکر کر کے یہ فیصلہ دیا کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاق بھی تین ہی ہیں۔ اس مجلس میں اس وقت یہ حضرات موجود تھے۔ الشیخ عبد العزیز بن باز۔ الشیخ عبداللہ بن حمید۔ الشیخ محمد الامین الشنقیطی۔ الشیخ سلیمان بن عبید۔ الشیخ عبداللہ خیاط۔ الشیخ محمد الحرکان۔ الشیخ ابراہیم محمد آل الشیخ۔ الشیخ عبد الرزاق عفیفی۔ الشیخ عبد العزیز بن صالح۔ الشیخ صالح بن غصون۔ الشیخ محمد بن جبیر۔ الشیخ عبد المجید حسن۔ الشیخ راشد بن حنین۔ الشیخ صالح بن الحیدان۔ الشیخ مخضار عقیل۔ الشیخ عبداللہ بن غدیان۔ الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع اور دیگر علماء کرام۔ (بحوالہ خیر الفتاویٰ)

اب ہم ڈاکر نائیک صاحب اور غیر مقلدین کی طرف آتے ہیں۔ جنہیں احادیث صحابہ

اور تابعین کے آثار۔ ائمہ اربعہ کے اقوال اور جید علماء کرام کے فتاویٰ مطمئن نہ کر سکیں تو عقل کا ماتم ہی کرنا چاہیے۔

☆ غیر مقلدین کا تین طلاق کو ایک کہنے کا بڑا استدلال مسلم جلد اول صفحہ ۴۷۷ کی حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے۔

☆ یہ روایت سند اور متن کے لحاظ سے مضطرب ہے۔ لہذا مضطرب روایت کا صحیح احادیث کے مقابلہ میں اعتبار نہ ہوگا۔ جبکہ وہ خود راوی کے فتویٰ کے خلاف ہو۔ (جو اوپر ذکر ہو چکا ہے)

☆ یہ حدیث منکر اور شاذ ہے۔ جیسا کہ ابن رجبؒ نے اپنی کتاب مشکل الاحادیث الواردۃ فی ان الطلاق الثلاث واحدۃ میں امام احمدؒ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

☆ یہ روایت خلاف اجماع ہے۔

یہ جواب سعودیہ کی سپریم کونسل جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے الطلاق الثلاث صفحہ ۹۷ تا ۱۲۵ میں لکھے ہیں۔

غیر مقلدین کے اپنے امام علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ نہ تو قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور نہ فعل فلا حجۃ فیہ (المحلیٰ ابن حزم ج ۱۰ صفحہ ۱۶۸)

اگر یہ تقریر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

اب رہا غیر مقلدین کا دوسرا دعویٰ حضرت رکانہؓ کے طلاق کا واقعہ۔ سعودیہ کی سپریم کونسل کے علماء نے اس کے بھی بخئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ انہوں نے الطلاق الثلاث صفحہ ۱۴۹ پر لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے "بتہ" والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اول تو اس لیے کہ یہ روایت حضرت رکانہؓ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ وھو اعلم بہ۔

دوسرے اس لئے کہ "طلق ثلثا" والی روایات مضطرب ہیں۔ جبکہ طلاق بتہ والی روایت اضطراب سے خالی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاق نہ دی تھیں بلکہ طلاق بتہ دی تھی۔

طلاق بتہ میں تین کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہے اور ایک کا بھی۔

شرح نووی علی صحیح مسلم ج اول صفحہ ۴۷۸ پر لکھا ہے کہ طلاق ثلاثہ والی روایت ضعیف ہے۔ نیز محدثین کے نزدیک اس میں محمد بن اسحاق اور اس کا شیخ مختلف فیہ ہیں۔ ابوداؤد اور علامہ ذہبی نے عکرمہ پر جرح کی ہے (میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۸) چنانچہ متکلم فیہ رواۃ کی سند کا احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں اعتبار نہ ہوگا۔ نیز یہ حدیث راوی (ابن عباسؓ) کے فتویٰ کے خلاف ہے۔ راوی کا خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کے ضعف کی دلیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہؓ کو قسمیں دے کر بار بار پوچھنا اس پر دال ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اگر تین کی نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہو جاتیں۔ ورنہ اس سے قسم لینے کے کوئی معنی نہیں۔

جو جہلاء بعض حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعین عظام اور علماء ربانیین کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہیں۔ اس کا جواب سعودی سپریم کونسل نے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے الطلاق الثلاث صفحہ ۱۲۵ پر بحوالہ تہذیب السنن دیا ہے کہ: و قال ابن العربی فی کتابہ الناسخ و المنسوخ و نقلہ عنہ ابن القیم فی تھذیب السنن قال تعالیٰ الطلاق مرتان زل قوم فی آخر الزمان فقالوا ان الطلاق الثلاث فی کلمۃ واحدۃ لا یلزم و جعلوہ واحدۃ و نسبوہ الی السلف الاول فحکوہ عن علیؓ والزبیرؓ و عبد الرحمنؓ بن عوف و ابن مسعودؓ ا ابن عباسؓ و عزوہ الی الحجاج بن ارطاۃ الضعیف المنزلۃ و ا لمغموز المرتبۃ وروا فی ذلک حدیثا لیس لہ اصل۔ الی ان قال وما نسبوہ الی الصحابۃ کذب بحت لا اصل لہ فی کتاب ولا روایۃ لہ احد الی ان قال واما حدیث الحجاج بن ارطاۃ فغیر مقبول فی الملۃ ولا عند احد من الائمۃ۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا جھوٹ ہے اور کسی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور نہ ہی اس قسم کی کوئی روایت ان حضرات سے مروی ہے۔ اور حضرت علی۔ حضرت ابن مسعود۔ حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہم سے تو صراحتاً صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کے آثار سے ثابت ہے اور جن تابعین کرامؒ کی طرف تین طلاق دینے سے ایک واقع ہونے کا قول منسوب ہے وہ بھی کسی اصل اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ غیر مقلدین حضرات ابوالشعثاء۔ طاوس اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ کی طرف ایک قول کی نسبت کرتے ہیں۔ لیکن یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ وھو مذھبنا فلا اختلاف۔

مغنی ابن قدامہ میں صراحت موجود ہے کہ یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے اور غیر مدخولہ کو اگر جدا جدا تین طلاقیں دی جائیں تو ہمارے نزدیک بھی ایک ہی سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے باقی دو اس پر واقع نہیں ہوتیں۔

☆ تین طلاق کے بعد بیوی سے تعلق

تین طلاق دینے کے بعد دوبارہ اپنی بیوی سے تعلق رکھنے پر امام زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے سفر میں اپنی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور وطن واپس آ کر اس نے اپنی بیوی سے وطی کی۔ اور گواہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سامنے تین طلاق دے چکا ہے تو امام زہریؒ اور قتادہؒ نے کہا کہ اگر شوہر یہ حلف اٹھائے کہ ان دونوں نے مجھ پر جھوٹی گواہی دی ہے تب تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور مرد اور عورت میں علیحدگی کر دی جائے گی اور اگر مرد نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا
(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۳۳۹)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو طلقھا ثلاثا ثم راجعھا ثم وطئھا بعد مضی المدۃ یحد اجماعا۔ یعنی اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دیں پھر رجوع کر لیا اور عدت گزرنے کے بعد مطلقہ سے جماع کیا تو اس پر بالاجماع حد زنا جاری ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

اب تین طلاق کو ایک بنا کر رجعت کا فتویٰ دینے والوں کے بارے میں امام زہریؒ کا حکم بھی ملاحظہ فرمالیں۔ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں پھر کسی نے فتویٰ دیا کہ رجوع کر لو۔ اس

بناء پر اس نے مطلقہ سے وطی کر لی تو جس نے فتویٰ دیا ہے اس کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اور مرد و عورت کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۳۴۰)

غیر مقلدین کے امام علامہ ابن حزم نے بھی اس مسئلہ پر غیر مقلدین سے اختلاف کیا ہے۔

ان کے نزدیک بھی ایک مجلس کی تین طلاق تین ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بہ نیت تحلیل، نکاح کرنا بھی صحیح ہے۔ حتی ان اشترط ذلک علیہ قبل العقد فھو لغو من القول ولم ینعقد النکاح الا صحیحا بریئا من کل شرط (المحلی ابن حزم ج ۱۰ صفحہ ۱۸۳)

☆ انسانی مصنوعی تخم ریزی

ایک پروگرام "گفتگو" میں ڈاکٹر عالیہ کے سوال کیا انسانی مصنوعی نسل کشی کی اجازت ہے؟ کے جواب میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے لیے اجازت ہے دیگر کے لیے نہیں۔

☆ ہم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے مبہم جواب میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کا مختصر اور جامع جواب احسن الفتاویٰ سے نقل کر رہے ہیں۔ امید ہے طالبان حق کے لیے کافی ہوگا۔

"عورت کی شرمگاہ یا رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جو جسمانی تکلیف و اذیت کا باعث ہو تو اس کا علاج طبیبہ (لیڈی ڈاکٹر) سے کروانا جائز ہے لیکن حصول اولاد کے طریقہ میں کسی ایسے مرض کا علاج نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے کسی جسمانی تکلیف میں ابتلاء ہو۔ یہ دفع مضرت بدنیہ نہیں بلکہ جلب منفعت ہے۔ اس لیے یہ عمل لیڈی ڈاکٹر سے بھی کروانا جائز نہیں۔ مرد ڈاکٹر سے کروانا انتہائی بے دینی کے علاوہ ایسی بے غیرتی و بے شرمی بھی ہے جس کے تصور سے بھی انسانیت کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے جو اولاد حاصل کی گئی وہ وبال ہی بنے گی۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوھرۃ: اذا کان المرض فی سائر بدنھا غیر الفرج یجوز النظر الیہ عند الدواء لانہ موضع ضرورۃ وان کان فی موضع الفرج فینبغی ان یعلم امرأۃ تداویھا فان لم توجد و خافو علیھا ان تھلک او یصیبھا وجع لا تحتملہ یستر منھا کل شیء الا موضع العلۃ ثم یداویھا الرجل و یغض بصرہ ما

استطاع الا عن موضع الحرج ......اھ...... فتأمل و الظاهر ان ينبغي هنا للوجوب (ردالمحتار جلد۵صفحہ ۲۷۴)

بعض متقیان نے مصنوعی تخم ریزی (Artificial Incemination) کو کچھ شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے۔ان کے نزدیک جس طرح بوجہ طبی ضرورت عقم (Infertility) کے لئے لیڈی ڈاکٹر سے علاج کی گنجائش ہے اسی طرح اس میں بھی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ مادہ منویہ (Sprums) اس کے خاوند سے حاصل کیا گیا ہو۔

☆ کیکڑے ویکڑے

ٹی وی پروگرام ''گفتگو'' میں ایک سوال کہ کون سی مچھلی حلال ہے اور کون سی حرام؟ کا جواب دیتے ہوئے ڈاکر نائیک صاحب کہتے ہیں سمندر کی ہر چیز ماسوائے زہریلی کے حلال ہے۔ سب مچھلیاں، کیکڑے ویکڑے سب حلال ہیں۔

☆ڈاکٹر ڈاکر نائیک صاحب کے اس غلط اور نامکمل جواب کی تفصیل ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کے سوا کوئی دریائی جانور حلال نہیں اور مچھلی کی تمام قسمیں حلال ہیں۔ ماہرین حیوانات نے مچھلی کے لئے تین شرائط کا ہونا لازم قرار دیا ہے۔

۱۔ ریڑھ کی ہڈی ۲۔ سانس لینے کے گلپھڑے ۳۔ تیرنے کے لئے پنکھے (پر۔ بازو)

ہر شخص جانتا ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی کیکڑے میں نہیں پائی جاتی۔ یہ کیڑوں میں داخل ہے نہ کہ مچھلی کی جنس ہے۔ اس لئے کہ اتحاد جنس کے لیے اعضاء ظاہرہ و باطنہ میں تشابہ اور خواص و آثار میں اتحاد ضروری ہے۔ اگر کسی کو کل اعضاء و خواص میں تشابہ و اتحاد کے قول میں اشکال ہو تو چند اعضاء و خواص میں تشابہ و اتحاد تو لازم ہے۔ مگر یہاں کیکڑے اور مچھلی میں کسی ایک عضو اور کسی ایک خاصیت میں بھی تشابہ و اتحاد نہیں۔ لفظ سمک اور ماہی ہر سمندری جانور پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے کیکڑے کو مچھلی کی جنس میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ و فی المنجد صفحہ ۳۵۱ السمك الحيوان

من خلق الماء ای المخلوق فیہ۔ اس طرح ''مائی'' ماء بمعنی ماء کی طرف منسوب ہے یعنی پانی کی مخلوق۔ یہ پانی کے ہر جانور کو شامل ہے و فی لسان العرب جلد ۱۳ صفحہ ۵۴۳۔ و اصل الماء ماہ۔ والواحدۃ ماھۃ و ماوۃ۔ اور کیکڑے اور جھینگے وغیرہ کو احناف کسی صورت مچھلی تصور کرنے پر تیار نہیں۔ بلکہ ان کو ایسا کریہہ المنظر کیڑا سمجھتے ہیں کہ اس کے تصور ہی سے ان پر غثیان طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے سلیم الطبع لوگ اس کو حکم قرآنی '' و یحرم علیھم الخبائث '' میں داخل سمجھتے ہیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احسن الفتاوی جلد ۷ صفحہ ۳۹۴)

لیکن ڈاکر نائیک صاحب فرماتے ہیں '' کیکڑے ویکڑے سب حلال ہے '' یعنی ہر طرح کے سمندری کیڑے اور حشرات بھی حلال ہیں۔ قید صرف یہی لگائی ہے کہ زہریلے نہ ہوں۔ اس شرط کے ساتھ سمندر کی ہر چیز حلال کر دی ہے۔ چین۔ کوریا وغیرہ کے لوگ سانپوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور انہیں یہ سمندر سے بھی حاصل کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ ان کا زہر دانتوں کے ساتھ زہر کی تھیلیوں میں ہوتا ہے، وہ اس کی گردن کو کاٹ کر باقی استعمال کرتے ہیں۔ اور بظاہر اس میں زہر نہیں ہوتا۔ تو کیا اس طرح سانپ کھانا بھی حلال ہو جائے گا؟۔

☆ کتا اور خنزیر۔ خارپشت

مقلدین اور خصوصاً احناف سے اختلاف کی خاطر غیر مقلدین نئے نئے راستے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کراہت کے باوجود اکثر چیزوں کو حلال اور پاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جن کو قرآن حرام یا ناپاک کہتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ''(اے لوگو!) تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت۔ (المائدہ: ۳)

چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

☆ نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد بدور الاہلہ صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ '' و ہم چنیں استدلال بر نجاست خنزیر بلفظ رجس کہ بمعنی نجست ''۔ (اور ایسے ہی خنزیر کے ناپاک ہونے پر لفظ رجس سے

استدلال کرنا مناسب نہیں ہے)۔

غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان صاحب ائمہ کی تقلید کے تو خلاف ہیں لیکن غیر مسلموں کی تقلید میں بدور الاہلہ صفحہ ۱۵۔۱۶ پر لکھتے ہیں کہ "سور" کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اس کے پاک ہونے پر دال ہے۔

ناپاک نہ ہونے پر کوئی حدیث صحیحہ سے استدلال کیا گیا۔ جبکہ نجس العین ہونے پر نص قرآنی موجود ہے۔

دوسرے غیر مقلد نواب نور الحسن خان بن نواب صدیق حسن خان عرف الجادی صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں۔ "دعویٰ نجس عین بودن سگ وخنزیر و پلید بودن خمر ودم مسفوح وحیوان مردار ناتمام است"۔

(یعنی کتے اور خنزیر کے نجس العین ہونے۔ شراب اور بہنے والے خون اور مردار جانور کے پلید ہونے کا دعویٰ ناتمام ہے)۔

قرآن وحدیث سے مردار۔ خون اور خنزیر کا ناپاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (سورۃ انعام آیت ۱۴۵)

لیکن غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ انہیں ناپاک کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس سے آگے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان صاحب غیر مقلد اپنی کتاب نزل الابرار فی فقہ النبی المختار جلد اول صفحہ ۴۹۔۵۰ پر لکھتے ہیں۔ واختلفوا فی لعاب الکلب والخنزیر وسورھما والارجح طھارته کما مر وکذلک فی بول الکلب وخراءہ والحق انه لادلیل علی النجاسة۔ (لوگوں نے کتے۔ خنزیر اور ان کے جوٹھے کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ زیادہ راجح بات یہ ہے کہ ان کا جوٹھا پاک ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور ایسے ہی لوگوں نے کتے کے پیشاب پاخانہ کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ان کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔)

زبان کے چسکے کی خاطر نواب صدیق حسن خان صاحب نے بدور الاہلہ صفحہ ۳۳۳ اور نور الحسن خان غیر مقلد نے عرف الجادی صفحہ ۲۳۷ پر دریا کے تمام جانوروں زندہ ہوں یا مردہ سب کے حلال ہونے

کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر طافی (وہ مچھلی جو مر کر پانی کے اوپر آجائے) اس میں شامل نہیں۔ اسی بنا پر ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب "کیکڑے ویکڑے" (یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں) سب حلال کر چکے ہیں۔

نامعلوم ایم بی بی ایس کی ڈگری کے باوجود وہ ایسی تمام اشیاء جو دریا یا سمندر میں پائی جاتی ہیں ان کے کھانے کو میڈیکل پوائنٹ آف ویو (نظریہ حفظان صحت) سے کیوں نہیں دیکھتے۔ دینی علوم کا ان کے پاس فقدان تو ہے ہی میڈیکل کی ڈگری کو ہی کام میں لے آئیں۔ جب تک کہیں دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کریں گے تو دین صرف انگریزی لٹریچر پڑھ کر حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ نااہل کی بات کو تحقیق نہیں کہتے بلکہ یہ الحاد ہے۔ اگر اس نے اردو یا انگریزی تراجم پڑھ کر اپنا عقیدہ ضروریات دین میں سے کسی کے مقابل بنالیا تو وہ پکا کافر ہے۔ اگر اردو یا انگریزی تراجم پڑھ کر ضروریات اہلسنت میں سے کسی ایک بات سے بھی پھر گیا تو وہ اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہے۔ اور اردو یا انگریزی تراجم اور خود رائی سے نااہل ہو کر مجتہد سے منازعت کی تو یہ بالکل حرام ہے۔ آیئے دیکھئے ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کا شجرہ کہاں جا ملتا ہے؟۔

غیر مقلدین کے مشہور عالم ثناء اللہ امرتسری فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں کہ سرطان (کیکڑا) کی حرمت مجھے کسی آیت یا حدیث میں نہیں ملی اس لئے بحکم ذروني ما تركتكم حلال ہے۔ مگر نامعلوم کیا خیال آیا کہ اگلے صفحہ ۱۱۰ پر لکھتے ہیں کہ بوجہ خبیث اور مضر ہونے کے سرطان (کیکڑا) کا کھانا حرام ہے۔

دیگر غیر مقلدین ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان بدور الاہلہ صفحہ ۳۵۱ پر اور نور الحسن خان عرف الجادی صفحہ ۲۳۳ پر فرماتے ہیں کہ سیہہ (خارپشت۔ چوہے کی طرح کا جانور جس کی پشت پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ہیں۔ اکثر قبرستان میں پایا جاتا ہے) کھانا جائز ہے۔ حرمت کی حدیث ثابت نہیں۔ جو غیر مقلد اسے نہ مانے تو وہ کسی حدیث صحیح سے اس کا خبیث ہونا ثابت کرے۔

☆ حلت کچھوا

غیر مقلدین کا فتویٰ "تنبیہ الغلات علی حلۃ السلحفات یعنی رسالہ حلت کچھوا" جسے جماعت غرباء اہل حدیث دہلی نے متعدد علماء اہل حدیث کی تصدیقات کے ساتھ "ضمیمہ صحیفہ اہل حدیث۔ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ" میں شائع کیا تھا۔ یہ فتویٰ انہوں نے احناف کے اس فتویٰ کے جواب میں لکھا جو غیر مقلدین کی ایک جماعت کے کچھوا کھانے کے جھگڑے پر دیا گیا۔ کہ "کچھوا کھانا حلال نہیں اور کھانے والے فاسق اور سخت گنہگار ہیں۔ توبہ کریں۔ ہدایہ میں ہے والسلحفاۃ من خبائث الحشرات ولهذا لایجب علی المحرم بقتله شیء......الخ۔ جب تک یہ لوگ توبہ نہ کریں ان کو برادری میں شامل نہ کریں"۔

جواب میں یہ فتویٰ جاری کیا گیا کہ "آپ غور فرماویں کہ مفتی صاحب نے کچھوے کی عدم حلت پر کون سی آیت کلام اللہ یا کون سی حدیث رسول اللہ یا کون سا فتویٰ صحابہ کرام و تابعین عظام کا نقل کیا ہے۔ بجز اس کے کہ ہدایہ میں اس طرح لکھا ہے۔ کیا آج مسلمانوں کے لیے کلام اللہ وحدیث رسول اللہ کافی وافی نہیں؟ جو اس کے خلاف فقہ مروجہ کی مذہبی کتابیں جن میں رطب ویابس "ہر چہ آید بر تصنیف مستعملی سب روا" بھرا ہوا ہے۔ پیش کی جاتی ہیں۔ گویا مفتی صاحب کے نزدیک چونکہ ہدایہ میں کچھوا کھانا ممنوع ہے لہٰذا جو شخص کھائے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے"۔

آگے لکھتے ہیں "یاد رکھو کہ ہدایہ کیا بلکہ فقہ کی کل کتابیں مروجہ دین اسلام کی معتبر کتابیں نہیں۔ ان کے مسائل اگر قرآن مجید وصحاح ستہ کے موافق ومطابق ہوں تو قابل عمل وقبول ورنہ قابل ترک ومردود۔ اب آؤ ہم تمہیں بفضلہ تعالیٰ قرآن وحدیث سے ثبوت دیں۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے"۔ پھر لکھتے ہیں "کچھوا بلا شک وشبہ حلال ہے۔ قرآن مجید میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ یعنی دریا کا شکار تمہارے لیے حلال ہے۔ اور کچھوا یقیناً دریائی جانور ہے۔ حدیث مرفوع میں ہے ما من دابة فی البحر و قد ذکاها الله لبنی ادم (دار قطنی) دریا کا ہر ایک جانور اللہ نے بنی آدم کے لیے حلال کر دیا ہے۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں ہے لم یر الحسن بالسلحفاة بأسا

یعنی بچھو حلال اور جائز ہے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی اسی طرح موجود ہے۔......... فقط حررہ العاجز المحتاج الی ربہ والھہ ابو محمد عبدالستار ابن محی السنة قاطع الشرك والبدعة ابی محمد عبدالوھاب۔

☆اس فتویٰ پر غیر مقلدین کے تیس (۳۰) بڑے مفتیان کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں۔

چند سال پیشتر دریائے راوی لاہور کے کنارے فرخ آباد میں محکمہ جنگلی حیات والوں نے چھاپہ مار کر چند آدمی گرفتار کیے۔ جو کچھوے کے گوشت کے تکے بعض دکانوں پر سپلائی کرتے تھے۔ گرفتاری کے وقت جو کچھوا پکڑا گیا اس کا وزن ڈیڑھ من تھا۔ (یہ تفصیل اخبارات میں چھپ چکی ہے) ایسے لوگ شاید اسی طرح کے فتاوی کی وجہ سے ہر طرح کی حرام اشیاء مسلمانوں کو کھلانے پر جری ہو جاتے ہیں۔

☆مشینی ذبیحہ

ایک پروگرام "گفتگو" میں مشینی ذبیحہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مشینی ذبیحہ کے وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو حلال ہے۔

☆ڈاکٹر صاحب کا نظریہ کتاب وسنت کے سراسر خلاف ہے۔ اور وہ اس مسئلہ میں لوگوں کو مطلقاً اباحیت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ علماء نے اس مسئلہ میں جو تفصیل بیان کی ہے ہم اسے قارئین کے افادہ کے لیے بعینہ نقل کر دیتے ہیں۔

صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے لے رہا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہو گئی ہیں کہ بہت سے جانور اس کے نیچے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ اگر بٹن دبانے والا مسلمان ہو اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں کو اوپر کی طرف سے کاٹ دے تو ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاق جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا حرام ہونا منقول ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس طریقہ ذبح کو ناجائز اور گناہ کہتے ہیں

بحوالہ صحیح بخاری کتاب الذبائح۔ عن ابن جریج قال اخبرنی نافع ان ابن عمر نهى عن النخع يقول يقطع ما دون العظم ثم يدع حتى يموت۔ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نخع کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ گردن کی آخری ہڈی جس کو نخاع کہا جاتا ہے اس کو قطع نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ چار رگیں کاٹ کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جانور مر جائے)۔ اور بدائع الصنائع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ الا لا تنخعوا الذبيحة یعنی مذبوح جانور کا سر بالکل دھڑ سے مت الگ کرو۔ اور اس سے زیادہ ناجائز یہ ہے کہ گدی کی طرف سے کاٹا جائے اور سر کو دھڑ سے علیحدہ کر دیا جائے۔

بجلی کی مشینوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر رکھ کر گردن کاٹ دینے میں مقتضی نصوص اور اصول شرعی یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کرنا دونوں متصل واقع ہوں۔ تو گوشت حلال ہوگا۔ پھر بھی غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہوگا اور اگر تسمیہ میں زیادہ تقدیم کی تو اس زیادہ تقدیم کی وجہ سے جانور مردار قرار پائے گا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احسن الفتاوی جلد ۷ صفحہ ۳۹۰)۔

اب غیر مقلدین کی دی ہوئی آسانیوں پر غور کریں اور ان سے پوچھیں کہ بخاری و مسلم کی کون سی صحیح مرفوع حدیث سے یہ احکام نکالے ہیں۔

غیر مقلدین کے نواب نور الحسن خان صاحب عرف الجادی صفحہ ۲۳۹ پر لکھتے ہیں کہ اگر ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی تو کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ اس کا کھانا جائز ہے۔

غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خان صاحب نے دلیل الطالب صفحہ ۴۱۳ پر اور ان کے بیٹے نواب نور الحسن خاں صاحب نے عرف الجادی صفحہ ۲۳۷ پر لکھا ہے کہ کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ اس کے لیے کون سی صحیح حدیث یا قرآن کی آیت موجود ہے۔ ان کے علامہ شوکانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ احناف پر الزامی سوال نہ کئے جائیں کیونکہ وہ تو مقلد ہیں۔ آپ اپنے لئے حدیث تلاش کیجئے۔

☆ موسیقی

ایک پروگرام "گفتگو" میں دف کے متعلق ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ دف کے میوزک کی اجازت ہے۔ لیکن دوسرے میوزک میں ہم محو ہو جاتے ہیں۔ موسیقی کے بارے میں دف کے علاوہ تمام منع ہیں۔

☆☆ ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسے ان روشن خیال حضرات نے کبھی اس پہلو پر بھی شاید غور نہیں فرمایا کہ برائیوں کے رواج عام کو ان کی سند جواز دینے کی ریت معاشرے کو کہاں سے کہاں پہنچا رہی ہے۔

تاج الدین سبکی فرماتے ہیں:

اعلم بان الرقص والدف اللذی سألت عنه و قلت بالا صوات

فیه خلاف للائمة قبلنا	شرح الهدایة سادة السادات
لکنه لم یات قط شریعة	طلبته او جعلته فی القربات
والقائلون بحله قالوا به	کسواه من احوالنا العادات

ترجمہ: سن لیجیے (جان لیجیے) جس وجد اور دف کا مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے اس میں ہمارے متقدمین اور اکابر ائمہ کے مختلف اقوال ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیہ نے کبھی اس کو عبادت اور حصول ثواب کا ذریعہ نہیں قرار دیا۔ جو لوگ اس کے جواز کے قائل بھی ہیں وہ بھی اسے حصول ثواب کا ذریعہ نہیں کہتے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری اور بھی حالتیں مباح ہیں ویسے ہی یہ ہے۔

قائلین موسیقی جو روایتیں پیش کرتے ہیں ان میں ایک وہ ہے جسے علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ سماع میں لکھا ہے" اخرج عبدالرزاق بسند صحیح عن ابن عمر ان داؤد یا خذ المعزفة فیضرب بها و یقرأ علیها (عبدالرزاق اپنی سند میں سند صحیح سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد اپنے باجے کو بجا بجا کر اس پر تلاوت زبور کیا کرتے تھے)۔

حضرت ابن عمرؓ کی سند سے بحوالہ عبدالرزاق نقل کی گئی ہے پس اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ اس

میں تصحیف ہوئی ہے اور روایت عبید بن عمیر ہی سے منقول ہے۔ جسے علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ میں غلطی سے ابن عمرؓ لکھ دیا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت عبدالرزاق سے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بھی نقل کی ہے اور اس میں ابن عمرؓ کے بجائے عبید بن عمیر لکھا ہے۔ علامہ عینی اور ابن کثیر دونوں یہ روایت ایک ہی سند سے لائے ہیں۔

محدث علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۳۲۹ پر ایک اسرائیلی روایت درج کی ہے۔ عن عبید بن عمیر قال کان لداود علیه السلام معزفة یتغنی علیها و یبکی ویبکی (عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے پاس ایک باجا تھا جس پر وہ گایا کرتے تھے اور روتے بھی تھے اور رلاتے بھی تھے) یہ روایت منقطع ہے اور عبید بن عمیر کے اپنے الفاظ ہیں نیز علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے عبید بن عمیر کو ایک قصہ گو شخص لکھا ہے (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۷۱)

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف غناء و مزامیر کا انتساب بھی یہودیوں کی اپنی خباثتوں میں سے ایک ہے۔ جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن کریم ایک مقدس اور صالح پیغمبر کے روپ میں پیش کیا ہے۔ (سورۃ ص آیت ۳۰۔ سورۃ انبیاء آیت ۷۹۔ سورۃ سبا آیت ۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ غناء و مزامیر کو حلال قرار دینے میں اور اس کے لیے مواد فراہم کرنے میں جتنا ہاتھ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ کا ہے۔ پوری امت مسلمہ میں غالباً کسی اور کا نہیں۔ انہوں نے مستقل ایک کتاب "السماع" لکھی اور ایسی ایسی خرافات جمع کی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں ان کی یہی کتاب قائلین اباحت کا سب سے بڑا ہتھیار رہی ہے۔

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کان داودی المذهب فمن اثنی علیه فلاجل حفظه للحدیث والا فالجرح اولیٰ به ...... وقال (ابو السعد ابن السمعانی) و سمعت ابا الفضل بن ناصر یقول محمد بن طاهر لا یحتج به صنف کتابا فی جواز النظر الی الأمرد ...... (المنتظم جلد ۹ صفحه ۱۷۹) وہ مذہباً داؤد ظاہری کے پیروکار تھے جس

نے ان کی تعریف کی ہے وہ ان کے حفظ حدیث کی وجہ سے کی ہے ورنہ درحقیقت ان پر جرح فوقیت رکھتی ہے......ابوسعد ابن سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالفضل بن ناصر سے سنا کہ ابن طاہر لائق احتجاج نہیں انہوں نے ایک کتاب بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے لکھی ہے۔

(علامہ ذہبی نے ابن حجرؒ کے حوالے سے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔لسان المیزان ج ۵ صفحہ ۲۰۷ تا ۲۱۰)

ڈاکٹر ذاکر صاحب اب اپنے غیر مقلدین حضرات کی تضاد بیانیاں بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

مترجم صحاح ستہ علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد اسرار اللغۃ پارہ ہشتم صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں کہ اسی طرح گانا اور بجانا تفریح طبع کے لیے مختلف فیہ ہے اور عید اور شادی اور خوشی کی رسموں میں بقول راجح جائز بلکہ مستحب ہے۔ جبکہ نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد بدور الاہلہ صفحہ ۵۱۳ پر مزامیر کو حرام کہتے ہیں۔علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم بھی یہی کہتے ہیں لیکن باقی غیر مقلد کس کی بات مانیں۔ بلکہ علامہ وحید الزمان صاحب نے ہدیۃ المہدی صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے کہ گانے اور مزامیر سے لوگوں کو منع نہیں کرنا چاہیے۔علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد نزل الابرار صفحہ ۳ جلد ۲ پر لکھتے ہیں۔"نکاح میں بینڈ باجے بجانے زمانے کے دستور کے مطابق مستحب ہیں اور دف بجانا واجب ہے"۔

اب ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں کہ دف سے چلتے ہوئے ان کے بڑے غیر مقلدین کہاں جا پہنچے۔

☆ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک پروگرام "گفتگو" میں ایک سوال کہ کیا حضور انتقال فرما گئے ہیں یا زندہ ہیں جیسے شہید زندہ ہیں؟ ذاکر نائیک صاحب جواب میں کہتے ہیں کہ شہید دنیا میں زندہ نہیں بلکہ آخرت میں زندہ ہیں۔جسمانی لحاظ سے حضور وفات پا چکے ہیں اور زندہ نہیں ہیں۔

☆اس سے پہلے کہ ہم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اور دیگر مماتی حضرات کا رد کریں اس فتنہ کی ابتدا پر کچھ روشنی ڈالنا بہتر سمجھتے ہیں۔

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دور میں عقائد اعتزال و رفض رکھنے والا ابیکندی نامی شخص اس کی حکومت

میں وزیر بن گیا۔ یہ اصلاً نیشا پور کا رہنے والا تھا۔ 445ھ میں اس نے عقیدہ متعارف کروایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضہ اقدس میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اور اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقۃً رسول نہیں رہے۔ معاذ اللہ اس نے نہ صرف یہ بلکہ اس نظریہ کو امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف منسوب کر دیا۔ اقتدار کی سیڑھی استعمال کر کے اس نے ان خیالات کو خوب پھیلایا۔ عقیدہ انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر اور انعزال نبوت (کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اب حقیقۃً رسول نہیں رہے معاذ اللہ) دوش بدوش چلنے لگے۔ کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں تذرتاویلات ہوتی گئیں۔ لیکن اہل حق بھی اس کے ابطال کی طرف متوجہ رہے۔ اکابر اہلسنت (احناف۔ شوافع۔ مالکیہ۔ حنابلہ) نے ان نظریات پر نکیر کی۔ امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعریؒ پر باندھے گئے الزامات کی دلائل کے ساتھ تردید کی۔ اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین بیہقیؒ متوفی 458ھ اور امام ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیریؒ نے فرقہ کرامیہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد اسی بنیاد پر قائم کیے جا رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنی قبر اقدس میں محض بے جان ہیں۔ علامہ قشیری نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف جب مدینہ آیا تو زائرین حرم اطہر کے گرد جمع ہو رہے تھے تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا۔

امام بیہقیؒ نے رسالہ حیات الانبیاء اور علامہ قشیریؒ نے "شکایۃ اهل السنة بما نالهم امن المحنة" لکھ کر مسئلہ حیات النبی کا دفاع کیا۔ حافظ ابن عساکر نے کتاب تبیین کذب المفتری میں اور طبقات الشافعیہ میں امام ابوالحسن اشعریؒ کے عنوان سے لکھا ہے کہ۔

"اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلہ کی کوئی اصل نہیں تو پھر یہ کہاں سے آ گیا۔ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا بھی یہی گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا"۔ (طبقات الشافعیہ جلد 2 صفحہ نمبر 282)

علامہ سبکیؒ آگے لکھتے ہیں لان عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حى يحس و

یعلم و تعرض علیه اعمال الامة ویبلغ الصلوة والسلام علی ما بینا۔ (طبقات الشافعیہ جلد2 صفحہ نمبر282) کیونکہ ہمارے نزدیک حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ سبکیؒ نے اسی طبقات الشافعیہ جلد6 صفحہ نمبر266 پر اپنا عقیدہ یوں بیان کیا ہے۔ ان عقائدنا ان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم فاین الموت الی ان قال و صنف البیهقی جزءا فی حیاة الانبیاء فی قبورهم و اشتد نکیر الاشاعرة علی من نسب هذا القول الی الشیخ۔ (ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔پس وہاں موت کہاں۔ امام بیہقیؒ (458ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے۔ اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن اشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے)۔

علامہ قشیریؒ اپنی کتاب شکایت السنۃ ورسائل قشیرہ صفحہ نمبر10 پر لکھتے ہیں فاما ما حکی عنه (ای الاشعری) و عن اصحابه انهم یقولون ان محمدا صلی الله علیه واله وسلم لیس نبی فی قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظیم و کذب محض لم ینطق احد منهم ولا یسمع فی مجلس مناظرة ذلک عنهم ولا وجد فی کتاب لهم و کیف یصح ذلک وعندهم محمد صلی الله علیه واله وسلم حی فی قبره۔" ہاں جو امام ابوالحسن اشعری اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد اپنی قبر شریف میں نبی و رسول نہیں رہے یہ محض جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے کسی نے نہیں کہا۔ نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں" (طبقات الشافعیہ جلد 2 صفحہ نمبر 279)

علامہ ابن عابدین شامیؒ ردالمحتار جلد 3 باب المغنم صفحہ 366 پر لکھتے ہیں "تحقیق یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں" بلکہ رسائل ابن عابدین جلد 2 صفحہ نمبر 203 پر مزید صراحت موجود ہے۔ ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث ۔ منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری کو وصف نبوت و رسالت سے موصوف نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ رسالت و نبوت دراصل صفت ارواح ہے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بعد از وصال بھی حقیقۃً رسول اور نبی ہے چنانچہ جب نبوت و رسالت کی صفت بعد از وفات روح اور جسد عنصری دونوں کے لیے ثابت ہے تو حیات بعد از وفات بھی روح اور جسد دونوں کے لیے ثابت ہونی چاہیے۔ اور جو شخص روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو قبل الوفات اور بعد الوفات اللہ کا نبی اور رسول مانتا ہے۔ اسے جسد عنصری کی حیات بھی ماننی چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ نبی اور رسول ہونا روح کے ساتھ خاص ہے نہ کہ جسم کے ساتھ تو کسی بھی صحابی کو صحابی کہنا مشکل ہوگا۔ کیونکہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے ایمان کے ساتھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور آخری دم تک ایمان پر قائم رہا ہو۔ پس تمام صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی زیارت اس طرح کی کہ انہوں نے آپ کے جسد عنصری کو دیکھا جب کہ روح مبارک اس میں موجود تھی۔ زیارت کی اس صورت سے وہ لوگ صحابی بنے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری کو اللہ کا رسول نہ مانا جائے۔ بلکہ روح کو مانا جائے تو جس کی صحابہ نے زیارت کی وہ جسد عنصری تھا۔ تو ان حضرات کو صحابی کہنا کیسے درست ہوگا۔ کیونکہ جس کو انہوں نے دیکھا وہ رسول نہیں اور جو رسول ہے یعنی روح اس کو انہوں نے دیکھا نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الحیات بعد الوفات از مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ ناشر انجمن خدام الاسلام باغبانپورہ لاہور۔ نیز ملاحظہ ہو خیر الفتاوی جلد اول)

سورۃ سبا پارہ ۲۲ کی آیت فلما قضینا علیہ الموت مادلھم علی موتہ الا دآبۃ الارض

تاکل منسأته ۔حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے بطور دلالۃ النص ہے ۔اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصاء سلیمانی کو کھالیا تو جسد عنصری کا کھالینا اس سے کہیں سہل تھا۔اس کے باوجود جسم کا کھڑا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ان حیاته صلی علیه وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمرّ حیا والا نبیاء احیاء فی قبورهم (فتح الباری جلد 17 صفحہ 22)آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت پھر وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الا نبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (شفاء السقام صفحہ نمبر 134۔حیات الانبیاء للبیہقی) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ تقی الدین سبکیؒ اس حدیث کی سند نقل کرکے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بغیر سند خصائص الکبریٰ صفحہ 281 میں اور مسند ابو یعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ راویوں کے ساتھ فتح الباری میں مذکور ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں و صححه البیهقی (فتح الباری جلد 6 صفحہ نمبر 352۔فتح الملهم جلد اول صفحہ نمبر 329)

علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد صفحہ نمبر 211 جلد ہشتم)

ابو یعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔علامہ عزیزی لکھتے ہیں وهو حدیث صحیح ۔یہ حدیث صحیح ہے (السراج المنیر جلد دوم صفحہ نمبر 134) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں صح خبر الا نبیاء احیاء فی قبورهم (مرقاۃ جلد دوم 212) الانبیاء احیاء فی قبورهم والی حدیث صحیح ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں هذا حدیث صحیح (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد سوم صفحہ نمبر 184) یہ حدیث صحیح ہے۔

غیر مقلدین جنہیں بہت اہمیت دیتے ہیں ان میں علامہ شوکانی کا نام سرفہرست ہے۔ وہ اپنی کتاب الذاکرین شرح حصن حصین صفحہ نمبر 28 پر لکھتے ہیں انه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم ۔رواه المنذری و صححه البیهقی (بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اسکی تصحیح کی ہے)۔

علامہ سید سمہودیؒ لکھتے ہیں رواه ابو یعلیٰ بر جال ثقات ورواه البیهقی اس کو ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کو (صحیح سند سے) روایت کیا ہے۔

غیر مقلدین۔ مماتی حضرات اور ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے مطالبہ کے مطابق اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور جمہور محدثین اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

اسی طرح الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے اتحاف النبلاء صفحہ 415 میں۔ مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے ضمیمہ فتاویٰ نذیریہ جلد دوم صفحہ 55 پر۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے عون المعبود جلد ا صفحہ نمبر 406 پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات عند القبر کا اقرار کیا ہے۔ یہ حضرات اصحاب ظواہر سے ہیں اور کسی کی تقلید کے قائل نہیں۔

اب بھی اس مسئلہ پر اجماع امت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟۔

☆حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور گنہگار مسلمان

پروگرام گفتگو کے میزبان کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم ایمان دار لوگوں کا خیال رکھنے والا کیا وہ جنت میں نہیں جا سکتا؟۔ مسلمان ہونا اور سارے برے کام کر کے اس کے چانسز ہیں اور غیر مسلم کے نہیں ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب جواب میں کہتے ہیں "اس بارے میں کہ کوئی بھی شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے جنت میں جائے گا بالکل غلط ہے"۔

میزبان صاحب دوبارہ کہتے ہیں کہ آخرکار (سزا بھگت کر) چلا جائے گا؟۔

جواب میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "کوئی بھی قرآن کی لفظ نہیں (یہ ڈاکٹر صاحب کی گرامر ہے)۔ نہ حدیث میں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے سورۃ العصر کہ چار چیزیں ہونا شرط ہیں۔ ایمان۔ نیک عمل۔ حق کی تلقین اور صبر کی تلقین۔ ایمان ضروری ہے۔

☆ڈاکٹر صاحب نے سائل کے سوال کا درست جواب نہیں دیا۔ جنت ان لوگوں کے لئے بطور انعام ہے جو اللہ کے نبیوں پر ایمان لائے اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد پہلے انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں۔ چنانچہ اب اگر کوئی غیر مسلم بھلائی کے کام کرتا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت کا حقدار نہ ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالی اس کی بھلائی کا بدلہ اسے دنیا میں آسائش اور نیک نامی کے ذریعہ دے دیتا ہے۔ اور جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا لیکن اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا تو آخرکار سزا بھگت کر اللہ تبارک وتعالی کی رحمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں چلا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ العصر کا حوالہ بھی غلط موقع پر دیا ہے۔ اور اس پر ڈھٹائی یہ کہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی رائے کے برعکس محدثین ومفسرین کی رائے یہ ہے کہ مسلمان آخرکار سزا بھگت کر اللہ تبارک وتعالی کی رحمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں چلا جائے گا۔ ملاحظہ ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں آیت " رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ " کے تحت لکھا ہے کہ"

وقال ابن جرير: حدثنا المثنى حدثنا مسلم حدثنا القاسم حدثنا ابن أبي فروة العبدي، أن ابن عباس وانس بن مالك كانا يتأولان هذه الآية: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ يتأولانها: يوم يحبس الله أهل الخطايا من المسلمين مع

المشرکین فی النار۔ قال:فیقول لھم المشرکون:ما أغنی عنکم ما کنتم تعبدون فی الدنیا۔ قال:فیغضب اللہ لھم بفضل رحمتہ فیخرجھم فذلک حین یقول: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ "۔

نیز تفسیر فتح القدیر میں آیت "رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ" کے تحت لکھا ہے کہ "وقیل :عند خروج عصاۃ الموحدین من النار"۔

اب حدیث کا حوالہ بھی ملاحظہ کرلیں اور ڈاکٹر صاحب کے مسلمانوں کے ساتھ سوءِ ظن پر غور فرمائیں۔ جامع الترمذی۔ کتاب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ وَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ هَكَذَا رُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ فِي تَفْسِيرِ هَذِهِ الْآيَةِ

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ

قَالُوا إِذَا أُخْرِجَ أَهْلُ التَّوْحِيدِ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ۔

نیز جامع الترمذی۔ کتاب صفت جہنم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان "۔ وہ آدمی بھی جہنم سے نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا۔

مسند احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً "۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''شفاعتی لأهل الکبائر من امتی''۔ میری شفاعت میری امت میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ یہی مضمون ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن حبان اور مستدرک حاکم میں موجود ہے۔
مسند احمد۔ جلد۳۔ صفحہ ۲۰۸ کی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یخرج اللہ قوما من النار فیدخلهم الجنة. اللہ ایک گروہ کو آگ سے نکال کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔
حافظ قرآن کی فضیلت میں یہ بھی ہے کہ وہ (سات یا دس) ایسے لوگوں کو جنت میں لے جانے کا سبب بنے گا جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔
اس کے علاوہ چند ماہ کے حمل کا اسقاط یعنی ادھورا بچہ بھی جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ ادھورا گرا ہوا بچہ (بھی) اپنے رب سے جھگڑا کرے گا جب اس کے والدین دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے۔ اس بچہ سے کہا جائے گا کہ اے ادھورے بچے! جو اپنے رب سے جھگڑ رہا ہے اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کردے۔ لہٰذا وہ اپنے ناف کے ذریعہ کھینچتا ہوا ان کو جنت میں داخل کردے گا۔ (ابن ماجہ)
درحقیقت ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب چھوڑ کر معتزلہ کا مذہب اختیار کیا ہوا ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ جس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جنت میں نہ جاسکے گا۔
جبکہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں مرا ہے وہ خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن سزا بھگت کر جنت میں ضرور چلا جائے گا۔
بیسیوں احادیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ تمام علماء اہل سنت نے یہی اصول اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب جو علم حدیث کی ابجد سے بھی واقف نہیں ان احادیث اور اقوال سلف کی مخالفت کرکے اہلحدیث ہونے کے مدعی ہیں۔
امام مسلم جن کی کتاب مسلم شریف پر عمل کرنے کی خود ڈاکٹر صاحب تلقین کررہے ہیں انہوں نے

صحیح مسلم۔ کتاب الایمان میں اس بات پر باب قائم کیا ہے کہ جو شخص توحید پر مرا ہے وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

اس باب میں امام مسلمؒ نے ایک حدیث "من مات وھو یعلم انہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" ذکر کی ہے۔اس کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

واعلم ان مذھب اھل السنۃ والجماعۃ وما علیہ اھل الحق من السلف والخلف ان من مات موحدا دخل الجنۃ قطعا علی کل حال فان کان سالما من المعاصی کالصغیر والمجنون الذی اتصل جنونہ بالبلوغ والتائب توبۃ صحیحۃ من الشرک اوغیرہ من المعاصی اذا لم یحدث معصیۃ بعد توبتہ والموفق الذی لم یبتل بمعصیۃ اصلا فکل ھذا الصنف یدخلون الجنۃ ولا یدخلون النار اصلا ....

واما من کانت لہ معصیۃ کبیرۃ ومات من غیر توبۃ فھو فی مشیۃ اللہ تعالیٰ فان شاء عفا عنہ وادخلہ الجنۃ اولا وجعلہ کالقسم الاول وان شاء عذبہ بالقدر الذی یریدہ سبحانہ ثم یدخلہ الجنۃ فلا یخلد فی النار احد مات علی التوحید ولو عمل

من المعاصی ما عمل کما انہ لا یدخل الجنۃ احد مات علی الکفر ولو عمل من اعمال البر ما عمل۔

ترجمہ: "جان لو کہ اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل حق اسلاف اور اخلاف کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص توحید کے عقیدے پر مرا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ اگر تو وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو مثلاً نابالغ بچہ۔ ایسا مجنون جسے بلوغ کے بعد سے مسلسل جنون لاحق ہو۔ شرک اور دیگر گناہوں سے توبہ کرنے والا جس نے توبہ کرکے پھر گناہ نہ کیا ہو۔ اور وہ شخص جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ اس طرح کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے اور آگ میں بالکل داخل نہ ہوں گے۔ اور وہ شخص جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو اور بغیر توبہ کیے مرگیا ہو تو وہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ پس اگر اللہ چاہے گا تو اسے معاف کردے گا اور پہلی قسم کے لوگوں کی طرح شروع سے ہی جنت میں داخل کردے

گا اور اگر چاہے گا تو جتنا چاہے عذاب دے گا پھر اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ کوئی ایسا شخص جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا جو توحید پر مرا ہو اگر چہ اس نے جتنے بھی گناہ کیے ہوں۔ جیسا کہ وہ شخص جو کفر پر مرا ہو وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو گا اگر چہ اس نے جتنے بھی اچھے عمل کیے ہوں"۔

صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۱۰۷ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقول ان اللہ یخرج ناسا من النار فید خلھم الجنۃ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آگ سے (کچھ) لوگوں کو نکالے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

مسلم شریف جلد اول صفحہ ۴۱ پر امام نوویؒ نے شرح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے جس کا متن یہ ہے۔ لایلقی اللہ بھما عبد غیر شاك فیھما الا دخل الجنۃ وان زنا وان سرق۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں شہادتوں (یعنی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ) کے ساتھ کسی ایسے بندے کو جو ان میں شک نہ رکھتا ہو جنت کے سوا اور کہیں نہیں ڈالے گا۔ اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔

☆ وسیلہ

ایک پروگرام "گفتگو" میں کسی نے سوال کیا کہ بخاری شریف میں ہے کہ قحط پڑا تو لوگوں نے حضرت عباس بن عبد المطلب کو لے جا کر وسیلہ دیا اور کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے تو ہم ان کا وسیلہ دیتے تھے۔ جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں قرآن و صحیح حدیث میں وسیلہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ قیامت کے روز اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے جس کو اللہ اجازت دے گا۔

☆ افسوس ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے سائل کے سوال کا جواب دینے کی بجائے حدیث سے وسیلہ کا ہی انکار کر دیا۔ چونکہ سائل نے ان کے مطابق بخاری شریف کا حوالہ دیا ہے۔ اور ذاکر نائیک صاحب اکثر جگہ یہ کہہ چکے ہیں کہ بخاری و مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ اب ان سے تاویل نہیں ہو رہی۔ اس لیے بات کا رخ موڑ کر دوسری طرف لے گئے اور مختصر سا جواب دے کر بات گول کر دی۔ اب ہم قارئین کی خدمت میں توسل یا وسیلہ کا مسئلہ تفصیلی طور پر بیان کرتے ہیں۔ اس کے

بعد غیر مقلدین کی بے احتیاطیاں بھی نقل کریں گے۔
توسل کی حقیقت کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ انفاس عیسیٰ صفحہ ۱۸ پر یوں بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ ہے کہ کسی شخص کی اللہ کے نزدیک جو عزت ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت اسی قدر و منزلت کے مطابق اس شخص پر متوجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ توسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے۔ اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما دیجئے۔ کیونکہ اس شخص سے تعلق ہے۔ اسی طرح اعمال صالح کا توسل حدیث سے ثابت ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس عمل کی جو قدر اور وقعت اللہ کے نزدیک ہے اور ہم نے وہ عمل کیا ہے۔ اے اللہ اس عمل کی برکت سے ہم پر رحمت فرما۔
نشر الطیب ص ۲۲۸ پر توسل فی الدعا کی تعریف یہ لکھی ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پس ہم پر بھی رحمت فرما۔ انفاس عیسیٰ ص ۱۴۱ پر حضرت تھانویؒ مزید آسان پیرایہ میں لکھتے ہیں۔ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے المرء مع من احب...... پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت وثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء کا موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔
علماء دیوبند کا متفقہ فتویٰ المہند علی المفند صفحہ ۱۳-۱۲ پر موجود ہے۔ عندنا و عند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالا نبیاء و الصالحین من الا و لیاء و الشهداء و الصدیقین فی حیٰوتهم و بعد وفاتهم بان یقول فی دعائه ...... اللهم انی اتوسل الیك بفلان ان تجیب دعوتی و تقضی حاجتی الی غیر ذلك کما صرح به شیخنا و مولانا الشاه محمد اسحٰق الدهلوی ثم المهاجر المکی ثم بینه فی فتاواه شیخنا و مولانا رشید احمد الگنگوهی رحمة الله علیهما۔ وفی هذ الزمان شائعة مستفیضة بایدی الناس و هذا المسئلة مذکوره علی صفحة (۹۳) من المجلد الاول منها

فلیھو اجمع الیھا من شاء (ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء اور اولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے۔ ان کے حیات میں بھی اور بعد وفات کے بھی بایں طور کہ کہے...... یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعاء کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں اس جیسے اور کلمات کہے۔ چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی ثم المکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا (طبع شدہ) آجکل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلے جلد کے صفحہ (۹۳) پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے) یہ تحریری فتویٰ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری ثم المہاجر المدنی رحمہ اللہ کا لکھا ہوا ہے۔ اور اسکی تصدیق میں اکابر علماء دیوبند۔ حضرت مولانا محمود حسن۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن۔ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ حضرت مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہی۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے (۲۴) دستخط موجود ہیں اور علماء مکہ معظمہ۔ علماء مدینہ منورہ۔ علماء جامع ازہر مصر۔ علماء دمشق وشام کے (۴۷) تصدیقی دستخط بھی ہیں۔

مذکورہ بالا عقیدہ کی بناء جن روایات پر ہے ان میں ایک روایت کو علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۳۲۰ پر یوں بیان کیا ہے۔ نزلت فی بنی قریظۃ والنضیر کانوا یستفتحون علی الأوس والخزرج برسول صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قال ابن عباس وقتادۃ...... الخ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں سے بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے فریق مقابل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علیٰ عدونا فینصرون ...... الخ

اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اس آخرالزمان نبی کے طفیل جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔ یہ کہ ہمارے دشمن پر آج ہمیں مدد عطا فرما۔ وہ مدد دیے جاتے (یعنی ان کی دعا قبول ہوتی اور وہ غالب آجاتے)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے۔ اللهم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبى الامى الذى وعدتنا ان تخرجه لنا فى آخر الزمان و بكتابك الذى تنزل عليه آخر ما تنزل ان تنصرنا على اعدائنا۔ اخرجه ابو نعيم و الحاكم و البيهقى وغيرهم عن ابن عباس و ابن مسعود و غيرهم با لفاظ مختلفة (در منثور) اے اللہ ہم تجھ سے اس احمد مصطفیٰ نبی امی کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جس کے ظاہر کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اس کتاب کے واسطہ و برکت سے سوال کرتے ہیں۔ جس کو تو سب سے آخر میں نازل فرمائے گا۔ یہ کہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح اور نصرت عطا فرما۔ یہ روایت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ سے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے اس وقت بھی اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور فتح یاب ہوتے۔ قرآن نے اس عقیدہ کو بیان کر کے اس کی تردید نہیں کی۔ پھر اس کے جواز میں شبہ کیوں کیا جائے؟ ابن ماجہ باب الصلوٰۃ میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا واقعہ درج ہے کہ ایک نابینا صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بینائی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں وضو کرنے کا حکم دیا (بغیر وضو نماز نہیں پڑھوائی جیسا کہ غیر مقلدین اور ڈاکر نائیک صاحب کا عقیدہ ہے) کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا کرے۔ اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

اس کے بعد وہ صحابی واپس آیا تو بینائی موجود تھی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صحابی

کے لیے دعا فرمانا منقول نہیں۔ بلکہ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیا۔ انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام نسائی اور امام ترمذیؒ نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے۔ اور اتنا زیادہ کیا ہے کہ وہ صحابی کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا۔ انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکورہ طبرانی کبیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ یہی صحابی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے کہا کہ میں اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں لیکن وہ التفات نہیں کرتے۔ آپ ان سے میری سفارش کر دیں۔ انہوں نے فرمایا تو وضو کر کے مسجد میں جا اور وہی دعا سکھلا دی جو اوپر ذکر ہوئی۔ کہ یہ پڑھ۔ اس شخص نے یہی کیا جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور اس کا کام کر دیا۔ بعد میں وہ شخص حضرت عثمان بن حنیفؓ کو ملا اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے میری سفارش کی۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارے بارے میں ان سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۹ پر ہے عن امیۃ بن خالدؓ بن عبداللہؓ اسید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین۔ رواہ فی شرح السنۃ حضرت امیہ بن خالدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے توسل سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔ اس کو روایت کیا شرح السنۃ میں۔

ابوبکر بن خطیبؒ نے علی بن میمونؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں۔ اور اس قبر کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں۔ اس دعا کے بعد میری مراد جلد پوری ہو جاتی ہے (تاریخ الخطیب جلد اول صفحہ ۱۲۳) (رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۹)

علامہ سبکیؒ۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور غیر مقلدین کے پایہ کے امام علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں۔
ویستفاد من قصۃ العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ استحباب الاستشفاع باھل

الخیر والصلاح واهل بیت النبوة (عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۴۳۷، فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۹۹۔ نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۷) (اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بزرگوں اور اہل بیت (کی ذوات) سے توسل کا استحباب مستفاد ہوتا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدید قحط سالی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے اور قحط سالی دور ہو جاتی۔ یہ حدیث مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۲ پر موجود ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ ہم آپ کے حضور میں اپنے پیغمبر کے ذریعہ توسل کرتے تھے آپ ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجئے۔ پس بارش ہو جاتی تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ غور فرمایئے کہ حضرت عمرؓ جو اسلام کے احکام کے سلسلہ میں بہت سخت تھے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا یا کسی عمل صالح سے نہیں بلکہ ان کی ذات سے توسل کیا۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ اس کا مقصود یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کیا جائے یا آپ سے قرابت رکھنے والے تعلق دار کے واسطہ سے توسل کیا جائے۔ اور اسی توسل کی علامہ شوکانی بھی تائید کرتے ہیں نیل الاوطار کا حوالہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے۔ اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت (الگ جدا) ہے بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔ (التکشف صفحہ ۴۳۶)

مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں

سفر میں ایک صاحب نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء شرک ہے۔ عمل کے توسل سے دعاء کرنی چاہیے۔ میں نے پوچھا: عمل کا وسیلہ کیوں درست ہے؟ کہا: عمل اللہ کو محبوب

ہوتا ہے۔میں نے کہا: تیری دو رکعتیں کیا اللہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ہیں۔عمل محبوب ہو لیکن عامل محبوب نہ ہو۔عبادت محبوب ہو لیکن عابد محبوب نہ ہو۔یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔جب کہ کچھ اشخاص کو بھی محبوب قرار دیا ہے۔"یحبھم ویحبونه"۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا"انا حبیب اللہ"۔لہذا جیسے اعمال کا توسل درست ہے۔اسی طرح ذوات کا توسل بھی درست ہے۔

علامہ سمہودیؒ اور علامہ سبکیؒ کہتے ہیں قلت کیف لا یستشفع ولا یتوسل بمن له هذا المقام و الجاه عند مولاه بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قال السبکی ...... (وفا الوفاء جلد ۴ صفحہ ۱۳۱۹۔۱۳۲۲)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت اور اعلیٰ مقام پر نظر کرتے ہوئے آپ کو شفیع بنانا اور آپ کا وسیلہ بنانا کیسے جائز نہ ہوگا۔بلکہ تمام صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔

چنانچہ قاضی عیاضؒ شرح شفاء جلد ۲ پر فرماتے ہیں بل استقبله واستشفع به ای اطلب شفاعته وسل وسیلته فی قضاء مراداتك و اداء حاجاتك ...... الخ یعنی (حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر) اپنی حاجتوں اور مرادوں کو پورا ہونے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور وسیلہ طلب کر۔

اب غیر مقلدین اور ڈاکٹر نائیک صاحب کا توسل مذکورہ کو استعانت (غیر اللہ سے مدد مانگنے) پر قیاس کر کے مطلقاً ناجائز کہنا صحیح نہیں کیونکہ توسل مذکور تو مطلقاً جائز بلکہ مستحسن ہے۔البتہ استعانت کو توسل پر قیاس کر کے مطلقاً جائز کہہ دینے کے تو علماء دیوبند بھی قائل نہیں ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ:

☆ کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا یا یہ اعتقاد کرنا کہ خدا نے کسی کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ وہ انسانی طاقت سے باہر کاموں میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے وہ اللہ کے اس دیئے ہوئے اختیار میں مستقل اور مختار ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم اور ارادہ (یعنی کیا کرے گا یا اسے معطل کرنا) کو اب اس میں کوئی دخل نہیں

رہا۔ یہ دونوں صورتیں کفر اور شرک ہیں۔ مشرکین مکہ ملائکہ اور بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے۔
تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو نہ تو مستقل بالذات سمجھے اور نہ ہی مستقل بالعرض یعنی اوپر والی دونوں صورتیں نہیں ہیں۔ لیکن اس غیر کے ساتھ مستقل بالذات والا معاملہ کرے۔ یعنی اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔ تو یہ حرام ہے۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ استعانت بالغیر میں اس غیر کے مستقل ہونے کا شبہ ہو جیسے روحوں سے مدد مانگنا۔ اگرچہ اسے مستقل اختیار نہ سمجھتا ہو۔ لیکن مشرکین چونکہ ارواح کو فاعل مستقل (مستقل اختیار والے) سمجھ کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لیے ان کے طریقہ کی تائید ہوگی۔ اس لیے یہ بھی حرام ہے۔ بلکہ استعانت کی چوتھی صورت کفر ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔
اب رہی استعانت کی پانچویں صورت کہ ایسے کام جو انسانی طاقت سے باہر نہ ہوں۔ اور کارخانہ دنیا کے اسباب کے ساتھ ان کا تعلق ہو۔ اور کسی شخص کو ان کے لیے فاعل مستقل (مستقل طور پر وہی کرنے والا ہے) ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔ چاہے وہ روزمرہ کے کام کاج ہوں جیسے روٹی کی مدد سے بھوک ختم کرنا۔ پانی کی مدد سے پیاس ختم کرنا اور دوا سے مرض کا علاج کرنا وغیرہ۔ اور چاہے وہ کام ہوں جو امور شرعیہ سے ہیں جیسے دعا۔ دم جھاڑا۔ تعویذ۔ صبر۔ نماز۔ وغیرہ۔ استعانت کی یہ صورتیں جائز اور مباح ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی۔
غیر مقلدین حضرات کی حدیث کی اسناد جن کے واسطہ سے حضور کریم صلی اللہ وعلیہ سلم تک پہنچتی ہیں۔ ان کا نام شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے ہیں۔
انہوں نے مائۃ مسائل صفحہ ۲۱ پر لکھ کر کہ "دعاء بایں طور کہ الٰہی بحرمتہ نبی و ولی حاجت مرا روا کن جائز است...... اھ" مہر ثبت کر دی ہے۔ اگر حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا عقیدہ درست نہیں تو ان کے واسطہ سے حدیث کی روایت کرنا کیسے درست ہوگی؟۔ غیر مقلدین اپنے ریت کے محل کی فکر کریں۔
اب غیر مقلدین کی بے اعتدالیاں بھی ملاحظہ ہوں۔ ان کے چند بڑے وسیلہ اور توسل کے قائل ہی

نہیں بلکہ اس سے بھی چند ہاتھ آگے نکل گئے۔

وسیلہ اور توسل کے بارے میں غیر مقلدین کے امام نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں کہ زندہ یا مردہ ہر کسی کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ لانه اذا ثبت جواز التوسل بغير الله فأى دليل يخصه بالاحياء (ہدیۃ المہدی صفحہ ۴۷) اس لئے کہ جب غیر اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا جائز ہے تو پھر کون سی دلیل کے ساتھ اس کو صرف زندوں کو وسیلہ بنانے کے ساتھ مختص کیا جاتا ہے۔

ہدیۃ المہدی صفحہ ۴۹ پر مزید لکھتے ہیں اختلفوا فی الدعاء بحق فلان او حرمة فلان كما هو المرسوم عند الصوفية كلهم فقال البعض لا يجوز لانه ليس على الله حق لا حد والصحيح جوازه (تمام صوفیاء کے ہاں جو دعاء میں بحق فلاں یا بحرمۃ فلاں کیساتھ دعا کی جاتی ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز ہے۔

غیر مقلدین کے علامہ وحید الزمان حیدر آبادی نے ایک کتاب ہدیۃ المہدی حضرت امام مہدی علیہ السلام کو ہدیہ کرنے کے لیے لکھی ہے۔ اس کے جزو اول صفحہ نمبر ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے استعانت کرنا اور ان سے مدد چاہنا جائز ہے۔ شرک نہیں۔ ہر بات پر شرک شرک کی رٹ لگانے والوں کا اپنا عمل ملاحظہ ہو۔

اور اسی ہدیۃ المہدی جز داول صفحہ ۲۵ پر علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علیؓ یا کسی ولی کو یہ خیال کر کے دور سے ندا کرے کہ ان کی سماعت عامۃ الناس کی سماعت سے اوسع ہے تو یہ شرک نہیں۔

مترجم صحاح ستہ علامہ وحید الزماں صاحب نے تو جو کہا سو کہا۔ مسلک اہل حدیث کے "شیخ الکل" علامہ نذیر حسین دہلوی (جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح پڑھایا تھا) انہوں نے تقلید کے خلاف برصغیر ہندوستان میں تقلید کے خلاف پہلی کتاب "معیار الحق" کے نام سے لکھی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴۱۹ پر اپنے دستخط کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں " العاجز محمد نذير حسين عافاه

الله فی الدارین بجاه سید الثقلین "اور اسی کتاب معیار الحق کے صفحہ ۴۴۱ پر مزید وضاحت سے لکھتے ہیں۔ و ابقا مدی الزمان سالما عن مطاعن اهل البدعة و الطغیان بحرمة سید الثقلین جد الحسن و الحسین۔ آمین آمین آمین۔

احناف کو تو چھوڑیئے۔ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب ان غیر مقلدین حضرات کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟ یا پھر اس مسئلہ میں غیر مقلدین حضرات ذاکر نائیک صاحب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

☆ قبروں کی مجاوری

نواب وحید الزماں حیدر آبادی غیر مقلد اپنی مشہور کتاب "نزل الابرار من فقہ النبی المختار" میں لکھتے ہیں "حصول برکت کے لئے اولیاء کی قبروں کی دربانی اور مجاوری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امت کے بہت سے صلحا اور فضلاء سے یہ منقول ہے" (جلد اول صفحہ ۲۴۱)

نواب وحید الزماں صاحب غیر مقلد اپنی مشہور کتاب "ہدیۃ المہدی" کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں "کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ نبی یا غیر نبی کی مجاوری اور خدمت شرک ہے"

فرقہ لامذہبیہ کے امام نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب التاج المکلل کے صفحہ ۱۷۸ پر شیخ محی الدین ابن عربی کی قبر کی زیارت اور اس کے برکت حاصل کرنے والوں کا ذکر کرتے ہیں۔ "مقریؒ" کا بیان قلم بند کرتے ہیں کہ "میں بار ہا دفعہ برکت حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی قبر پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہاں انوار کی بارش ہو رہی ہے اور وہاں کے ظاہر و باطن حالات کا جس طرح مشاہدہ ہوتا ہے۔انصاف کی بات یہ ہے کہ کسی کو ان سے انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی"۔اگر اس بیان میں کوئی قباحت ہوتی تو نواب صاحب اس ذکر نہ کرتے اور اگر نقل کر ہی دیا تھا تو اس کا رد کرتے مگر ایسا کچھ بھی نہیں کیا گیا۔

☆ عقیدہ وحدت الوجود

نظریہ وحدۃ الوجود کے اولین موجد شیخ محی الدین ابن عربیؒ امت میں مختلف فیہ شخصیت رہے ہیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولوی فضل حسین مظفر پوری بہاری میاں صاحب کی سوانح "الحیاۃ بعد المماۃ" صفحہ ۱۴۳ پر لکھتے ہیں "اور جب آپ (یعنی میاں نذیر حسین دہلوی) کتاب الرقائق کا درس دیتے اور تصوف کے حقائق ونکات بیان کرتے تو فرماتے صاحبو! ہمیں تو یہاں احیاء العلوم نظر آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ طبقہ علماء میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرماتے تھے "واقعی آپ خاتم ولایت محمدیہ ہیں"

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں "خاتم الاولیاء کا لفظ غلط ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں...... خاتم الاولیاء تو درحقیقت اس شخص کے لیے موزوں ہوگا جو خدا ترسوں اور پرہیزگاروں میں سب سے آخری ہوگا۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۴)

اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں میاں نذیر حسین دہلوی کا غیر مقلدوں کے ہاں مقام ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب جو فرقہ لامذہبیہ کی بڑی قد آور شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور جن کے بارے میں غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بڑی قربانیاں دے کر ہندوستان کے چپے چپے میں غیر مقلدیت کو پھیلایا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے بعد غیر مقلدیت کی دعوت (حضرت شاہ ولی اللہ" کے مسلک حنفیت پر حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ کا مضمون ماہنامہ الفرقان لکھنو میں شاہ ولی اللہ نمبر میں ملاحظہ کریں) میں جو کسی حد تک (بزعم خویش) اضمحلال آگیا تھا۔ میاں نذیر حسین صاحب نے اپنا سب کچھ قربان کرکے اس دعوت کو از سرنو زندہ کیا، اسی لئے آپ کو مجدد کے لقب سے نوازا گیا۔

ہم واپس اپنے موضوع "توسل یا وسیلہ کے بارے میں غیر مقلدین کی بے اعتدالیاں" پر آتے ہیں۔

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان صاحب غیر مقلد نے اپنی مشہور کتاب ہدیۃ المہدی میں غیر اللہ سے توسل جائز ہی نہیں بلکہ غیر مقلدین کا عقیدہ ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "فصل" اللہ تعالیٰ کی جناب میں انبیاء وصالحین سے توسل کے جواز میں امت کا اختلاف ہے۔ بعض نے مطلقاً ناجائز کہا

ہے۔ بعض نے زندوں سے جائز اور مردوں سے ناجائز قرار دیا ہے۔ یہی عز الدین عبد السلام کا قول ہے اور مروزی نے ''المنسک'' میں ہمارے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ آپ نبی سے وسیلہ پکڑتے تھے۔ اور ابن قیمؒ نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے (یعنی زندوں سے جائز اور مردوں سے ناجائز) جبکہ اُن کے شیخ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ ہمارے علماء میں سے ''سبکی''۔ ''شوکانی'' اور نواب صدیق حسن خان صاحب نے تیسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ (یعنی زندوں، مردوں، نبیوں، ولیوں سب سے علی الاطلاق جائز ہے) اور یہی قول مختار ہے۔ اس لئے کہ جب غیر اللہ سے توسل کا جواز ثابت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف زندوں کے ساتھ خاص ہو'' (تفصیل کے لیے ہدیۃ المہدی صفحہ ۴۷ تا ۴۹ ملاحظہ ہو)

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان اپنا اور غیر مقلدین کا مذہب یوں بیان کرتے ہیں'' دعا بحق فلاں۔ اور بحرمت فلاں۔ جو تمام صوفیاء کے یہاں رائج ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں اس لئے کہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن صحیح قول جواز ہی کا ہے۔ کیونکہ قرآن اور احادیث صحیحہ میں لفظ ''حق'' وارد ہوا ہے۔''

یہی نواب وحید الزماں صاحب اپنی کتاب نزل الابرار میں لکھتے ہیں'' انبیاء اور صالحین سے توسل جائز ہے اور اس میں زندے مردے سب برابر ہیں (صفحہ ۵)

غیر مقلدین میں نزل الابرار عقائد و احکام کے موضوع پر ایک شاہکار تصنیف تصور کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہدیۃ المہدی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگالیں کہ یہ کتاب امام مہدی کو ہدیہ کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔ ان کتابوں کے حوالہ جات کے بعد غیر مقلدین کے لیے کوئی راہ فرار ہے؟

غیر مقلدین کے ایک اور قد آور عالم ابو المکارم محمد علی بن علامہ فیض اللہ مئوی (۱۲۷۶ھ تا ۱۳۵۲ھ) جو میاں نذیر حسین دہلوی صاحب کے شاگرد ہیں اور ہندوستان کے سرکردہ علماء عقیدہ سلفیہ میں سے تھے۔ اپنی کتاب الجوابات الفاخرۃ صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں'' لفظ یا رسول اللہ'' سے مراد یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صرف وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور مصیبت اللہ ہی دور فرماتے

ہیں۔ یا یہ کہے کہ: اے اللہ کے رسول میں فلاں مشکل سے چھٹکارے میں آپ کو واسطہ بناتا ہوں۔ تو یہ جائز ہے"

☆ قبروں پر سجدہ

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان حیدر آبادی صاحب نے امام مہدی کو ہدیہ کرنے کے لئے جو کتاب لکھی اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ "اگر قبروں پر اس قسم کے یا ان سے بھی اہم افعال کیے جائیں مثلاً سجدہ، رکوع اور طواف جو بطور عبادت نہ ہوں بلکہ صرف شعائر خداوندی اور اولیاء مقربین کی تعظیم و تکریم کی نیت سے ہوں تو فیما بینہ و بین اللہ شرک نہیں ہوگا۔ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۱۲)

☆ اولیاء کا تصرف

نواب وحید الزماں حیدر آبادی اولیاء اللہ کے لیے کائنات میں تصرف کی قدرت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "اور حدیث ابدال میں آیا ہے کہ ابدال میری امت میں تیس (۳۰) آدمی ہوتے ہیں ان ہی کے ذریعہ سے نظام عالم قائم ہے اور ان ہی کے توسط سے بارش کا نزول ہوتا ہے اور ان ہی کے واسطے سے دشمنوں پر مدد ملتی ہے (ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۷)

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "بہر حال ابدال کے بارے میں جو حدیث مرفوع ہے۔ اقرب یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے" (فتاویٰ ابن تیمیہ ۴۴۱ جلد ۱۱)

اب غیر مقلد کس کی بات مانیں گے؟۔

☆ استعانت بغیر اللہ

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے "کتاب التعویذات" میں تحریر کیا ہے۔ "اما بعد! اس مختصر تحریر میں بعض ادعیہ ماثورہ و اعمال صحیحہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو تعلق عوارض و آفات سے حیات تا ممات ہے۔ مجھ کو اپنے مشائخ حدیث و علماء دین سے ان کی اجازت حاصل ہے"۔

عمل برائے حفاظت جان۔ نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں "جو شخص سورۃ ہود لکھ کر اپنے پاس

رکھے کوئی حرف مٹے نہیں اس پر اثر ہتھیار کا نہ ہوگا۔ (کتاب التعویذات صفحہ ۳۹)

برائے حمی ربع (باری کا بخار)۔ محموم غسل کرے اور چوب حنا سے یا کسی اور چوب سے اس کے ذراع ایمن پر لا الہ الا اللہ اور ذراع ایسر پر محمد رسول اللہ اور ساق ایمن پر جبرئیل اور ساق ایسر پر میکائیل اور شق ایمن پر اسرافیل اور شق ایسر پر عزرائیل لکھ دے وہ بہت جلد صحت پائے گا۔ (کتاب التعویذات صفحہ ۴۵) اس عمل میں غیر اللہ جبرئیل اور میکائیل وغیرہ سے استعانت کی صراحت ہے جو ایک قسم کا شرک ہے۔

شرکیہ الفاظ سے سانپ اور کتے وغیرہ کے کاٹے پر دم کرنے کے بارے میں امام جماعت غرباء اہلحدیث کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔ ''بہتر تو نہیں۔ ہاں اگر کسی مسلمان کی خیر خواہی کے لئے بوقت ضرورت ومجبوری کر بھی دے تو کوئی مضائقہ نہیں''۔ (صحیفہ اہلحدیث۔ رمضان ۱۹۳۹ء) اس پر ابو محمد عبدالستار کے دستخط ہیں۔ ان کے والد مولانا عبدالوہاب دہلوی مزید لکھتے ہیں۔ ''سانپ۔ بچھو۔ کتے وغیرہ زہریلے جانوروں کے کاٹے پر شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم دم جھاڑا کردے تو کوئی مضائقہ نہیں''۔ (صحیفہ اہلحدیث۔ جمادی الثانی ۱۹۴۱ء)

☆بخاری شریف سے توسل

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے ''کتاب التعویذات'' میں تحریر کیا ہے۔

امام بخاریؒ مستجاب الدعوات تھے اور قارئین صحیح (بخاری) کے لئے انہوں نے دعا فرمائی تھی۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کو پڑھ کر بارش طلب کی جاتی ہے اور اس کے اندر جو حدیثیں ہیں ان کی صحت وقبول پر اہل اسلام کا اتفاق ہے (کتاب التعویذات صفحہ ۹۴)

''............بالجملہ نفع اس کتاب کی قرأت کا تجربہ علماء محدثین واہل معرفت وفقہ میں درجہ شہرت وتواتر کو پہنچ چکا ہے اس حد تک کہ جس کا انکار نہیں ہوسکتا...... اس میں کسی کا خلاف من جملہ اہل علم کے معلوم نہیں بلکہ منفعت اس کی قرأت وختم کے واسطے رفع آفات وحصول سلامت کے مجرب ہے۔ لہذا جب سے یہ کتاب تالیف ہوئی ہے ہر قرن میں اہل علم نے ساتھ اس کے توسل کیا ہے اور کس

طرح نہ کرے کہ بعد کتاب اللہ کے یہ کتاب اصح کتب اسلام ہے۔ روئے زمین پر اس کا قاری و متوسل و معتقد و حامل ہر خیر و برکت کے لائق ہے" (کتاب التعویذات صفحہ ۹۳)

☆ مغاریہ صلوۃ ناریہ اور توسل

صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزمان حیدر آبادی ہدیۃ المہدی صفحہ ۱۰۸ پر لکھتے ہیں "اس کو مغاریہ صلوۃ ناریہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جب یہ درود ایک مجلس میں واسطے تحصیل مطلوب یا دفع مرعوب کے بعد ۴۴۴۴ پڑھی جاتی ہے تو وہ مقصد سرعت میں مثل نار کے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا اس کو اہل اسرار مفتاح الکنز المحیط لنیل مراد العبید کہتے ہیں"۔ اس کے بعد درود کا صیغہ اس طرح بیان کیا گیا ہے "اللھم صل صلوۃ کاملۃ وسلم سلاما تاما علی سیدنا محمد تنحل به العقد و تنفرج به الکرب و تقضیٰ به الحوائج و تنال به الرغائب و حسن الخواتم و یستسقیٰ الغمام بوجهه الکریم وعلیٰ اله و صحبه فی کل لمحة و نفس بعدد کل معلوم لك (کتاب التعویذات صفحہ ۹۶)

اے اللہ! ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل و مکمل درود و سلام نازل فرما۔ جن کے صدقہ و طفیل میں مصائب کی گرہیں کھلتی ہیں۔ پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ انہی کے وسیلے سے دل پسند نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور حسن خاتمہ نصیب ہوتا ہے اور انہی کے باعزت چہرے کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ رب کریم! تو آپؐ پر اور آپ کی آل اور تمام صحابہ پر دم نازل فرما۔ ہر آن دم بدم جتنی چیزیں تیرے علم میں ہیں ان کی لاتعداد تعداد کے برابر۔

مذکورہ بالا تفصیل اور حوالہ جات کے بعد غیر مقلدین توحید کے کھوکھلے دعویٰ کو کیسے سنبھالا دیں گے؟۔

☆ بے مثال جہالت

ایک پروگرام "گفتگو" میں کسی عورت نے فون پر پوچھا کہ حوروں کے ساتھ قرآن میں غلمان کا لفظ آیا ہے یہ کیا ہے؟ جواب میں ڈاکر نائیک صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں حوروں کا ذکر آیا ہے حور کہتے ہیں خوبصورت آنکھ والی کو۔ غلمان کا ذکر نہیں آیا۔

☆حیرت کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نام کے ساتھ عظیم اسلامی سکالر کا سابقہ لگا ہوا ہے اور قرآن سے ناآشنائی کا یہ حال ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن میں دو بار (سورۃ طور آیت ۲۴۔ سورۃ صافات آیت ۴۸) میں لفظ غلمان آیا ہے۔ اور سورۃ واقعہ آیت نمبر ۱۷ اور سورۃ دہر میں اس کا ہم معنی لفظ ولدان استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر بیان القرآن۔ تفسیر معارف القرآن)۔ ہمارے دینی مدارس کے چھوٹے سے چھوٹے۔ کم عمر حافظ قرآن کو بھی یہ چیزیں معلوم ہیں۔ اور اساتذہ انہیں متشابہات تک یاد کرواتے ہیں۔

☆ کفار کے لباس سے مشابہت

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی تقریر "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے سوالات اور جوابات میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"اور چھٹی شرط یہ کہ آپ کو ایسے کپڑے نہ پہننے چاہیئں جو کہ اس بات کے غماز ہوں کہ آپ دہریے ہیں یا کافر ہیں۔" (بحوالہ خطبات ڈاکر نائیک پارٹ نمبر 1 صفحہ 327 اور 407)

حالانکہ ڈاکٹر صاحب خود وہی لباس پہنتے ہیں جس سے کفار کی مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی گفتگو بعنوان عالمی بھائی چارہ میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"پانچوں اصول مرد اور عورت پر یکساں لاگو ہوتے ہیں۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ آپ کا لباس کفار کے لباس سے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی کوئی ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے جو کسی خاص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی پہچان بن چکا ہو۔ (بحوالہ خطبات ڈاکر نائیک۔ صفحہ 387)

ایک اور سوال کے جواب میں ڈاکر نائیک صاحب کہتے ہیں:

"پہنا گیا لباس ایسا ہو کہ جس میں کفار کی مشابہت نہ ہو۔ یعنی ایسا لباس نہ پہنا جائے جس سے کفار کے کسی گروہ کی کوئی شناخت بطور خاص وابستہ ہو یا اس پر کچھ ایسی علامات بنی ہوں جو کفار کے مذاہب کی ترجمان ہوں۔" (بحوالہ خطبات ڈاکر نائیک۔ صفحہ 482)

☆ ٹائی کلچرل ڈریس

ٹائی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "ٹائی پہننا حرام نہیں۔ عرب توپ پہنتے ہیں۔ تلک لگانا ہندو کی نشانی ہے۔ ٹائی کلچرل ڈریس تھا۔ کچھ ممالک میں شروع ہوا۔ بوسینیا میں ٹھنڈی (سردی) تھی۔ کپڑے کو باندھنے کے لیے گانٹھ باندھ دی گئی (گرہ لگادی گئی)۔ اور یہ فیشن ہوگیا۔ جو کلچر شریعت کے خلاف نہیں وہ کرنا حرام نہیں۔ جو کلچر شریعت کے خلاف ہے وہ حرام ہے۔ بعض جگہوں پر مرد آدھی چڈی (نیکر) پہنتے ہیں۔ یہ آدھی چڈی پہننا حرام ہے۔ کوٹ حرام نہیں ہے۔ کوٹ پہن سکتے ہیں۔ شرٹ کا ذکر (سورۃ) یوسف میں پانچ مرتبہ ہے۔ عرب توپ پہنتے ہیں۔ یہ صلیب کی نشانی ہے۔ ہاتھ نیچے کر کے پہنتے ہیں۔ ہاتھ اونچے کریں گے تو صلیب کی نشانی ہے۔ (یہاں ڈاکٹر صاحب نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دکھائے)۔ لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ ٹائی عیسائی مذہب کی نشانی ہے۔ یہ کلچری ڈریس ہے۔ بوسینیا میں مسلمان زیادہ ہیں غیر مسلموں سے۔ یہ مباح ہے۔ میں بہت سے ملکوں میں جاتا ہوں۔ سنگاپور۔ جرمنی۔ ملائشیا۔ یہ ستر کا لباس ہے۔ وہاں دعوت کے میدان میں مدد ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیز شریعت کے خلاف ہے اور دعوت کے میدان میں نہیں کرنا چاہیے۔ ٹائی پہننا فرض نہیں مباح ہے"۔ (یہ بے ربط الفاظ ڈاکٹر صاحب کے ہیں)

☆ ڈاکٹر صاحب نے ٹائی کو بوسینیا کا کلچرل ڈریس کہا ہے۔ لیکن اس کی جو تصویر کھینچی ہے وہ ان کی ٹائی سے مختلف ہے۔ اسے مفلر کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ پھر اس کی وجہ خود ہی بتادی کہ وہاں اسے سردی کی وجہ سے پہنا جاتا ہے۔ جب کہ ٹائی شدید گرمی میں بھی لٹکائی جاتی ہے۔ دنیا میں اس کا رواج غیر مسلموں کے ذریعہ ہی ہوا ہے۔ عربوں کے لباس "توپ" کو صلیب کی شکل بتانا اور ہاتھ پھیلا کر خود مصلوب بن جانا ڈاکٹر صاحب کے دماغ میں خلل کی نشانی ہے۔ کیونکہ وہ خود ہی سورۃ یوسف سے "شرٹ" ثابت کر رہے ہیں جو قبل از مسیح کا واقعہ ہے۔ اور عربوں کا کلچر اور بود و باش کسی کی مستعار لی ہوئی نہیں۔ جب کہ بوسینیا میں عیسائیوں نے زبردستی اپنا کلچر ٹھونسا جس طرح سپین۔ اندلس اور قرطبہ میں مسلمانوں کی شناخت مٹانے کی پوری کوشش کی۔ پوری دنیا میں ٹائی کہیں بھی

اور کبھی بھی مسلمانوں کا کلچر نہیں رہی۔ آج بھی یہ غیر مسلم کی نشانی یا یہود و نصاریٰ سے محبت کی علامت ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب خود بیان کر چکے ہیں کہ ”اور چھٹی شرط یہ کہ آپ کو ایسے کپڑے نہ پہننے چاہئیں جو کہ اس بات کے غماز ہوں کہ آپ دہریے ہیں یا کافر ہیں۔“ نیز یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ ”پہنا گیا لباس ایسا ہو کہ جس میں کفار کی مشابہت نہ ہو۔ یعنی ایسا لباس نہ پہنا جائے جس سے کفار کے کسی گروہ کی کوئی شناخت بطور خاص وابستہ ہو یا اس پر کچھ ایسی علامات بنی ہوں جو کفار کے مذاہب کی ترجمان ہوں۔“

ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے کہ ”میں بہت سے ملکوں میں جاتا ہوں۔ سنگاپور۔ جرمنی۔ ملائشیا۔ یہ سوٹ کا لباس ہے۔ وہاں دعوت کے میدان میں مدد ہوتی ہے“۔ اگر ان کا یہ دعویٰ درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی سوچنا ہوگا کہ صحابہ سے لے کر آج تک کسی مبلغ نے اسے ضروری قرار کیوں نہیں دیا؟۔ بلکہ صحابہ اور بزرگان دین جہاں بھی دین کی تبلیغ کے لئے گئے ان پر اپنے نقش چھوڑے نہ کہ ان کے آثار کو پہننے سے لگایا۔ دعوت کے میدان میں خلوص سے مدد ملتی ہے، بہروپیا بننے سے نہیں۔

☆(اگر چہ چند علماء کا ٹائی کے بارے میں تفرد موجود ہے)

☆ کرسچن سے شادی

ایک پروگرام ”گفتگو“ میں آکسفورڈ سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہ کرسچن سے شادی جائز ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر نائیک صاحب جواب دیتے ہیں کہ جو شرک نہیں کرتے ان سے شادی کر سکتے ہیں۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر 5 کے تحت کر سکتے ہیں۔ لیکن سورۃ بقرہ میں ہے کہ مشرک سے نہیں۔

☆اگر ڈاکٹر صاحب کا ذرا بھر بھی اسلامی تعلیمات کا مطالعہ ہوتا تو یہ بات نہ کہتے۔ ڈاکٹر صاحب دماغ پر زور دے کر بتلائیں کہ وہ کون سے عیسائی ہیں جو شرک نہیں کرتے۔ ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی جانتا ہے کہ ہر عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کا قائل ہے۔ اور وہ اقانیم ثلاثہ کو الٰہ کہتا ہے۔ اُقنوم مذہب عیسوی میں تثلیث کے ہر جزء کو کہتے ہیں۔ یعنی باپ۔ بیٹا اور روح القدس۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں

مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح سے منع فرما دیا تھا۔ نیز انہوں نے حکم جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ کے حلال کو حرام نہیں کر رہا بلکہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے روک رہا ہوں۔ اخرجه الحافظ ابن کثیر فی تفسیر قوله تعالیٰ و لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن۔ والامام محمد فی کتاب الآثار و صرح بالکراهة و اختار انها تحریمیة فی الحربیة العلامة الشامی فی محرمات(ردالمحتار جلد۲ صفحہ۳۱۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی صحابی نے ان کے اس حکم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ ان کے سامنے وہ تمام عوارض موجود تھے جن کی بناء پر یہ حکم جاری کیا گیا۔

☆ انشورنس

ایک پروگرام ”گفتگو“ میں سعودی عرب سے کیے گئے سوال کہ انشورنس کے بارے میں بتائیں بعض اپنی جائیداد اور چیزوں کی انشورنس کرواتے ہیں کہ اگر نقصان ہو گیا تو ادارہ نقصان پورا کرے گا؟ کے جواب میں ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں کہ انشورنس اسلام میں حرام نہیں۔ لیکن انشورنس کمپنی آپ سے پیسے لے کر سود میں استعمال کرتی ہے۔ وہ سود کے ساتھ ملا ہوتا ہے یا یا غلط میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ انشورنس کا پیسہ آپ سے لیتے ہیں اور سود میں استعمال نہیں کرتے تو جائز ہے۔

☆ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے انشورنس کے ضوابط کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ اس لیے جان چھڑانے کی خاطر مختصر سا جواب دیا کہ اگر انشورنس کمپنی سودی کام میں پیسہ نہ لگائے تو جائز ہے۔ حالانکہ سوال میں واضح طور پر نقصان پورا کرنے کا ذکر ہے۔ اگر کمپنی سود میں پیسہ نہ لگائے تو کسی شخص کے نقصان کو پورا کرنے کی کس وجہ سے ذمہ دار ہے؟۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے لیے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ جب ڈاکٹر صاحب سے کسی سوال کا صحیح جواب بن نہیں پڑتا تو ان کی بے چارگی ایسی ہی ہوتی ہے۔ آئیے اب ہم مختصر اور جامع الفاظ میں انشورنس کے بارے میں بتاتے ہیں۔ جس سے سوال میں پوچھا گیا نقصان پورا کرنے کا پہلو بھی نمایاں ہو جائے گا۔

انشورنس انگریزی زبان کا لفظ ہے جسے اردو میں بیمہ اور عربی میں تامین کہتے ہیں آج کل اسے تکافل

کا نام دیا گیا ہے۔ اصطلاحی معنی میں یہ کاروبار کی ایک ایسی شکل ہے۔ جس میں بیمہ پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اور اگر بیمہ داروں میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو سب مل کر اس کی تلافی کرتے ہیں یہ تلافی بیمہ داروں کی جمع شدہ رقوم پر حاصل ہونے والے سود (جسے منافع کا نام دیا ہے) سے کی جاتی ہے۔

اب انشورنس کمپنی کی چند شرائط ملاحظہ ہوں۔

(۱) کسی بیمہ دار کو دو سال تک متواتر اقساط ادا کرنے پر اس کا اہل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم کے مقابل کم شرح سود پر قرض لے سکے۔ (۲)۔ اگر کوئی بیمہ دار سود نہ لینا چاہے تو انشورنس کمپنی اس کی ادا شدہ رقم کو سودی کاروبار میں لگا دیتی ہے۔ اور مقررہ شرائط کے مطابق مقررہ مدت کے بعد واپس کر دیتی ہے۔ (۳)۔ بیمہ دار اگر ایک معینہ رقم انشورنس کمپنی کو بالاقساط ادا نہ کرے یا اپنی بعض مالی مجبوریوں کی وجہ سے ادائیگی اقساط کا سلسلہ منقطع کر دے تو کمپنی (جو آپ سے ہمدردی اور خیر خواہی کا دعویٰ کرتی ہے) اس کی جمع شدہ رقم ضبط کر لیتی ہے۔ البتہ اگر وہ دوبارہ اقساط شروع کر دے تو دوبارہ بیمہ دار بن سکتا ہے۔ لیکن اقساط بند کر کے اپنی ادا شدہ رقم لینے کا حقدار نہیں ہوتا۔ (اب ترمیم شدہ قوانین کے تحت اگر بیمہ دار مسلسل تین سال تک اقساط کی باقاعدہ ادائیگی کرتا ہے تو اس کے بعد اقساط بند کرنے کی صورت میں اسے ادا شدہ رقم کا کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ تمام رقم واپس نہیں ملتی)۔

مذکورہ بالا شرائط پر غور کریں تو یہ غیر شرعی طریقہ پر پرایا مال ہضم کرنے کی کوشش ہے۔ نہ ہمدردی ہے نہ خیر خواہی۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نامعلوم کن احادیث صحیحہ کی بنا پر اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سرمایہ دارانہ نظام انشورنس از پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری)

☆ فضائل اعمال

(۱) ایک تقریر کے دوران ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ایک خاتون نے سوال کیا کہ ہمارے علاقہ میں آج کل ایک نیا فرقہ وجود میں آیا ہے جس کے مرد چالیس دن تک تبلیغ کے لیے گھر سے باہر جاتے

ہیں اور وہ ایک کتاب فضائل اعمال پڑھتے ہیں۔ کیا ایسی کتاب کو پڑھنا چاہیے؟۔

(۲) میرا سوال ذاکر بھائی سے ہے کہ ہمارے یہاں اسلام کو ایک نیا نام دیا گیا ہے۔ وہ تبلیغی جماعت کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں مسلمان سارے سارے دن اپنے گھروں کو چھوڑ کر مسجدوں کو جاتے ہیں اور پھر اس میں ایک ایسی کتاب پڑھی جاتی ہے جس کا قرآن و حدیث سے تعلق نہیں۔ جھوٹی حدیثیں اس میں بھری ہوتی ہیں۔ فضائل اعمال یا تبلیغی نصاب کے نام سے وہ مشہور ہے۔ آپ اس کے بارے میں براہ مہربانی تھوڑا سا واضح کر دیں۔

جواب میں ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کہتے ہیں" حالانکہ ایسے سوال کا جواب میں اکثر دیتا نہیں ہوں۔ لیکن یہ آخری سوال خواتین کی طرف سے ہے تو یہ نہیں کہتا کہ خواتین کے سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ یہ جو پوچھا تبلیغی جماعت جو ہے مسلمانوں میں ہندوستان میں خصوصاً۔ تبلیغی نصاب پڑھتی ہے۔ جس میں حدیثوں کا مکسچر ہے۔ آپ صحیح فرماتی ہیں کہ تبلیغی نصاب یا فضائل اعمال جسے کہتے ہیں اس کے اندر۔ جو مولانا زکریا صاحب (یہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ ہیں) نے لکھی تھی۔ اس میں مکسچر ہے۔ صحیح حدیث۔ ضعیف بھی ہے۔ موضوع بھی ہے۔ کہانی قصہ بھی ہے۔ تو اسے ساری حدیث کو ماننا اور ساری حدیث پر عمل کرنا صحیح نہیں۔ ہمیں عمل کرنا چاہیے صرف صحیح حدیث پہ۔ عمل کے لیے اگر آپ جاننا چاہیے ضعیف حدیث صحیح حدیث کے ساتھ مل کر صحیح ہو جاتی ہے وہ ٹھیک ہے۔ لیکن موضوع حدیث یا ضعیف حدیث کو حجت قائم کرنا یہ اسلام اور شریعت کے خلاف ہے۔ عمل کرنا ہے قرآن اور صحیح حدیث پہ۔ علم کے لیے یہ جاننا چاہتے ہیں تو الگ بات ہے۔ بعض مسلمان ایسی کتاب یا تبلیغی نصاب کو اہمیت دیتے ہیں جیسے قرآن سے زیادہ ہو۔ ہمیں قرآن پر عمل کرنا چاہیے اور صحیح حدیث پر۔ جیسے میں نے کہا بخاری ہے مسلم ہے۔ ان کی ساری حدیث ماشاء اللہ آپ کو موضوع حدیث کی ضرورت ہی نہیں۔ ساری حدیث صحیح ہے۔ پھر آپ جا سکتے ہیں۔ سنن ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ یا سنن نسائی جن میں اکثر حدیثیں صحیح ہیں ساری نہیں باقی کتابوں سے۔ ان کا مطالعہ کریں تو آپ کے علم میں اضافہ اور ہوگا۔ جو کمپائل کرنے یا تحقیق کرنے کی غرض سے باقی

کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہے۔ اور سوال تھا چالیس دن۔ میں قرآن کی کوئی آیت نہیں جانتا کہ لکھا ہو کہ چالیس دن کے لیے آپ کدھر جاؤ اور نہ حدیث نہیں جانتا ہوں جس میں کہ لکھا ہو کہ چالیس دن کے لیے کام چھوڑ کے لیے جانا چاہیے یا گشت۔

☆ جواب میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ فضائل اعمال میں موضوع حدیثیں ہیں۔ ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب تعصب کا شکار ہیں اور اپنی تمام تقاریر میں ایک خاص فرقے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہاں بھی اسی روش پر چلتے ہوئے ایسا جواب دے رہے ہیں۔ حالانکہ فضائل اعمال میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کے مستند ماخذ سے مضامین جمع کیے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں کو ایسی قبولیت سے نوازا ہے کہ وہ ساری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جارہی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں لکھا ہے کہ "اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے۔ وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ۔ تنقیح الرواۃ۔ مرقاۃ۔ احیاء العلوم کی شرح اور منذری کی ترغیب وترہیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے۔ اس لئے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کردیا"۔ (فضائل قرآن۔ از حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ۔ صفحہ ۷)

فضائل نماز صفحہ ۹۶ کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ آخری گذارش کے تحت فرماتے ہیں۔

"آخر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے۔ اور معمولی ضعف قابل تسامح ہے۔ باقی صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجے سے کہیں کم ہے"۔

فضائل درود صفحہ ۵۶ پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "اگرچہ محدثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے لیکن یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں، جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو۔ مبشرات اور منامات ہیں"۔

مندرجہ ذیل تفصیل سے معلوم ہوگا کہ فضائل اعمال کی احادیث معتبر ہیں۔ حدیث کی سند کے راوی میں بنیادی طور پر دو ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ حفظ اور عدالت۔ راوی ایسا ہو کہ اس کا حافظہ اچھا ہو۔ اور وہ نیکوکار ہو۔ فاسق و فاجر نہ ہو۔ اگر راوی میں ضعف حفظ کی وجہ سے ہے تو اس کو محدثین ضعف قریب کہتے ہیں کیونکہ متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ اور وجہ یہ بتلائی کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔ اس سے محدثین نے یہ اصول بنالیا کہ اگر ایک حدیث کی دو سندیں ہوں اور دونوں میں ایک راوی ایسا ہو کہ جس کا حافظہ کمزور ہو تو دونوں سندیں مل کر وہ حدیث صحیح مانی جائے گی۔ اسی لیے شیخ الحدیث رحمہ اللہ بہت جگہ یہ فرما دیتے ہیں کہ یہ مضمون بہت سی روایات میں آیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ شواہد اور متابعات کی وجہ سے مقبول ہے۔ ان روایات کو رد کرنا گویا قرآنی اصول کا انکار کرنا ہے۔

اگر راوی عادل نہ ہو تو اس کو ضعف شدید کہتے ہیں۔ اس لیے احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اور تاریخ میں سرے سے عدالت ہی شرط نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج (بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۱۔ ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۰۷) بنی اسرائیل سے روایت کرو کوئی حرج نہیں۔

جب ترغیب و ترہیب کے واقعات کافروں تک سے روایت کرنے کی اجازت ہے تو یہ غیر عادل راوی کیا ان یہود سے بھی بدتر ہیں؟۔ ہرگز نہیں۔ پھر یہاں بھی جب کئی طریقوں سے روایت ہو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں احکام میں ایسے راویوں کی روایت حجت نہیں۔ پس حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو روایات لی ہیں وہ قرآن پاک۔ احادیث نبویہ اور محدثین کے اصولوں کے عین مطابق لی ہیں۔ اور سب محدثین نے فضائل میں یہی طریق اختیار فرمایا ہے۔ امام نوویؒ نے مقدمہ شرح مسلم صفحہ ۲۱ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد ۱۸ صفحہ ۶۸ پر تصریح کی ہے کہ فضائل میں ضعاف مقبول ہیں۔ (بحوالہ تجلیات صفدر۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۱۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ادب المفرد" میں ضعیف احادیث جمع کی ہیں۔ڈاکٹر صاحب کو اس پر کوئی اشکال نہیں۔علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے مسائل کی ایک کتاب بلوغ المرام کے نام سے لکھی ہے۔اور انہوں نے اس میں ستاسی (۸۷) احادیث کو ضعیف لکھا ہے۔اس کتاب کو پڑھنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔اور یہ مسائل کی کتاب ہے فضائل کی نہیں۔اگر ابن حجر عسقلانی ؒ جیسے محدث مسائل میں ضعیف حدیث لکھتے ہیں اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو فضائل میں کوئی ضعیف حدیث پیش کرنے پر کیوں اعتراض ہے؟۔

ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ فضائل اعمال کے مولف حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا نام "مولانا ذکریا" نہیں بلکہ مولانا زکریا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ فضائل اعمال میں موضوع حدیثیں ہیں۔ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

اسے ڈاکٹر صاحب کے حسن فہم پر قیاس کریں یا ان کی دیانت کشی پر محمول کریں کہ وہ اپنے دعوی کے موافق فضائل اعمال میں سے ایک بھی موضوع حدیث پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

☆ جہاد

جناب ڈاکر نائیک اپنے خطاب اسلام انسانیت کے لئے رحمت ہے نہ کہ زحمت بمقام این ٹی آر سٹیڈیم حیدرآباد انڈیا 20 مئی 2006ء کے سوال و جواب کے سیشن میں کہتے ہیں کہ:

"اسلام کے ناقدین جو صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث نمبر 46 کو اچھالتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بھی مجاہد جہاد کے لئے جاتا ہے اگر وہ قتل ہو جاتا ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔اگر وہ زندہ واپس لوٹتا ہے تو اسے اس دنیا کا مال ملتا ہے۔

اکثر مخالفین جن میں ارون اشوری بھی شامل ہے اس حدیث کو نشانہ بنا کر کہتے ہیں کہ یہ کیسا مذہب ہے۔لڑنے کو کہتا ہے۔لڑائی میں مر جاتے ہیں تو جنت ملتی ہے ورنہ اس دنیا کی دولت۔

اگر آپ بھگوت گیتا باب 2 شلوک 37 پڑھیں گے تو اس میں سری کرشن ارجن سے کہتا ہے۔"ارجن اٹھو اور لڑو۔اگر قتل ہو جاؤ گے تو سورگ میں جاؤ گے۔اگر زندہ واپس لوٹو گے تو دنیا کی دولت ملے

گی۔"

ہو بہو جو کچھ بخاری شریف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا وہی سری کرشن ارجن سے کہتے ہیں۔ (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 2 صفحہ 87)

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنے خطاب اسلام انسانیت کے لئے رحمت ہے نہ کہ زحمت بمقام این ٹی آر سٹیڈیم حیدر آباد انڈیا 20 مئی 2006ء کے سوال وجواب کے سیشن میں کہتے ہیں کہ جہاد کے معنی یہ نہیں کہ کوئی بھی مسلمان جو بھی جنگ کرتا ہے وہ جہاد کے زمرے میں آتی ہے۔ خواہ اس کے پیچھے مقاصد کچھ بھی ہوں، اسے جہاد نہیں کہتے۔ لفظ "جہاد" نکلا ہے جہد سے۔ یعنی کوشش سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اپنی خواہشات کے خلاف لڑنے کا نام بھی ہے۔ معاشرے کو سدھارنا جہاد ہے۔ جہاد بالنفس بھی ہے۔ جنگ کے میدان میں دفاعی جنگ لڑنے کو جہاد کہا گیا ہے۔

(خطبات ذاکر نائیک پارٹ 2 صفحہ 89)

☆ جہاد کی غلط تشریح

جناب ذاکر نائیک اپنی تقریر جہاد اور دہشت گردی اسلامی نقطہ نظر اور مستقبل کا منظر نامہ میں کہتے ہیں:

"دوسری سرفہرست غلط فہمی جو اسلام سے منسوب ہے وہ "جہاد" ہے۔ جہاں تک جہاد کے لفظی معنی اور مفہوم کا تعلق ہے تو اس حوالے سے نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلم بھی غلط فہمی کا شکار ہیں۔

مسلمان اور غیر مسلم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایک مسلمان کسی بھی وجہ سے جو جنگ لڑتا ہے وہ جہاد کہلاتی ہے۔ خواہ وہ یہ جنگ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر لڑتا ہے، خواہ اس جنگ کی وجہ رنگ ونسل یا توسیع پسندی ہو۔ خواہ اس جنگ کا محرک زبان ہو یا اس جنگ کا کوئی بھی دنیاوی مقصد ہو۔ اسے آنکھیں بند کر کے "جہاد" قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور پھر غیر مسلم ہی نہیں، مسلمان بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔

اس غلط فہمی کی وجہ سے کسی بھی مسلمان ملک، گروہ یا انفرادی جنگ کو "جہاد" کی اصطلاح دے دی

جاتی ہے جو ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

جہاد عربی لفظ جَہْــدًا سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے کوشش کرنا، سعی کرنا، توانائی صرف کرنا، جدوجہد کرنا۔

1۔ اسلامی نقطہ نظر سے جہاد سے مراد اپنی ذاتی خامیوں اور برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

2۔ اسلامی اصطلاح میں جہاد سے یہ بھی مراد ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا۔

3۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ میدان جنگ میں اپنے دفاع کی خاطر کوشش کرنا۔

4۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کے خلاف جدوجہد کرنا۔

مثال کے طور پر اگر طالب علم امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے محنت کرتا ہے تو عربی میں کہیں گے کہ وہ جہاد کر رہا ہے۔ کوشش کر رہا ہے۔ جدوجہد کر رہا ہے۔

اگر ایک ملازم اپنے مالک کو خوش کرنے کے لئے کام کر رہا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اچھا کر رہا ہے یا برا، اس اصطلاح کے مطابق وہ جہاد کر رہا ہے۔ کوشش اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ یعنی نیک کام کے لئے بھی انسان کوشش کرتا ہے اور برائی کے لئے بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ جہاد کا مطلب کوشش ہے۔ ایک سیاستدان عوام سے ووٹ لینے کی خاطر کوشش کرتا ہے۔ اب وہ اچھا ہے یا برا لیکن عربی اصطلاح میں وہ جہاد کر رہا ہے۔ جہاد کا مطلب کوشش ہے اور اس کے مفہوم اور مطلب کے حوالے سے لوگ بڑی حد تک غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کا نظریہ ہے کہ جہاد تو صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔ اور جہاد صرف انہی سے منسوب ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم بھی جہاد کر سکتے ہیں۔ (طالب علم۔ ملازم اور سیاست دان کا جہاد ڈاکٹر صاحب کے اپنے دماغ کی اختراع ہے۔ جس کا اسلام یا جہاد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خلیق عفی عنہ)۔

ترجمہ: "اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کر دی ہے کہ اس کی ماں تکلیفوں

پر تکلیفیں جھیل کر اسے پیٹ میں رکھتی ہے۔ پھر دو سال میں اس کا دودھ چھڑاتی ہے اور یہ کہ تُو میرا شکر ادا کیا کر اور اپنے ماں باپ کا بھی۔ آخر لوٹ کے میرے ہی ہاں آنا ہے۔" (سورۃ لقمٰن سورۃ نمبر 31 آیت نمبر 14)

ترجمہ: "لیکن اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ اسے جس کا تجھے کوئی علم نہیں شریک کر تو ان کی بات نہ مان۔ مگر دنیاوی معاملات میں پسندیدہ طریقے پر ان کا ساتھ دے اور اس راہ پر چل جس کا رخ میری طرف ہے۔ پھر میری طرف ہی تم لوگوں کو آنا ہے۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔" (سورۃ لقمٰن سورۃ نمبر 31 آیت نمبر 15)

ترجمہ: "اور اگر ہم نے انسان کو والدین سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تُو میرے ساتھ اسے جس کا تجھے علم نہیں شریک بنائے تو ان کی بات نہ مان۔ میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔" (سورۃ عنکبوت سورۃ نمبر 29 آیت نمبر 8)

ان آیات کے تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلم بھی جہاد کرتے ہیں۔

ترجمہ: "ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر یا غیان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے حامیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔" (سورۃ النساء سورۃ نمبر 4 آیت نمبر 76)

یعنی ایمان والے اللہ کی راہ میں اور کفار شیطان کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ لہٰذا جہاد ایک عربی لفظ ہے جس کا مطلب صرف "کوشش کرنا" ہے۔ اس تناظر میں وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں ان کی یہ کوشش "جہاد فی سبیل اللہ" کہلاتی ہے اور وہ لوگ جو شیطان کی خاطر کوشش کرتے ہیں ان کی یہ کوشش "جہاد فی سبیل شیطان" کہلاتی ہے۔

لہٰذا جہاد کی دو اقسام ہیں۔

1۔ جہادِ خیر.................. اچھا جہاد 2- جہادِ شر.................. برا جہاد

یعنی اچھے مقصد کے لئے جہاد یا کوشش کرنا اور مذموم مقصد کے لئے جہاد یا کوشش کرنا۔

اگر ہم صرف اسلامی تناظر میں دیکھیں تو جہاد کی ایک ہی قسم ہے۔

☆ اللہ کی خاطر یعنی جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔

☆ نیکی کی خاطر جہاد کرنا۔

☆ اصلاحِ معاشرہ کی خاطر جہاد کرنا۔

اسلام میں کسی بھائی یا برے مقصد کی خاطر جہاد کرنے کا تصور تک بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں علم کی خاطر جہاد ہے۔ حصولِ دین کی خاطر جہاد ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر جہاد ہے۔ اسلامی جہاد صرف اپنی ذاتی اصلاح اور فلاحِ انسانیت کے لئے ہے۔ اس لئے جب جہاد کا ذکر آتا ہے تو جہاد فی سبیل اللہ سے مذکور ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جس کی بناء پر غیر مسلم اور مسلم دونوں نے ''جہاد'' کو ایک مقدس جنگ Holy War سمجھ لیا ہے۔ درحقیقت جب آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو اس میں کہیں بھی مقدس جنگ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کو کسی بھی صحیح حدیث میں ''مقدس جنگ'' کا لفظ یا تذکرہ نہیں ملے گا۔

مقدس جنگ کے لئے عربی کا لفظ ''حرب مقدسہ'' ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب Holy war ہوگا۔ یہ لفظ نہ تو قرآن حکیم میں مذکور ہے اور نہ یہ لفظ کسی صحیح حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔ مقدس جنگ کا لفظ تو عیسائیوں اور یہودیوں کا خود سے بنایا ہوا ڈائیلاگ ہے جنہوں نے اسلام کے حوالے سے کتابیں لکھنا شروع کیں اور بدقسمتی سے بعد میں مسلم محققین نے بھی ترجمہ کرتے ہوئے جہاد کا مطلب ''مقدس جنگ'' لکھا۔ کتنی بدقسمتی کی بات ہے۔ اور اگر کوئی اسلام کے حوالے سے ایک غلطی کرتا ہے تو یہ قانون نہیں ہو جاتا۔ اور بدقسمتی سے بعض مسلم مشاہیر نے بھی جہاد کا ترجمہ مقدس جنگ یا Holy war سے کیا ہے جو سراسر غلط ہے۔

لڑائی کے لئے قرآن پاک میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ قتال یعنی Fighting ہے۔ جس کا مطلب مارنا یا قتل کرنا ہے۔ پھر دیکھیں قتل اور لڑائی کی دو اقسام ہیں۔

1۔اچھے مقصد کی خاطر لڑائی یا قتال۔ 2۔برے مقصد کی خاطر لڑائی یا قتال۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:۔"ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر باغیان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں۔سو تم شیطان کے حامیوں سے لڑو۔بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔" (سورۃ النساء سورۃ نمبر 4 آیت نمبر 76)

ایمان والے اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی خاطر لڑائی کرتے ہیں تو ایمان والوں کو شیطان کے پیروکاروں کے خلاف لڑنے دو۔اس کا مطلب ہے برے لوگ شیطان اور شیطانی مقاصد کی خاطر لڑتے ہیں اور اچھے لوگ اللہ اور امن کی خاطر لڑتے ہیں۔لہٰذا جہاد کا مطلب کسی طور بھی "مقدس جنگ" نہیں ہے۔اور صرف قتال کا مطلب لڑائی کرنا ہے۔قتال فی سبیل اللہ کا مطلب ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر لڑنا۔اور قتال فی سبیل الشیطان کا مطلب ہے شیطان کی خاطر لڑنا۔

قرآن پاک میں جہاد کا لفظ کئی مقامات پر کئی حوالوں سے استعمال ہوا ہے۔یہ لفظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی احادیث میں بھی استعمال فرمایا ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے:

ترجمہ:۔"اور اللہ کے لئے جہاد کرو جیسا کہ اس کے لئے جہاد کرنے کا حق ہے۔اسی نے تمہیں چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔" (سورۃ الحج سورۃ نمبر 22 آیت نمبر 78)

ترجمہ:۔"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ہے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے وہ اللہ کے ہاں بہت ہی بڑے درجے والے ہیں اور وہی مرادیں پانے والے ہیں۔" (سورۃ توبہ سورۃ نمبر 9۔آیت نمبر 20)

چند فقروں کے بعد ڈاکٹر نائیک کہتے ہیں:

"اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے

ترجمہ:۔ "مجاہد وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد (کوشش) کرتا ہے اور صرف اللہ ہی جانتا ہے

کہ کون فی الحقیقت اس کی راہ میں خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے جو مسلسل روزے رکھتا اور عبادت کرتا ہے۔ اور اگر ایک مجاہد یعنی اللہ کی راہ میں کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے تو اسے جنت عطا کی جائے گی اور اگر وہ واپس آتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت میں نیک صلہ ملے گا۔" (صحیح بخاری جلد چہارم حدیث نمبر 46)

ترجمہ:۔"اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو صرف اپنی ذات کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اللہ تو جہان والوں سے بے نیاز ہے۔" (سورۃ عنکبوت سورۃ نمبر 29 آیت نمبر 6)

چند فقروں کے بعد ذاکر نائیک کہتے ہیں:

"اسی طرح آپ کو بہت سی احادیث نبوی میں بھی یہی بات ملے گی اور جہاد کے موضوع پر بہت سے ارشادات نظر آئیں گے۔

ترجمہ:۔"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کیا ہمیں جہاد کے لئے نہیں جانا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تمہارا بہترین جہاد مکمل حج ہے۔" (صحیح بخاری جلد چہارم حدیث نمبر 2784)

ایک اور مقام پر صحیح بخاری کی حدیث شریف میں موجود ہے کہ:

ترجمہ:۔ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! کیا مجھے جہاد پر جانا چاہیے؟ (یعنی برے لوگوں کے خلاف لڑنے کے لئے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا۔ پھر ان کی خدمت تمہارے لئے بہترین جہاد ہے۔ (صحیح بخاری جلد چہارم حدیث 5792)

ایک اور موقع پر سنن نسائی شریف میں ہے:

ترجمہ:۔ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ بہترین جہاد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین جہاد جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق یعنی سچ بات کرنا ہے۔ (سنن نسائی۔ حدیث نمبر 4209)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف باتوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور سب سے بہترین جہاد حج اکبر کو بھی قرار دیا گیا ہے۔

ایک موقع پر والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔

ایک موقع پر حج کو جہاد قرار دیا۔

ایک موقع پر جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق بیان کرنے کو بہترین جہاد قرار دیا گیا۔

حضرت سعید بن ابان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "مجاہد وہ شخص ہے جو اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے خلاف لڑتا ہے (اپنی خواہشات کو زیر کرنے کے لئے اپنے آپ سے جنگ کرتا ہے) اور مہاجر وہ شخص ہے جو برائی سے اچھائی کی طرف ہجرت کرتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ جہاد کا لفظ مختلف مقامات اور صورت احوال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس خاص صورت کے مطابق اس کی تعریف ہوتی ہے۔ لہٰذا جہاد کے بارے میں صحیح طور پر جاننے کے لئے آپ کو قرآن پاک اور صحیح احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

(اس کے بعد ذاکر نائیک ایک لڑکی اور ایک مرد کا فرضی مکالمہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں)

اسی طرح سب سے بہترین، عمدہ اور مکمل جہاد یہ ہے کہ ان لوگوں تک سچائی کا پیغام پہنچایا جائے جو اس سے بے خبر ہیں۔ جو حق اور سچ سے غافل ہیں۔ انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے۔ سب سے بہترین جہاد نیکی کی دعوت دینا ہے۔ ان لوگوں کو نیکی کا پیغام دینا جو اس پیغام سے ناآشنا ہیں اور حق نہیں پہچانتے۔ (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 2 صفحہ 110 تا 123)

ذاکر صاحب ایک پروگرام گفتگو میں جہاد کے بارے میں کہتے ہیں کہ "خلیفہ پوری دنیا میں ایک ہوگا۔ اس کے کہنے سے جہاد ہوگا ورنہ فرض نہ ہوگا۔ جدوجہد تو میں بھی کر رہا ہوں۔"

جناب ذاکر نائیک اپنی تقریر "جہاد اور دہشت گردی۔ جہاد کا اصل مفہوم" میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"جہاں تک جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق ہے تو اس کے لئے واضح احکامات اور حالات موجود ہیں اور برے لوگوں سے جنگ کا حکم ہے۔ اس حوالے سے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ موجود ہیں۔"

قرآن پاک کی سورۃ بقرہ سورۃ نمبر 2 آیت نمبر 190 تا 194 میں ہے۔

ترجمہ: "اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور کافروں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے۔ اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز رہیں تو بیشک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔ اور ایک اللہ کی عبادت ہو۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہ کرو مگر ظالموں پر۔ ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے۔ جو تم سے زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو۔ اتنی ہی جتنی اس نے کی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 2 صفحہ 131)

☆ لغت میں جہاد کا معنی

جہاد اسلام کی اصطلاح ہے۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی چوٹی کہا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "کہ غیر مسلم بھی جہاد کرتے ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب نے جہاد کی اصطلاح کو بگاڑ کر دینی اصطلاحات "اچھا جہاد۔ برا جہاد" متعارف کرائی ہیں۔ اور اسے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ یہ تفسیر بالرائے کے زمرہ میں آتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جہاد کی ایک ہی قسم ہے۔ ایک جگہ ڈاکٹر صاحب نے حج اکبر کو جہاد قرار دے دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ تقسیم دینی اصطلاحات کو بگاڑنے کی بدترین کوشش ہے۔

؎ نہ آتا ہمیں اگر مرنا تو جینا بھی نہیں آتا بہائے خون کیا جس کو پسینہ بھی نہیں آتا

نیز جہاد کے بارے میں بخاری شریف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو کرشن ارجن

کے بیان کے ساتھ ملانا بھی وحدت ادیان یا عالمی بھائی چارہ کا پرچار ہے۔

اسی طرح مسلم مشاہیر میں سے کسی نے بھی جہاد کا ترجمہ مقدس جنگ یا Holy war سے نہیں کیا بلکہ مودودی صاحب۔ وحید الدین خان۔ محمد حسین بٹالوی اور ان جیسے غیر مقلدین نے اپنی تالیفات میں مسلم مشاہیر کی طرف نسبت کردی ہے چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بھی ان کی تقلید میں بغیر حوالہ اتنی لمبی تقریر کردی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان مشاہیر کا نام بھی بتا دیتے تا کہ معلوم ہو سکتا یہ مشاہیر انہی غیر مقلدین کے تو نہیں ہیں۔

☆ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ لفظ جہاد لڑائی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ لہذا جہاد ایک عربی لفظ ہے جس کا مطلب صرف ''کوشش کرنا'' ہے۔ جبکہ مشہور نحوی خلیل بن احمد الفراہیدی جن کی مشہور کتاب ''کتاب العین'' ہے۔ جو اس وقت لغت کی اولین کتب میں سر فہرست ہے وہ جہاد کا معنی قتال یعنی لڑائی بتاتے ہیں۔

وجاهدتُ العدوَّ مُجاهدةً وهو قتالُك إيّاه۔

(كتاب العين ۔المؤلف :الخليل بن أحمد ۔حرف الهاء ۔باب الهاء والجيم والدال معهما۔)

دیگر لغویوں کی رائے ملاحظہ ہو۔

لغت کی معروف کتاب القاموس کی ضخیم شرح تاج العروس میں مرقوم ہے۔

والجِهَادُ بالكسر :القِتَالُ مع العَدُوِّ كالمُجَاهَدَة قال الله تعالى : " وجاهِدُوا في الله " يقال جَاهَدَ العَدُوَّ مُجاهدةً وجِهَاداً :قاتَلَه

(باب الدال المهملة ۔تاج العروس من جواهر القاموس ۔المؤلف :محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني أبو الفيض الملقّب بمرتضى الزَّبيدي)

لسان العرب کے مصنف ابن منظور افریقی کی رائے ملاحظہ ہو۔

وجاهَدَ العدوَّ مُجاهَدة وجِهاداً قاتله

(حرف الدال ۔لسان العرب ۔المؤلف :محمد بن مکرم بن منظور الأفریقی المصری)

القاموس المحیط میں بیان کردہ معانی بھی ملاحظہ ہوں ۔وبالکسر :القِتالُ مع العَدُوِّ کالمُجاهَدَةِ۔

(فَصلُ الجیم۔ باب الدّال۔ القاموس المحیط ۔المؤلف :الفیروز آبادی)

ہم نے جہاد کے حقیقی معنی کتب لغت سے درج کر دیے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ "اسی طرح سب سے بہترین، عمدہ اور مکمل جہاد یہ ہے کہ ان لوگوں تک سچائی کا پیغام پہنچایا جائے جو اس سے بے خبر ہیں۔ جو حق اور سچ سے غافل ہیں۔ انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے۔ سب سے بہترین جہاد نیکی کی دعوت دینا ہے"۔

دوسرے معنی میں ڈاکٹر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں جہاد اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں۔ قادیانی۔ غیر مقلدین۔ مودودی صاحب اور ان کے دیگر ہم نوا بھی یہی بات کہتے ہیں۔ غیر مقلدین کے ہم نوا جناب مودودی صاحب کا اعتراف اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

حالانکہ مشکوۃ صفحہ ۲۲۱ پر بحوالہ بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا تمہارا (یعنی عورتوں کا) جہاد حج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں بہت سی تکلیفیں ہوتی ہیں ان کا برداشت کرنا عورتوں کے بس کا نہیں یہ کام مردوں کا ہے عورتیں اگر ان کاموں سے بڑھ کر زیادہ ثواب کا کام کرنا چاہیں جو اپنے گھروں میں رہ کر کرتی ہیں تو ان کو حج کرنا چاہیے۔ ماسوائے اس کے کہ جہاد فرض عین ہو جائے تو مرد و عورت سب پر لازم ہے۔ چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عورتوں پر بھی کسی طرح کا جہاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عورتوں پر ایک ایسا جہاد ہے جس میں جنگ نہیں یعنی عمرہ اور حج اگر جہاد سے مراد قتال یعنی لڑائی اور جنگ نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کیوں فرمایا کہ عورتوں پر ایک ایسا جہاد ہے جس میں جنگ نہیں یعنی عمرہ اور حج۔

آیات قرآنی سے جہاد کا ثبوت بھی اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں

مودودی صاحب کی کتاب تفہیمات جلد اول میں جہاد فی سبیل اللہ پر ایک تقریر بعنوان جہاد فی سبیل اللہ جو ۱۳۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو یوم اقبال کے موقع پر ٹاؤن ہال لاہور میں کی گئی تھی۔ جو مسلسل شائع ہو رہی ہے۔

تفہیمات
حصہ اول
بعض معرکۃ الآرا مسائل اسلامی کی تشریح و توضیح
سید ابوالاعلیٰ مودودی
اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳۔ ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی، مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں، بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔

الجہاد فی الاسلام
سید ابوالاعلیٰ مودودی
ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ۔ لاہور

الجہاد فی الاسلام کے درج ذیل الفاظ پر غور فرمائیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، وعظ و تلقین کا جو موثر سے موثر انداز ہو سکتا تھا اسے اختیار کیا، مضبوط دلائل دیے، واضح حجتیں پیش کیں، فصاحت و بلاغت اور زور خطابت سے دلوں کو گرمایا، اللہ کی جانب سے محیر العقول معجزے دکھائے، اپنے اخلاق اور اپنی پاک زندگی سے نیکی کا بہترین نمونہ پیش کیا اور کوئی ذریعہ ایسا نہ چھوڑا جو حق کے اظہار و اثبات کے لیے مفید ہو سکتا تھا، لیکن آپ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپ کی صداقت کے روشن ہو جانے کے باوجود آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حق ان کے سامنے خوب ظاہر ہو چکا تھا۔ انہوں نے برای العین دیکھ لیا تھا کہ جس راہ کی طرف ان کا ہادی انہیں بلا رہا ہے وہ سیدھی راہ ہے۔ اس کے باوجود صرف یہ چیز انہیں اس راہ کو اختیار کرنے سے روک رہی تھی کہ ان لذتوں کو چھوڑنا انہیں ناگوار تھا جو کافرانہ بے قیدی کی زندگی میں انہیں حاصل تھیں۔ لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی اور الا کل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین (۱) کا اعلان کر کے تمام موروثی امتیازات کا خاتمہ کر دیا، عزت و اقتدار کے تمام رسمی بتوں کو توڑ دیا، ملک میں ایک منظم اور منضبط حکومت قائم کر دی، اخلاقی قوانین کو بزور نافذ کر کے اس بدکاری و گناہ گاری کی آزادی کو سلب کر لیا

جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق تفہیمات جلد اول میں بیان کی گئی رسول اللہ اور خلفائے راشدینؓ کی پالیسی

اب تفہیمات جلد اول کے صفحہ ۹۱ کی درج ذیل عبارت دوبارہ مطالعہ فرمائیں۔

"یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی، سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی، مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں، بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کر دیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔"

اس عبارت کو پمفلٹ بعنوان جہاد فی سبیل اللہ کے صفحات ۲۵ اور ۲۶ پر درج ذیل عبارت سے بدل دیا گیا ہے۔

پمفلٹ جہاد فی سبیل اللہ میں بیان کی گئی رسول اللہؐ اور خلفائےؓ راشدین کی پالیسی

"یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی۔ پھر جب ان کے برسر اقتدار لوگوں نے اس دعوتِ اصلاح کو رد کر دیا تو آپؐ نے ان کے خلاف جنگی کارروائی کا تہیہ کر لیا۔ غزوہ تبوک اسی سلسلہ کی ابتداء تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس حملے کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔"

اس تبدیلی کی ضرورت کا احساس کب ہوا؟ اور کس نے یہ تبدیلی کی ہے؟ اس کا جواب فراہم کرنا مذکورہ کتاب اور پمفلٹ شائع کرنے والے ادارہ ہی کی ذمہ داری ہے۔

مدنی آیاتِ جہاد — کل آیات ۵۵۸

بقرہ ۳۵	آل عمران ۹۲	نساء ۴۳	مائدہ ۲۰	انفال ۷۵	توبہ ۱۲۹	حج ۱۷	نور ۴	احزاب ۲۳	محمد ۳۸
۱۰۹	۱۲	۷۴تا۸۵	۲	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۳۹تا۴۱	۵۳	۹تا۲۷	مکمل سورۃ
۸۴	۱۳	۸۸تا۹۱	۳			۴۲تا۴۹	۵۴	۶۰	
۱۵۳تا۱۵۷	۲۸	۹۴تا۱۰۴	۱۱تا۳۳			۵۵	۵۵	۶۱	
۱۷۷	۱۲۰تا۱۲۳	۱۳۸تا۱۴۷	۲۰تا۲۶			۵۸تا۷۲	۶۲	۶۲	
۱۹۰تا۱۹۵	۱۳۸تا۱۴۸		۳۵			۷۸			
۲۰۷	۱۳۹تا۱۷۵		۵۱تا۵۴						
۲۱۴تا۲۱۸	۱۹۴تا۲۰۰		۸۲						
۲۳۹									
۲۴۴تا۲۵۲									
۲۶۱									
۲۶۲									
۲۷۳									
۲۸۶									

فتح ۲۹	حجرات ۵	حدید ۴	مجادلہ ۹	حشر ۱۷	ممتحنہ ۱۳	صف ۱۴	منافقون ۱۱	تحریم ۱	عادیات ۸	نصر ۳
مکمل سورۃ	۶	۱۰	۱۴تا۲۲	۱تا۱۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۹	۱تا۸	مکمل سورۃ
	۹	۱۱								
	۱۰	۱۹								
	۱۴	۲۵								
	۱۵									

مدنی اشاراتِ جہاد — کل آیات ۳۱

بقرہ ۵	آل عمران ۱۸	مائدہ ۸
۳۰	۱۳	۵۷
۳۶	۱۵	۵۸
۵۸	۱۹	۵۹
۵۹	۲۶،۲۷	۶۰
۸۹	۵۵	۶۱
	۵۶	۶۲
	۸۱	۶۳
	۱۰۰تا۱۰۴	۶۷
	۱۳۰تا۱۳۴	

مکی قصص و اشارات جہاد — کل آیات ۷۰

نحل ۲	بنی اسرائیل ۱	کہف ۱۵	انبیاء ۳	فرقان ۱	نمل ۲۳	قصص ۱	عنکبوت ۵
۱۱۰ ۱۲۶	۸۱	۸۳تا۹۷	۱۸ ۴۳ ۴۴	۵۲	۲۳تا۳۶	۸۵	۲ ۳ ۵ ۶ ۶۹
روم ۷	سبا ۱	صافات ۳	ص ۱	مؤمن ۱	محمد ۱	مزمل ۱	بلد ۱
۱تا۷	۱۱	۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴	۳۹	۵۵	۲۷	۲۰	۲

اشارات جہاد حضرت لاہوری رحمہ اللہ — کل آیات ۱۹۳

بقرہ ۵	آل عمران ۷	نساء ۳	مائدہ ۱	نور ۱	عنکبوت ۶۹	روم ۶۰	حجرات ۱۸	حدید ۲۹
۱۱۰ ۱۸۷ ۱۹۶ ۲۲۹ ۲۳۰	۱۳ ۱۵ ۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۳	۸۵ ۱۱۰ ۱۵۰	۳۲	۵۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ

(بحوالہ فتح الجواد فی تفسیر آیات الجہاد)

☆ ڈاکر صاحب کو نصاری اور ہندووں سے کوئی شکایت نہیں

جناب ڈاکر نائیک اپنی تقریر "جہاد اور دہشت گردی۔ جہاد کا اصل مفہوم" میں ڈاکٹر رچرڈ ڈیبی ہائنز جنوبی ہندوستان میں چنائی (شہر) کے لئے امریکی کونسل جنرل کی تقریر کی تائید کرتے ہیں جس نے ان کی تقریر سے پہلے تقریر کی۔

"میں (ڈاکر نائیک) ذاتی طور پر ڈاکٹر رچرڈ ہائنز کی اس بات سے اتفاق کروں گا کہ امریکی قوم اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ میں خود کئی بار امریکہ جا چکا ہوں اور امریکی عوام مجموعی طور پر اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ اور یہی بات میرے ہندوستانی بھائیوں پر بھی صادق آتی ہے کہ مجموعی طور پر ہندو اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ چند ہندووں کا ایک گروہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کر رہا ہے۔ اسی طرح چند یورپین بھی ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے اسلام کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔ ورنہ عوام الناس کو اسلام سے کوئی شکایت نہیں۔ میں اتفاق کرتا ہوں کہ امریکی عوام اور انڈین عوام مجموعی طور پر اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔ صرف تھوڑے سے انتہا پسند اسلام کے خلاف ہیں اور بد قسمتی سے یہی لوگ میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں۔"

(بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ 2 صفحہ 125)

☆ جس امریکی فوج نے افغانستان و عراق کو تباہ و برباد کر دیا کیا وہ مریخ سے آئی تھی؟ مدارس پر بمباری۔ مساجد کی بربادی۔ معصوم بچوں اور بے گناہ عوام پر ڈرون حملے شاید ڈاکٹر صاحب کی لغت کے مطابق اسلام کی محبت میں کئے جا رہے ہیں دشمنی میں نہیں۔ امریکہ میں مسلمانوں کو کتنی دشواریوں کا سامنا ہے اس کی تفصیل مشہور کالم نگار یاسر محمد خان صاحب نے ہفت روزہ ضرب مومن کراچی میں اپنے کئی کالموں میں لکھی ہے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور 11/جولائی 2009ء آخری صفحہ پر یہ دو خبریں نمایاں جگہ موجود ہیں۔

"آسٹریلیا پرتھ کی عدالت نے اسلامی مرکز میں جمعہ پر پابندی عائد کر دی کیونکہ نماز جمعہ کی وجہ سے لوگوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور علاقہ میں موجود تمام کار پارکنگ اپنے استعمال میں لے آتے ہیں"۔

دو مسلم اکثریتی علاقے ارومچی ختن میں نماز جمعہ پر پابندی لگادی۔ مظاہرہ کرنے والوں کو گرفتار کرنے کے لیے بیلی کاپٹروں کا استعمال کیا۔ گذشتہ روز مسلم اکثریتی صوبہ سنکیانگ میں بھی بعض مساجد بند کرنے پر مسلمانوں نے مظاہرہ کیا۔ اور جمعہ ادا نہیں کرنے دیا گیا"۔

مساجد کا بند کیا جانا ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کے مطابق نفرت کا نہیں تو کیا ان غیر مسلموں کی اسلام دوستی کا ثبوت ہے؟ کیا مغربی ممالک میں نماز جمعہ کی اجازت نہ دینا کفار کے تعصب کی علامت نہیں؟۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب نے اسلامی جہاد کی ترجمانی نہیں کی بلکہ اپنے مغربی آقاؤں کے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اوپر درج کیے گئے چار تقریری حوالوں میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ غیر مقلدین کے عقائد سے ہم آہنگ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

☆ انگریز اور غیر مقلدیت

انگریز جس کے اقتدار میں برصغیر میں مسلمانوں کا جینا دو بھر تھا۔ غیر مقلدین پر نوازشات برسا رہا تھا۔ لامذہبیت کے اس علم بردار فرقہ کو انگریزوں نے ہی وجود بخشا اور اسی نے پروان چڑھایا ورنہ انگریزوں سے پہلے اس جماعت کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی مشہور کتاب "ترجمان وہابیہ" کا خلاصہ یہ ہے "بھوپال کے حکام ہمیشہ "مذہبی آزادی" (غیر مقلدیت) کے لیے کوشاں رہے۔ کیونکہ یہی برطانوی حکومت کا مقصود و مطلوب ہے............ ہمیں اعتراف ہے کہ برطانوی حکومت ہی "حکومت عالیہ" ہے میں نے ہر جگہ ہر ایک کو۔ پہلے بھی انصاف کی نظر سے دیکھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ کسی ایک (مسلمان) کو بھی محض تہمت اور بہتان کی بنیاد پر سزا نہیں دی گئی ہے............ حکومت برطانیہ نے "مذہبی آزادی" کے واسطے وظائف جاری کردیئے ہیں (ترجمان وہابیہ صفحہ ۲)

☆ مذہبی آزادی سے مراد

آپ خود اندازہ کر لیجئے یہ "مذہبی آزادی" جو غیر مقلدیت سے عبارت ہے کس کے ٹکڑوں پر پل کر جوان ہوئی ہے۔ آگے فرماتے ہیں "برطانوی حکومت سے بغض وہی رکھتا ہے جو

"مذہبی آزادی" سے بغض رکھتا ہے۔ اور اپنے پیروں (پاؤں) میں آباؤ اجداد سے منقول کسی خاص مذہب (تقلید) کی بیڑیاں ڈال رکھی ہیں (ترجمان وہابیہ صفحہ ۵) یہ اشارہ احناف کی طرف ہے جو ظالم انگریز کے خلاف برسرپیکار تھے جب کہ غیر مقلدین ان سے اپنے روابط مضبوط کر رہے تھے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب آگے لکھتے ہیں۔ مروجہ مذاہب سے ہماری آزادی حکومت برطانیہ کا عین مطلوب ومقصود ہے (ترجمان وہابیہ صفحہ ۴۰)

جب انگریز کی طرف سے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جارہے تھے اور شعائر اسلام کی ادائیگی میں رکاوٹیں کھڑی کی جارہی تھیں تو برصغیر میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ نے ہندوستان کو دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

چنانچہ اس فرقہ لامذہبیہ کے شیخ الکل نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں

"مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ حکومت کی مخالفت کریں اور ہندوستان کی موجودہ حالت انہیں اجازت بھی نہیں دیتی کہ اس ملک کے دارالامن بلکہ دارالاسلام ہونے میں شک کریں" (ترجمان وہابیہ صفحہ ۸)

مزید لکھتے ہیں "یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ملک دارالاسلام ہے تو یہاں جہاد کا کیا معنی؟ بلکہ جو شخص اس حکومت کے خلاف جہاد کا ارادہ بھی کرے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے" (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵)

"نادانوں نے اپنے دین ومذہب کی رو سے برطانوی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے اور فتنہ وفساد کے ذریعہ ملک کا امن وامان (جو تخت برطانیہ کے سائے میں حاصل ہے) غارت کرنے کی جو تحریک چلا رکھی ہے اور جس کا نام ان لوگوں نے (خوش فہمی سے) جہاد رکھ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ان جاہلوں کی سخت حماقت اور بدترین جہالت کا خمیازہ ہے"۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۷)

ان کے نزدیک شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جاہل اور احمق تھے جنہوں نے جہاد کا سب سے پہلے فتویٰ جاری کیا تھا۔ نواب صدیق حسن خان صاحب مزید لکھتے ہیں۔ "انقلاب کے زمانہ میں انگریزوں سے جو جنگیں ہوئیں وہ قطعاً شرعی جہاد کہلانے کی مستحق نہ تھیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے برطانوی

حکومت کے عہد میں لوگوں کو جو امن وامان اور اطمینان وسکون حاصل تھا اس میں زبردست خلل واقع ہوا"۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۸)

(مسلمانوں کی طرف سے) "انقلاب کے زمانہ میں جو بغاوت رونما ہوئی اسے جہاد وہی کہہ سکتا ہے جو اپنے دین کی حقیقت سے جاہل اور ناواقف ہو"۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۵۷)

☆ غیر مقلدین نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں کبھی حصہ نہیں لیا

نواب صدیق حسن صاحب نے تحریک جہاد سے اپنی جماعت کی لاتعلقی کا اعلان یوں کیا ہے "کسی نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ موحدین متبعین سنت اور قرآن وحدیث کی راہ چلنے والوں میں سے کسی ایک نے بدعہدی کی ہو یا کسی قسم کی شرانگیزی اور بغاوت میں حصہ لیا ہو۔ جن لوگوں نے اس انقلاب میں شرکت کی۔ شر وفساد کی کاروائی کی اور برطانوی حکومت سے عناد رکھا وہ سب احناف مقلدین تھے نہ کہ متبعین حدیث (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵)

طائفہ لامذہبیہ کے شیخ الکل کے اس بیان پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک جہاد میں غیر مقلدین کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اسی طائفہ محدثہ لامذہبیہ کے ایک دوسرے امام میاں نذیر حسین دہلوی صاحب جو تمام زندگی انگریزوں کی وفاداری اور خوشہ چینی میں مصروف رہے اور دوسری طرف مجاہدین کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان کے احوال پر ایک ضخیم کتاب "الحیاۃ بعد المماۃ" اسی طائفہ کے ایک بزرگ شیخ فضل حسین بہاری نے لکھی ہے۔ فرماتے ہیں "میاں صاحب برٹش ایمپائر کے وفادار تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں دہلی کے اکثر علماء نے انگریزوں سے جہاد کرنے کا فتویٰ صادر کیا تو میاں صاحب اس فتویٰ پر دستخط نہ کرنیوالوں میں شامل تھے۔ اور اس انقلاب کی بابت کہا کرتے تھے" کوئی جہاد تھوڑے ہی تھا یہ تو ایک ہنگامہ اور فساد تھا۔ ہم اس فتوے پر مہر کیا لگاتے ہم نے اس پر دستخط بھی نہیں کئے" (الحیاۃ بعد المماۃ صفحہ ۱۲۷۔ از شیخ فضل حسین بہاری غیر مقلد)

یہ میاں نذیر حسین صاحب کی صرف ذاتی رائے نہ تھی بلکہ اس جماعت لامذہبیہ کے

ورجن سے ذائنہ جوئی کے علماء کا اختیار کردہ موقف تھا۔ جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے،

☆ جہاد کی منسوخی

اس فرقہ محدثہ لامذہبیہ کے ایک اور بزرگ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے پہلے والوں کو بھی مات کر دیا اور جہاد ہی منسوخ کر دیا۔ انہوں نے ایک کتاب الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھ کر اپنے انگریز آقاؤں کی خدمت میں پیش کر دی جسے انگریزوں نے عربی اور انگریزی ترجمہ کروا کر بڑی تعداد میں شائع کیا۔ اور پورے عالم اسلام میں پھیلایا۔ جس کا اقرار اسی کتاب کے صفحہ ۲ اور ۳ پر موجود ہے۔ لکھتے ہیں "یہ گمان غلط اور فاسد ہے کہ مسلمان حکومت سے بغاوت کرتے ہیں ہر گز نہیں۔ مسلمان جب تک کتاب وسنت اور فقہ پر عمل پیرا رہیں گے ان سے یہ عمل صادر ہو ہی نہیں سکتا"۔ (صفحہ ۲۵ الاقتصاد فی مسائل الجہاد)

لکھتے لکھتے انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا جذبہ اس حد تک جوش مارنے لگا کہ ایک مقام پر پہنچ کر مسلم مجاہدین پر یوں برستے ہیں۔ "جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حصہ لیا وہ سب سخت معصیت کے مرتکب ہوئے اور قرآن وحدیث کی رو سے مفسد۔ باغی اور فاجر وفاسق قرار پائے"
(الاقتصاد فی مسائل الجہاد صفحہ ۴۹)

☆ انگریزوں سے وفاداری

ان دنوں انگریزوں کو اپنی وفاداری کی یقین دہانی کراتے ہوئے انہی محمد حسین بٹالوی صاحب نے اپنے ماہانہ رسالہ اشاعت السنۃ شمارہ ۹ جلد نمبر ۸ کے صفحہ نمبر ۲ پر لکھا۔ "اس بات پر کہ جماعت اہل حدیث سرکار برطانیہ کی مخلص اور وفادار ہیں۔ سب سے قوی اور روشن دلیل یہ ہے کہ یہ جماعت اسلامی ملکوں میں بود باش اختیار کرنے کی نسبت اس سرکار کے زیر سایہ رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور ہم نے اس کو تاریخی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا ہے"۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی غیر مقلد کے بیٹے بشیر الدین احمد دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔ "ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند ؎ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(فہرست مضامین مقدمہ فرامین سلاطین صفحہ ۵۰)

نیز لکھتے ہیں۔ "یہ زمانہ بھی عدل وانصاف اور امن عام کا ہے۔ دور انگلشیہ کئی اعتبار سے خداوند تعالی کی خاص نعمت ہے۔ ہم پر جارج پنجم جیسا ملک معظم حکمران ہے۔ جس کے عہد معدلت مہد میں ہم میٹھی نیند سوتے ہیں۔ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ ہم اعتراف احسان مندی میں کہتے ہیں

تم سلامت رہو ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(فرامین سلاطین صفحہ ۲۸۵)

غیر مقلدین کے ایک اور مورخ جعفر تھانیسری صاحب لکھتے ہیں۔ "حالانکہ وہابیوں سے کسی انگریز کا قتل تو کجا بھی خلاف تہذیب بات سرزد نہیں ہوئی......الخ۔ (کالا پانی)

غیر مقلدین کے نواب بہادر یار جنگ مولوی چراغ علی جس نے مرزا قادیانی کو اپنے مضامین کے ذریعہ براہین احمدیہ کے لیے مدد دی۔ نیز اسے شائع کرنے لیے اس وقت ۱۰۰ روپے چندہ بھی دیا۔ اس وقت مردم شماری میں اپنے آپ کو غیر متعصب ظاہر کرنے کے لیے بیوی کے خانے میں شیعہ اور اپنے اور اپنے بیٹوں کے خانے میں صفر صفر لکھا۔ (یعنی نہ میں سنی نہ میں شیعہ بلکہ لا مذہب) یہ سرسید سے متاثر تھا۔ معمولی تعلیم کے ساتھ انگریزوں کی کاسہ لیسی کر کے کلرک سے فائنل سیکرٹری تک پہنچا اور باقاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر انگریزی میں مہارت حاصل کر کے اکثر کتابیں انگریزی میں لکھیں۔ تحقیق الجہاد بھی انگریزی میں لکھی۔ جسے انگریزوں نے شائع کروایا اور سرکاری خطابات سے نوازا۔ (بحوالہ چند معاصرین از مولوی عبدالحق ناشر اردو اکیڈمی سندھ کراچی)

اس تعلق اور وفاداری کے صلہ میں انگریزوں کی طرف سے ان غیر مقلدین کو سرکاری تمغے۔ ایوارڈ اور جاگیریں حاصل ہوئیں۔ اس کے ساتھ ایک بڑا فائدہ انہیں یہ حاصل ہوا کہ جماعت وہابی سے آناً فاناً اہل حدیث بن گئی۔

سیرت ثنائی کے غیر مقلد مورخ عبدالمجید صاحب سوہدروی نے صفحہ ۳۷۲ پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ "مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے اخبار اشاعت السنہ کے ذریعہ اہل حدیث حضرات کی

زبردست خدمت کی۔ سرکاری رجسٹروں اور ڈاکوں سے "وہابی" نام کاٹ کر "اہل حدیث" انہی کی کوششوں سے لکھا گیا۔ بٹالوی صاحب نے سرکار کی کوئی بہت بڑی خدمت انجام دی جس کے صلہ میں مولانا کو جنگل جاگیر سرکاری انعام سے نوازا گیا"۔

غیر مقلدین کو "وہابی" سے کیوں چڑ تھی اس کا ذکر چودھری رنیق کے باب میں صفحہ........ پر موجود ہے۔

اب نواب صدیق حسن خان صاحب کے فخریہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں۔ "ہمارے علم میں اس جماعت سے زیادہ (جسے اہل حدیث وسنت کہتے ہیں اور جو کسی خاص مذہب کی مقلد نہیں) سرکار برطانیہ کے تئیں مخلص وخیر خواہ۔ امن وعافیت کی خواہاں۔ نیز سرکار کے آئین وسیاست کا احترام اور اس کے احسانات کا اعتراف کرنے والی کوئی جماعت نہیں۔ (ترجمان وہابیہ مولفہ نواب صدیق حسن خان صفحہ ۵۸)

☆ انگریزوں کی برکت کا اعتراف

غیر مقلدین کے نامور مؤرخ مرزا حیرت دہلوی سیرت حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں۔

"گورنمنٹ خود جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کی برکتوں کو فرقہ اہل حدیث نے کس قدر تسلیم کرلیا ہے اور اس کے کیسے فرماں بردار مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں۔ ان پر کیا ہندوستان کے کل مسلمان اپنی گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی ان کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے جو گورنمنٹ کے خلاف سمجھی جاتی ہیں"۔ (حیات طیبہ صفحہ ۳۱۰)

نیز لکھتے ہیں۔ "خدا ہماری روشن دماغ گورنمنٹ کو اس کے کاموں میں برکت دے کہ جب تک وہ ایک معاملہ کی خوب تحقیقات نہیں کرلیتی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتی"۔ (حیات طیبہ صفحہ ۳۶۹)

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں۔ "اگرچہ مایاں جماعت اہلحدیث زیر سایہ سرکار انگریزی باامن وعافیت مستیم"۔ (اہلحدیث کا مذہب صفحہ ۸)

☆ وحدت ادیان

جناب ڈاکر نائیک صاحب سوال و جواب کے سیشن اسلام انسانیت کے لئے رحمت نہ کہ زحمت بمقام این ٹی آر سٹیڈیم حیدرآباد انڈیا 20 مئی 2006ء میں کہتے ہیں:

ہندوؤں کے وید اور بھگوت گیتا میں لکھا ہے کہ بت پرستی حرام اور غلط ہے۔ بھگوت گیتا باب نمبر 7 شلوک نمبر 20 میں لکھا ہے:

"جو کوئی انسان جو پیسے کے پیچھے بھاگتا ہے وہ غلط خدا کی عبادت کرتا ہے۔ بت پرستی کرتا ہے۔" ہندوؤں کے وید میں کئی شلوک ہیں جن میں بت پرستی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ میں مذہب تبدیل کرنے کو نہیں کہتا بلکہ کہتا ہوں کہ اپنے مذہب پر پختگی سے عمل کرو۔ اس کے آگے آپ کے (ہندوؤں کے) وید میں لکھا ہے کہ کئی رشی آئیں گے۔ انتم رشی آئیں گے اور لکھا ہے کہ انتم رشی کا جو بھی کہنا ہے اسے مانو۔ تو اگر آپ سچے ہندو ہیں تو آپ کو آخری رشی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کہا ہے اور جو پیغام دیا ہے وہ ہے قرآن۔ اس کے اوپر عمل کرنا آپ کے اوپر فرض ہے۔ اگر آپ نہیں کریں گے تو آپ اچھے ہندو ہو ہی نہیں سکتے۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ اپنا مذہب بدلو۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے مذہب پہ پختگی سے عمل کرو۔ اور جب عمل کریں گے تو آپ کو ایک اللہ کو، آخری پیغمبر اور آخری پیغام یعنی قرآن کو ماننا ہوگا۔" (بحوالہ خطبات ذاکر نائیک پارٹ نمبر 2 صفحہ 83)

یہاں ڈاکٹر صاحب نے بے اختیار اپنے غلط عقیدے وحدت ادیان کا اظہار کر دیا۔ (وحدت ادیان بہائیوں کا عقیدہ ہے۔ جس کا ذکر اسی کتاب کے صفحہ 164 پر ہے)۔

عقیدہ وحدت ادیان کے ابطال کے لیے بکر بن عبد اللہ ابو زید کی کتاب "الإبطال لنظرية الخلط بين دين الإسلام وغيره من الأديان" ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف کے بقول ایک ہندو اپنے ہندو ہونے کی باوجود مسلمان ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہندومت درست ہے تو ڈاکٹر صاحب ہندوؤں کو مسلمان ہونے کی تلقین کیوں کر رہے ہیں؟۔

☆ ڈاکٹر صاحب وحدت ادیان کا گمراہ کن واسطہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اپنی تقاریر میں عالمی بھائی

چارہ کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسلامی بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ جسے "مواخات" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب عالمی بھائی چارہ کی نئی اصطلاح متعارف کروا رہے ہیں۔ اس کے پیچھے کیا عزائم کارفرما ہیں آیئے ان کا تھوڑا سا جائزہ لیں۔ یہ بہائیوں کا خاص عقیدہ ہے۔

لیکن اس سے پہلے ہم آپ کی معلومات کے لئے ہندو مذہب کی کچھ تفصیل پیش کر رہے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کے اس عقیدہ کو سمجھنے میں مدد دے گی جسے وہ عالمی بھائی چارہ کے نام سے بیان کر رہے ہیں۔

☆ ہندو مذہب کے منابع

ہندو مذہب کے چھ منابع ہیں۔

(۱) شروتی۔ سنی سنائی باتیں۔ یہ رشیوں (منتر بنانے والے شاعر) کا کلام ہے۔ اس میں چاروں وید (رگ وید۔ یجروید۔ سام وید۔ اتھروید) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آیوروید (طب کی معلومات)۔ سرپ وید (سانپ کی معلومات)۔ پشاچ وید (چڑیلوں کی معلومات)۔ اسروید (شیطانوں کی معلومات) دھرویدا (تیر کمان کی معلومات)۔ اتہاس وید (تاریخ کی معلومات)۔ پران وید (قصے کہانیاں) کو بھی وید کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) سمرتی۔ جسے روایت در روایت یاد کیا جائے۔ شروتی کے بعد اس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اس کی بنیاد ویدوں کی تعلیمات پر ہے۔ اس میں دوسرے درجے کی کتابیں اپنشد شامل ہیں۔

(۳) اتہاس۔ یہ قدیم آریہ قوم کی تاریخ ہے۔ اس میں رزمیہ نظمیں۔ رامائن اور مہابھارت شامل ہیں۔

(۴) پران۔ یہ ویدک تعلیمات کو عام کرنے کے لیے لکھی گئیں۔ کل اٹھارہ پران ہیں۔ ان میں بھگوت اور وشنو پران سب میں معتبر ہیں۔

(۵) اگم۔ اس میں عوامی سطح کی دینیاتی مقالے۔ پوجا کے بارے میں عملی ہدایات اور شبدمت۔ شکتی

مت اور وشنومت فرقوں کے بنیادی عقائد درج ہیں۔

(۲) درشن۔اس کے معنی روشنی یا دیکھنا ہے۔اس میں چھ کتابیں شامل ہیں۔نیایہ۔وئیشیشک۔ سانکھیہ۔یوگ۔میمانسا۔ویدانت

ہندو مذہب کے بنیادی ماخذ میں گو وید۔اپنشد۔بھگوت گیتا اور مندرجہ بالا چھ درشن شامل ہیں۔

ہندو مذہب کی کتاب (تیتریہ برہمن ۲،۸،۸،۵) میں ہے کہ رشی منتروں کے بنانے والے ہیں۔

رگ وید سب سے پرانا وید ہے۔اس میں دیوی دیوتاؤں کو مخاطب کر کے ان سے التجائیں کی ہیں۔یجروید کو رگ وید سے اخذ کیا گیا ہے۔اس میں وہ گیت شامل ہیں جو دیوتاؤں کے چڑھاوے کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔سام وید بھی رگ وید سے ماخوذ ہے۔اس میں وہ گیت شامل ہیں جو خاص مواقع پر گائے جاتے ہیں۔اتھروید بھی رگ وید سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔اس کا زیادہ تر حصہ جادو سے متعلق ہے۔اور قدیم آریہ قوم کے تمدن پر مشتمل ہے۔(ہندوازم مرتبہ پروفیسر گووندداس۔صفحہ ۹۳)

ہندوازم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصل وید گم ہو گیا تھا جیسا کہ مہابھارت شانتی پرو شلوک ۱۳۴۷۵ میں لکھا ہے کہ وہ اُسر (جن) جنہوں نے برہما جی کو دنیا پیدا کرنے میں مدد دی تھی وید کو چرا کر لے گئے۔اسی پرو کے شلوک ۶:۱۳۵ میں لکھا ہے کہ وشنو پران ۳:۲:۱۲ میں ہے کہ چار یگوں کے آخر پر ویدوں کا گم ہو جانا کل یگ (کائنات) کا حادثہ ہوا۔تو سات رشی (منتر بنانے والے شاعر) آسمان سے ظاہر ہوئے اور انہوں نے پھر ان کو جاری کیا۔

پروفیسر گووندداس نے لکھا ہے۔"ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کتابیں جو آج ہمارے پاس موجود ہیں ویاس کے مرتب کردہ نسخہ کے مطابق نہیں ہیں۔اس لیے کہ روایات کی رو سے ویاس بھی کئی ہو گزرے ہیں۔اور اس کے علاوہ ویدوں سے کئی اور ترتیب دہندگان۔سمہتا لٹریچر جو آج ہمارے پاس ہے وہ تو اس مجموعہ کا پانچواں حصہ بھی نہیں جو آج کے قریب ۲۲۰۰ سال پیشتر مہابھارت کے زمانہ میں موجود تھا"۔(ہندوازم۔صفحہ ۸۴)

ویدوں کے الہامی نہ ہونے کا اقرار خود ہندوؤں کے بڑوں نے کیا ہے۔ چنانچہ وید سے متعلق کتاب سروانوکرمنی میں لکھا ہے کہ جس کا کلام ہے وہ رشی ہے۔ یعنی کلام الہامی نہیں بلکہ رشیوں کا ہے۔

پنڈت ستیہ ورت شرمی نے اپنی تصنیف وید ترتی پریچے کے صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے۔ ایسے ہی بلاشک وشبہ یہ بات سچ ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی ویدوں کو تصنیف کیا۔

سوامی ہری پرشاد۔ لالہ لاجپت رائے۔ بھائی پرمانند ایم اے وغیرہ بھی ویدوں کو الہامی نہیں مانتے۔ صرف اپنے بزرگوں کی یادگار سمجھ کر اس کی حفاظت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ (ہندو سنگٹھن۔ مرتبہ بھائی پرمانند ایم اے)

پنڈت رادھا کرشن مشہور پروفیسر ہندو فلاسفی بنارس یونیورسٹی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صداقت کے بارہ میں ان کے قیاسات اس قدر گوناگوں اور خدا کے متعلق ان کے خیالات اس قدر مختلف ہیں کہ ہر شخص کو یقیناً ان میں جو چاہتا ہے ہر قسم کا خیال جو تلاش کرتا ہے ان میں مل جاتا ہے۔ (فلاسفی آف اپنشدز۔ صفحہ ۱۴)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں یہ میرے نزدیک ہماری بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف اس زمانہ کی معلومات کا مجموعہ ہیں۔ وہ بہت سی چیزوں کا غیر مرتب شدہ ذخیرہ ہیں۔ دعائیں، قربانی کی رسومات، جادو، نیچرل شاعری وغیرہ (دی ڈسکوری آف انڈیا صفحہ ۷۷)

جس دیوتا سے کوئی تمنا پوری ہونے کی آرزو کر کے رشی نے اس کی تعریف کی وہ اس منتر کا دیوتا کہلاتا ہے۔ (نرکت: ۷:۱)

ویدوں میں خالص توحید نہیں پائی جاتی۔ اور پرمیشور کا تصور جو ویدوں نے پیش کیا وہ انسانی ذہن کا تراشیدہ ہے۔ وید کے سوکتوں کے اوپر ایک تو دیوتا کا نام ہے اور دوسرے کسی رشی کا۔ دیوتا وہ ہے جس کی تعریف یا پرستش کا ذکر اس سوکت میں موجود ہے۔ رشی اس کا مصنف ہے۔ ویدوں میں دیوتاؤں کی تعداد مختلف ہے۔ یجر وید میں لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳ ہیں۔ ۱۱ زمین پر۔ ۱۱ آسمان پر۔

اور اجنت میں۔رگ وید منڈل ۱۰ اسوکت ۵۲ منتر ۶ میں لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳۳۹ ہیں۔دیوتاؤں کی یہ کثرت شرک فی الذات (اللہ کی ذات) نہیں تو اور کیا ہے۔

مہابھارت ہندو لٹریچر میں بہت بلند مقام پر ہے۔ہندوؤں کا نظریہ یہ ہے کہ جو کوئی اس کتاب کا ایک حصہ بھی پڑھ لے اس کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔اس تالیف میں کوروؤں اور پانڈوں کی باہمی جنگ اور بھارت کی تاریخ کا ذکر ہے۔ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق رامائن کا مصنف وشنو (بھگوان) ہے۔اور رام چندر اس کا اوتار (دیوتا) ہے۔رامائن میں رام چندر کی لڑائیوں کا ذکر ہے۔جو اس نے لنکا کے بادشاہ راون سے اپنی بیوی سیتا کو چھڑانے کے لیے لڑی تھیں۔ ہندوؤں میں رامائن کا پڑھنا باعث ثواب ہے۔اسے گوسائیں رام چرتر مانس تلسی داس جی نے ہندی زبان میں اکبر بادشاہ کے دور میں لکھا تھا۔جو لوگ سنسکرت نہیں جانتے وہ رامائن پڑھتے ہیں۔

ویدوں کے بعد دوسرے درجہ کی کتابیں اپنشد ہیں۔بعض ہندو سوامیوں نے اپنشدوں کو ویدوں پر فوقیت دی ہے۔(راجہ موہن رائے کے لیکچر ۲۔منڈک اپنشد منڈک اول کھنڈ ۱ منتر ۶:۴ چھاندگیہ اپنشد پرپاٹھک۔کھنڈ ۱:۲۔پیشٹھ برہمن کانڈ ۱۰۔ادھیاء ۳۔برہمن ۵۔کھنڈ ۱۲)

اپنشد کے معنی گرو کے خطبات کا مجموعہ ہے

اپنشد کے نظریہ کے مطابق خالق کسی خارجی مادے سے دنیا کو پیدا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔جبکہ قرآن مجید کی رو سے خالق و مخلوق کی ماہیت ایک نہیں ہو سکتی۔

پران کے معنی قدیم کے ہیں۔ان کی تعداد اٹھارہ ہے اور ان میں آٹھ لاکھ سے زیادہ اشعار ہیں۔یہ کتابیں ویدوں سے زیادہ قدیم ہیں۔مختلف اوقات میں متفرق لوگوں نے ان میں اضافے بھی کیے ہیں۔ان میں آریا اور ہندوؤں کے قبائل۔پرستش۔حکومتی خاندانوں کی تاریخ۔مختلف فرقوں کے دیوتاؤں اور مذہبی قوانین کی تفصیل درج ہے۔یہ ہندوؤں میں مستند اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابیں ہیں۔

پران عام دستیاب ہے اور آسان فہم جبکہ وید میں مشکل زبان استعمال ہوئی ہے۔

ہندو مذہب میں ویدانگ (وید کے بازو اور ٹانگیں) ان کتابوں کو کہا جاتا ہے۔ جو ہندوؤں کے مجموعہ قوانین دھرم سوتر اور دھرم شاستر پر مشتمل ہیں۔ سوتر کا مطلب دھاگہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان کے ذریعہ مذہب اور اس کے ماننے والوں کا آپس میں ایک رشتہ ہوتا ہے۔ وقت کے تقاضوں کے تحت نئے سوتر بھی تخلیق کیے گئے۔ ان میں منو کا دھرم شاستر یا منوسمرتی زیادہ مشہور ہے۔

ویدک مذہب میں بے شمار دیوی دیوتا ہیں۔ برہمنوں نے اس میں تبدیلی کر کے تین بڑے دیوتا مقرر کیے۔ براہما۔ شیوا۔ وشنو۔ پھر ان کے تحت بے شمار دیوی دیوتا اور اوتار مقرر کر دیئے۔

براہما ہندوؤں کا پہلا دیوتا ہے اور اس کا درجہ ہندو تثلیث میں سب سے اعلیٰ ہے۔ ہندو اسے ایک روح مطلق اور قائم بالذات سمجھتے ہیں۔ وشنو ہندوؤں کا دوسرا دیوتا ہے۔ یہ معجزانہ کام سرانجام دیتا ہے۔ اس کی روح انسانوں اور جانوروں میں حلول کرتی ہے۔ شیو دیوتا نیست و نابود کرنے کی طاقتوں کا مالک ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وشنو جی کئی بار مختلف شکلوں میں دنیا میں اوتار بن کر آیا۔ اب تک نو اوتار آ چکے ہیں۔ دسواں اوتار باقی ہے۔ (۱) مچھ اوتار۔ (۲) کورم اوتار۔ (۳) براہ اوتار۔ (۴) نرسنگھ اوتار۔ (۵) وامنہ اوتار۔ (۶) پرسرام اوتار۔ (۷) رام چندر اوتار۔ (۸) کرشن چندر اوتار۔ (۹) بودھ اوتار۔ (۱۰) کلکی اوتار ایک برہمن ہوگا۔ دنیا میں فتنہ و فساد ختم کر دے گا۔ ملیچھوں یعنی مسلمان۔ عیسائی اور یہودو غیرہ کا غلبہ باقی نہ رہے گا۔ اس کا بہترین دور ہوگا۔ بھگوت گیتا کا اصل نام بھگو گیتا اپنشد ہے۔ یعنی بھگوان کے سربستہ رازوں کا اظہار۔ یہ کتاب مہابھارت کے باب ۲۵ تا ۴۲ پر مشتمل ہے۔ یہ کرشن چندر اوتار کی تصنیف ہے۔ اس میں کرشن اور ارجن کے مابین مکالمے ہیں۔ بھگوت گیتا کا خلاصہ یہ ہے کہ مصائب اور تکالیف سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور ایشور کی ذات سے کیسے وصل حاصل کر سکتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو صاحب لکھا ہے آج ہر فلسفہ اور فکر مدمی گیتا ہی کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے مطلب کے مطابق تفسیر کر رہا ہے۔ (حتیٰ کہ) گاندھی جی (اگر) اپنے عقیدہ اہنسا کی بنیاد گیتا پر

رکھتے ہیں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو ہما (تشدد) اور جنگ کا جواز بھی اسی سے ثابت کرتے ہیں۔ (دی ڈسکوری آف انڈیا۔ صفحہ ۸۳)

محترم مولانا پروفیسر حافظ غازی احمد صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل کالج بوچھال کلاں ضلع جہلم پاکستان جو پہلے کرشن لال کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ایمان کی روشنی عطا فرمائی تو انہوں نے اللہ کے قرآن کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو درس نظامی کی صورت میں باقاعدہ حاصل کیا۔ عصری علوم میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے کئی ایم اے کئے۔ پھر ترقی کرتے کرتے کالج کے پرنسپل بن گئے۔ ان کا اپنے سابقہ مذہب کے بارے میں گہرا مطالعہ تھا۔ انہوں نے اسلام اور ہندومت کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں ہندوؤں کی بت پرستی اور ان کے شرمناک قسم کے عقائد بیان کئے تھے۔ لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب صرف سرسری مطالعہ کے زور پر ہندوؤں کو موحد ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

ہندو مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے حضرت مولانا پروفیسر غازی احمد صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب "میرا قبول اسلام" (من الظلمات الی النور) کے حصہ ہندومت اور اسلام میں فرماتے ہیں۔

"ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتب "سمرتی۔ منوسمرتی۔ پران۔ اپ پران۔ بھگوت گیتا۔ رامائن والمیکی ورامائن تلسی داس اور مہابھارت" کے متعلق مہا ہندو جناب سوامی دیانند کے ارشادات ستیارتھ پرکاش میں ملاحظہ فرمائیں۔ نمونہ کے لئے چند حوالے پیش خدمت ہیں"۔

۱۔ بہت سی ویاس وغیرہ مہرشیوں کے نام سے من گھڑت غیر ممکن افسانوں سے پُر (بھری) کتابیں بنائیں۔ ان کا نام پران رکھ کر کتھا بھی سنانے لگے۔ (صفحہ ۲۰۲ ۔ ۱۱:۳۹)

۲۔ سب تنتر گرنتھ۔ پران۔ اپ پران۔ بھاشا۔ رامائن تلسی داس۔ رکمنی منگل وغیرہ اور دیگر سب بھاشا گرنتھ یہ سب طبع زاد اور باطل کتابیں ہیں۔

تھوڑا سا سچ تو ہے لیکن بہت سا جھوٹ بھی ملا ہوا ہے۔ پس جیسے کہا گیا ہے یعنی عمدہ سے عمدہ کھانگی

چیز بھی اگر زہر آلود ہو تو لائق پھینک دینے کے ہے ویسے ہی یہ کتابیں ہیں۔ (صفحہ ۹۱۔۹۲۔۳/۱۰۸)

۳۔ واہ رے بھاگوت کے بنانے والے لال بجھکو کیا کہنا تجھ کو ایسی ایسی جھوٹی باتیں لکھنے میں ذرا بھی شرم و حیا نہ آئی۔ محض اندھا ہی بن گیا۔ (صفحہ ۴۴۳۔۱۱/۷۴)

۴۔ انچاس کروڑ یوجن (یوجن چار کوس کا ہوتا ہے) اس قسم کی جھوٹی باتوں کا گپوڑا بھاگوت گیتا میں لکھا ہے کہ جس کا کچھ حد و حساب نہیں۔ (صفحہ ۴۴۸۔۱۱/۷۵)

۵۔ کچھ کچھ ملاوٹی شلوکوں کو چھوڑ کر منوسمرتی ہی وید کے مطابق ہے اور کوئی سمرتی نہیں۔ ایسا ہی دیگر کتابوں کا حال سمجھ لو۔ (صفحہ ۱۵۷۔۴/۱۵۱)

۶۔ سمرتیوں میں سوائے ایک منوسمرتی کے سب سمرتیاں جھوٹ کا مرکب ہیں۔ اور منوسمرتی میں بھی تحریف شدہ شلوک ہیں۔ (۹۱۔۳/۱۸)

☆ حضرت مولانا پروفیسر غازی احمد صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب کے حصہ ہندومت اور اسلام میں ویدوں کے چند حوالے نقل فرمائے ہیں۔

۱۔ اتھروید کانڈ ۳۔ سوکت ۲۰۔ منتر ۴ میں لکھا ہے۔

ترجمہ: اپنی حفاظت کے لئے ہم سوما راجا اگنی۔ ادتی کے فرزند سورج۔ وشنو برہما اور برہسپتی کو پکارتے ہیں۔

۲۔ اتھروید کانڈ ۱۔ سوکت ۳۰۔ منتر ۳ میں لکھا ہے۔

ترجمہ: جو دیوتا آسمان میں اور جو زمین میں اور طبقہ وسطی میں۔ نباتات میں۔ حیوانات میں۔ سمندروں اور دریاؤں کے پانیوں میں ہیں وہ ہماری عمر کو بڑھاپے تک لمبا کریں اور موت کو دور رکھیں۔

۳۔ یجروید ادھیائے ۱۳۔ منتر ۶ میں سانپوں کو سجدہ کرنا لکھا ہے۔

ترجمہ: زمین میں رہنے والے سانپوں کو سجدہ قبول ہو۔ اور جو سانپ ہوا میں یا آسمان پر ہیں ان کو ہمارا سجدہ ہے۔

۴۔ اتھروید کانڈ ۱۰۔ سوکت ۴۔ منتر ۲۳ میں ناگ دیوتا کی پرستش کرنا لکھا ہے۔

ترجمہ: جو آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نباتات سے پیدا ہوتے ہیں اور جو پانیوں اور بجلی میں پیدا ہوتے ہیں اور جن کی اقسام مختلف اور بڑی بڑی ہیں ان سب قسم کے سانپوں کو ہم سجدہ کرتے ہیں۔

رالف ٹی۔ ایچ۔ گرفتھ مترجم وید نے بھی آخری فقرے کا ترجمہ یوں ہی کیا ہے:

"These serpents we will reverently worship"

۵۔ اتھروید کانڈ ۱۰۔ سوکت ۱۰۔ منتر ۱ میں لکھا ہے۔

ترجمہ: تجھ پیدا ہوتی ہوئی کو ہمارا سجدہ قبول ہو اور پیدا ہوئی ہوئی کو نمسکار ہو۔ اے بانجھ گائے تیرے بالوں اور کھروں کو بھی ہمارا سجدہ قبول ہو۔

۶۔ اتھروید کانڈ ۱۲۔ سوکت ۱۔ منتر ۲۶ اور ۴۲ میں زمین کو سجدہ کرنا لکھا ہے۔

ترجمہ اس پرتھوی یعنی زمین کو ہمارا سجدہ قبول ہو جو دھاتوں کے اپنے گربھ (حمل) میں دھارن کرنے والی ہے۔ جس سے پانچ پرکار (اقسام) کے انسان برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر اور پانچویں نشاد (جنگلی لوگ) اتپن (پیدا) ہوتے ہیں۔ اس بھومی کو سدا ہمارا نمسکار (سجدہ) ہو۔

۷۔ اتھروید کانڈ ۱۴۔ سوکت ۲۔ منتر ۴۶ اور رگوید ۱۰۔ ۸۵۔ ۷ میں دولہا میاں کا سارے دیوی دیوتاؤں کو سجدہ کرنا مرقوم ہے۔

ترجمہ: سوریا دیوی اور مترا وروِن وغیرہ سب دیوتاؤں کو میں اس جگہ سجدہ کرتا ہوں۔

۸۔ اتھروید کانڈ ۱۷۔ سوکت ۱۔ منتر ۲۲۔ ۲۳ میں سورج کو معبود تسلیم کیا گیا ہے۔

ترجمہ: اے سورج دیوتا! تجھے چڑھتے وقت سجدہ ہو۔ چڑھتے ہوئے کو سجدہ ہو۔ چڑھے ہوئے کو سجدہ ہو۔ تجھ وراٹ۔ سوراٹ۔ سمراٹ کو سجدہ ہو۔ غروب ہوتے وقت تجھے سجدہ ہو۔ غروب ہوتے ہوئے تجھے سجدہ ہو۔ غروب ہوئے ہوئے تجھے سجدہ ہو۔ وراٹ۔ سوراٹ۔ سمراٹ کو ہمارا سجدہ قبول ہو۔

۹۔ یجروید ادھیائے ۱۶۔ منتر ۲۴ میں گھوڑوں اور کتوں کی پرستش ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: مجلسوں اور مجلسوں کے مالکوں کو بار بار نمسکار ہے۔ گھوڑوں اور گھوڑوں والوں کو بھی بار بار

سجدہ ہو۔ کتوں کو سجدہ قبول ہو۔ اور کتوں کے مالکوں کو بھی سجدہ ہو۔

۱۰۔ اتھروید کانڈ ۱۔ سوکت ۲۵۔ منتر ۴ میں بخار دیوتا جی مہاراج کو سجدہ کرنا تحریر ہے۔

ترجمہ: سردی والے بخار کو سجدہ قبول ہو۔ گرمی والے رور ونامی بخار کو بھی میں سجدہ کرتا ہوں۔ روزانہ۔ دوسرے اور تیسرے دن آنے والے بخار کو میرا سجدہ قبول ہو۔

۱۱۔ اتھروید کانڈ ۵۔ سوکت ۷۔ منتر ۳۔ ۹۔ ۱۰۔ اور سوکت ۲۴ ملاحظہ فرمائیں۔ کیا اسی کو بھگوان کی وحدت کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: اراتی دیوی کو سجدہ ہو۔ اس سنہری بالوں والی زرتی دیوی کو سجدہ ہو۔ اراتی دیوی میں نمسکار کرتا ہوں۔ سوتا دیوتا حاملہ عورتوں کا مالک ہے۔ وہ میری رکشا کرے۔ اگنی دیوتا جو نباتات کا مالک ہے مجھے محفوظ رکھے۔ دیگوا اور زمین جو کھیتوں کی مالکہ ہیں وہ دونوں دیویں میری رکشا کریں۔ ورن دیوتا جو پانیوں کا مالک ہے میری حفاظت کرے۔

اسی طرح ان منتروں میں ورن دیوتا۔ متر دیوتا۔ مرت دیوتا۔ سوم دیوتا۔ سورج دیوتا۔ اندر دیوتا۔ یم راج دیوتا سے استمداد کی گئی ہے۔

۱۲۔ رگوید منڈل ۲۔ سوکت ۵۰۔ منتر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: ہم دیوی اوتی اور دکھ سے چھڑانے والے۔ سکھ پہنچانے والے ورن۔ متر۔ اگنی۔ سوتا۔ بھگ نامی دیوتاؤں کی رکشش کے ذریعے پکارتے ہیں۔

۱۳۔ اتھروید کانڈ ۳۔ سوکت ۱۰۔ منتر ۳ میں ہے۔

ترجمہ: اے سوتسر کی مورتی (یعنی بت) جس تجھ کی ہم رات کے وقت پوجا کرتے ہیں وہ تو ہمیں عمر اور دولت عطا کر“۔

کیا یہ وید وحدت کی بجائے شرک کی تعلیم نہیں دیتے؟۔ کیا دیوتا پرستی اور عناصر پرستی شرک نہیں؟۔ کیا یہ وید بھگوان کا کلام ہو سکتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں۔

بہرحال ویدوں کے بارے میں پنڈت رادھا کرشن بنارس یونیورسٹی کا بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ

صداقت کے بارہ میں ان کے قیاسات اس قدر گوناگوں اور خدا کے متعلق ان کے خیالات اس قدر مختلف ہیں کہ ہر شخص کو یقیناً ان میں جو چاہتا ہے ہر قسم کا خیال جو تلاش کرتا ہے ان میں مل جاتا ہے۔

اور پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان بھی نظر سے گذر چکا ہے کہ بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ میرے نزدیک ہماری بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف اس زمانہ کی معلومات کا مجموعہ ہیں۔

ویدوں میں بہت سی مخرب اخلاق باتوں کا اندراج بھی ہے جنہیں تحریر کرتے ہوئے بھی شرم وحیا کی بناء پر قلم رک جاتا ہے اس سے ویدوں میں عصمت وعفت کا معیار دیکھا جا سکتا ہے (مثلاً اتھروید کانڈ ۵۔ سوکت ۱۷۔ منتر ۸۔۹۔ رگ وید ۱۰۔۱۰۔۱۔ اور ستیارتھ پرکاش از سوامی دیانند جی مطبوعہ یکم اپریل ۱۹۰۳ء آریہ پستکالیہ لاہور کا صفحہ ۱۷۹۔۱۹۱۔۱۹۲۔۱۹۶ اور ۲۰۱)

وحدت ادیان کے سلسلہ میں بہائی کیا کہتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ۔۔۔۔۔۔ پر ملاحظہ کریں۔

البتہ ڈاکٹر صاحب نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یورپین یونین کے ملک ڈنمارک کا کارٹونسٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے اور ڈنمارک اس کی پشت پناہی ہی نہیں کرتا بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ سلمان رشدی قرآن کی توہین شیطانی آیات کے نام سے کرتا ہے تو یورپ کے تمام یہود ونصاریٰ اس کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ جبکہ مسلمان کسی بھی نبی کی توہین نہیں کرتا ہے۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام۔ یہ صفت صرف یہود ونصاریٰ میں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ عیسائی اور یہودی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر صاحب کا ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی سعی لاحاصل کا کیا مقصد ہے؟۔

☆ڈاکٹر صاحب کا اپنے آپ کو ہندو کہنا

جناب ڈاکر نائیک صاحب اپنی گفتگو بعنوان عالمی بھائی چارہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ ایک ہندو جو قرآنی تعلیمات اور ہندو مذہب پر بیک وقت عمل کرتا ہے کیا وہ مسلمان کہلا سکتا ہے؟ اور کیا اسی قسم کا مسلمان ہندو کہلا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں پہلے تو ہمیں یہ پتہ ہونا چاہئے کہ ہندو اور مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ یعنی ہندو کسے کہتے ہیں اور مسلمان کسے؟ مسلمان وہ شخص ہے جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں؟

ہندو کی صرف جغرافیائی تعریف ممکن ہے۔ کوئی بھی شخص ہندوستان میں رہتا ہے یا ہندوستانی تہذیب سے ادھر آباد ہے وہ ہندو کہلا سکتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے میں بھی ہندو ہوں۔ یعنی جغرافیائی اعتبار سے آپ مجھے ہندو کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا جو شخص ہندوستان میں رہتا ہے وہ ہندو ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان میں رہنے والا ہر شخص ہندو ہے۔ اسی طرح جیسے امریکہ میں رہنے والا ہر شخص امریکی ہے اور اسے امریکی ہونا بھی چاہئے۔ لہٰذا آپ کے سوال کا جواب یہ بنتا ہے کہ ہاں آپ ایک مسلمان کو ہندو کہہ سکتے ہیں اگر وہ ہندوستان میں رہتا ہے تو۔ لیکن اس بات کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ویدک مذہب کا ماننے والا اگر امریکہ چلا جاتا ہے تو پھر آپ اسے ہندو نہیں کہہ سکتے۔ اب وہ ایک امریکی ہے۔ ہندومت ایک عالمی مذہب نہیں ہے۔ ہندومت صرف ہندوستان میں ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ آپ ہندوازم کو مذہب نہیں کہہ سکتے۔ یہ محض ایک جغرافیائی تعریف ہے۔“

(بحوالہ خطبات ڈاکر نائیک۔ اسلام پر کئے جانے والے سوالات اور ان کے جوابات صفحہ 370)

☆ ڈاکٹر صاحب کی دماغی کیفیت کا یہ حال ہے کہ وہ ہندو کو جغرافیہ کی طرف منسوب لفظ قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کی طرف منسوب شخص ہندو نہیں بلکہ ہندوستانی کہلائے گا۔ جس طرح امریکہ میں رہنے والا امریکی۔ برطانیہ میں رہنے والا برطانوی وغیرہ۔ اگر ہندوستان کے لفظ پر ہی غور کریں تو یہ عقدہ کھل جاتا ہے۔ ستان کا معنی جگہ ہے۔ جیسا کہ ترکستان کا معنی ترکوں کی جگہ۔ پاکستان کا معنی پاک لوگوں کی جگہ۔ اور ہندوستان کا معنی ہوا ہندوؤں کی جگہ۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ہندو کی وجہ سے یہ خطہ ہندوستان کے نام سے موسوم ہے نہ کہ اس خطے کا نام ہندوستان ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو ہندو کہا جاتا ہے۔

نیز اگر لفظ ہندو مذہب کی طرف منسوب لفظ نہیں تو پھر گیتا اور وید کس مذہب کی کتابیں ہیں؟۔

اور رام چندر، کرشن کس مذہب کے مقدس افراد تھے؟۔

اس کی تفصیل ہندو مذہب کے چند منابع میں ذکر ہو چکی ہے۔

☆رام چندر اور کرشن کو نبی ماننا

لطف کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے بڑے تو ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ان کی جماعت کے بڑے علامہ وحید الزماں نے تو رام چندر، کرشن وغیرہ کو بھی نبی تسلیم کر لیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ کتاب وسنت میں جن انبیاء کا ذکر آگیا ہے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ایسے شخص کے بارے میں باتعیین کہنا کہ یہ اللہ کا نبی ہے جب کہ اس کی نبوت کا ذکر نہ قرآن میں ہو اور نہ حدیث میں ہو، حرام ہے۔لیکن فرقہ لامذہبیہ غیر مقلدیہ ان لوگوں پر بھی ایمان رکھتا ہے جن کا قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ رام چندر، لچھمن اور کرشن جن کی ہندو مذہب میں پوجا کی جاتی ہے۔ان کے نزدیک یہ سب نبی تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری کی اس عجیب مثال کو قائم کرنے کے لئے طائفہ محمد یہ لامذہبیہ کے نواب وحید الزمان غیر مقلد ضلالت کی گہرائیوں میں ڈوبے نہ جانے کون سے جوہر تلاش کر رہے ہیں۔حالانکہ ہندو مذہب میں تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں۔ یہ رام لچھمن اور کرشن تو ہندوؤں کے یہاں معبود و مسجود ہیں۔نواب صاحب صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ”ہمیں ان دیگر انبیاء کی نبوت کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ جن کا ذکر اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے۔جب کہ کسی قوم میں خواہ کفار ہی کی تواتر کے ساتھ یہ بات منقول ہے کہ وہ لوگ انبیاء صالحین تھے۔ مثلاً ہندوؤں میں رام چندر، لچھمن، کرشن جی۔ ایرانیوں میں زرتشت۔ چینیوں اور جاپانیوں میں کنفیوشس اور مہاتما بدھ اور یونانیوں میں فیثاغورث اور سقراط بلکہ واجب ہے کہ ہم اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر بلا تفریق ایمان لائیں۔“ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۸۵)

بلاشبہ یہ عقیدہ انتہائی خطرناک ہے کہ جس کا ذکر کتاب وسنت میں نہ ہو اس کی نبوت کا اقرار کیا جائے بلکہ اس کو واجب سمجھا جائے۔ ماسوائے غیر مقلدین کے کسی نے بھی ان فلسفیوں اور ریاضی دانوں کی نبوت پر ایمان کو واجب قرار نہیں دیا۔ غیر مقلدین نے صرف جدت کی خاطر یہ عجیب وغریب عقیدہ گھڑ لیا۔

☆ انیس کا عدد

عدد ۱۹ کے بارے میں عجیب وغریب تحقیقات کو پھیلایا جا رہا ہے۔ مذکورہ حسابی الٹ پھیر بھی ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ دیگر بہت سے حضرات نے اس موضوع پر صفحات کے صفحات کالے کر دیے ہیں۔ بعض ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے۔ انہوں نے قرآن کے معجزاتی گراف تیار کر لیے۔ ان تمام حسابی اور جیومیٹریکل تحقیقات کو آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کا جواب بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ تا کہ صحیح تقابل ہو سکے۔

19 کا ہندسہ

ارشاد ربانی ہے۔! عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○ ''اس پر انیس ہیں۔ ○''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

اس انیس کے ہندسے کی ذرا تفصیل میں جائیں تو حیرت انگیز باتیں سامنے آتی ہیں اور انسانی ذہن تحیرات کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے اور ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کتاب...... یہ قرآن...... کسی انسان کا کلام نہیں ہے! بلکہ یہ تو اللہ رحمن ورحیم کا ہی کلام مبارک ہے۔

کچھ تفصیلات ملاحظہ کیجئے۔!

1: سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیات میں انیس الفاظ ہیں اور ان انیس الفاظ میں چھہتر حروف ہیں جو انیس پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔

مثال تقسیم: 4 = 76 ÷ 19

مثال ضرب: 76 = 4 × 19

مثال جمع: 76 = 19 + 19 + 19 + 19

2: قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ یہ ہندسہ بھی پورا پورا انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 6 = 114 ÷ 19

مثال ضرب: 114 = 6 × 19

3: قرآن مجید کی آخری سورت یعنی ایک سو چودہ (114) نمبر سورت سے اُلٹا گننا شروع کیا جائے یعنی ایک سو تیرہ (113)، ایک سو بارہ (112)، ایک سو گیارہ (111) وغیرہ تو ٹھیک انیسوے (19) نمبر پر سورہ اقرء (96 نمبر سورت) آتی ہے۔

4: یہ بات کس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ قرآن مجید کا آغاز ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ سے ہوتا ہے جس میں انیس حروف ہیں۔

اس میں چار الفاظ ہیں:

(1) اسم (2) اللہ (3) الرحمٰن (4) الرحیم

اس آیت کا ہر لفظ جتنی دفعہ قرآن حکیم میں آیا ہے، وہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ پہلا لفظ ''اسم'' قرآن مجید میں اُنیس (19) مرتبہ آیا ہے۔

دوسرا لفظ ''اللہ'' دو ہزار چھے سو اٹھانوے مرتبہ آیا ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 142 = 19 ÷ 2698

مثال ضرب: 2698 = 142 × 19

تیسرا لفظ ''الرحمٰن'' ستاون مرتبہ آیا ہے جو اُنیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: $57 \div 19 = 3$

مثال ضرب: $19 \times 3 = 57$

چوتھا لفظ "الرحیم" ہے جو ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے چنانچہ یہ بھی انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: $114 \div 19 = 6$

مثال ضرب: $19 \times 6 = 114$

گویا چاروں الفاظ کی تعداد انیس پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہونا محض اتفاقی بات نہیں ہے۔

5: آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o سورۃ النمل میں دو مرتبہ آئی ہے ایک مرتبہ آغاز میں اور دوسری مرتبہ متن میں..... اس لیے سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o نہیں ہے ورنہ اس کی تعداد ایک سو پندرہ ہو جاتی اور ایک سو پندرہ کا ہندسہ انیس پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے اور سوائے سورہ توبہ کے باقی تمام سورتوں کے آغاز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" آئی ہے)۔

6: قرآن مجید کی انتیس سورتوں کی ابتدا حروف تہجی کے مفرد اعداد یعنی حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ عربی زبان کے اٹھائیس حروف میں سے چودہ حروف تہجی مختلف جوڑ میں ان سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ حروف تہجی ذیل میں درج ہیں۔

(1) الف	(2) ح	(3) ر
(4) س	(5) ص	(6) ط
(7) ع	(8) ق	(9) ک

(10) ل　　(11) م　　(12) ن
(13) ھ　　(14) ی

اور ان چودہ حروف میں سے جو چودہ سیٹ حروف مقطعات کے بنتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) ایک حرف والے:
(i) ص　(ii) ق　(iii) ن ہیں، یہ تین سیٹ ہوئے۔

(2) دو حرف والے:
(i) طٰہٰ　(ii) یٰس　(iii) طٰس
(iv) حٰمٓ ہیں...... یہ چار سیٹ ہوئے۔

(3) تین حروف والے:
(i) الٓمٓ　(ii) الٓرٰ　(iii) طٰسٓمٓ
(iv) عٓسٓقٓ ہیں...... یہ چار سیٹ ہوئے۔

(4) چار حروف والے:
(i) الٓمٓرٰ　(ii) الٓمٓصٓ ہیں...... یہ دو سیٹ ہوئے۔

(5) پانچ حروف والے:
(i) کٓھٰیٰعٓصٓ ہیں...... یہ صرف ایک سیٹ ہے۔

مذکورہ خاکے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات جو انتیس سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں، یہ چودہ حروف ہیں اور ان کے مجموعہ سیٹ بھی چودہ ہی ہیں۔ اب 14 حروف + 14 سیٹ + 29 سورتیں = 57

یہ حاصل جمع ہندسہ یعنی 57 بھی انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 57 ÷ 19 = 3

مثال ضرب: 19 × 3 = 57

مثال جمع: 19 + 19 + 19 = 57

7: حروف مقطعات میں "ق" کو لیجئے۔ یہ حرف ق دو سورتوں کے شروع میں آیا ہے۔ یعنی سورۃ ق میں اور سورہ شوریٰ میں "حٰم عسق" کی صورت میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر سورت میں حرف ق ستاون (57) مرتبہ آیا ہے جو انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 57 ÷ 19 × 3

مثال ضرب: 19 × 3 = 57

خود سورہ ق میں بھی حرف ق ستاون (57) مرتبہ آیا ہے اور حٰم عسق والی سورت میں بھی حرف ق ستاون (57) دفعہ ہی آیا ہے، حالانکہ آخر الذکر سورت بہت طویل ہے۔

دونوں سورتوں میں حرف ق کا مجموعہ ایک سو چودہ (114) ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کی جملہ سورتوں کی تعداد بھی ایک سو چودہ (114) ہی ہے۔

یعنی قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور حرف ق جو لفظ قرآن کا پہلا حرف ہے اور اس کی نمائندگی کرتا ہے وہ بھی ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے۔

اس طرح یہ کہنا جائز ہو گیا کہ قرآن کی انوکھی تشکیل حسابی نظام کے تحت ایک سو چودہ (114) سورتوں پر ہوئی ہے۔

8: قرآن مجید میں زمانہ قدیم کی قوموں کو لفظ قوم ہی سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قوم نوح قوم ثمود قوم عاد قوم لوط وغیرہ مگر سورہ ق کی تیرھویں آیت میں قرآن فرماتا ہے۔

وعاد وفرعون اخوان لوط...... (القرآن المجید، پارہ، سورۃ نمبر (قٓ)، آیت نمبر 13)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر قرآن میں لفظ قوم ہی سے عموماً کیا گیا ہے لیکن صرف اس آیت میں لفظ قوم کی بجائے لفظ اخوان خصوصاً کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہاں لفظ قوم استعمال ہوتا تو ایک ق بڑھ جاتا اور اس سورت میں حرف ق کی تعداد ستاون کی بجائے اٹھاون ہو جاتی جو انیس پر پوری پوری تقسیم نہ ہو سکتی اور اس طرح قرآن کا حسابی نظام درہم برہم ہو جاتا۔

9: سورۃ القلم کے شروع میں حرف ''ن'' آیا ہے۔ اس پوری سورت میں حرف ''ن'' کی تعداد ایک سو تینتیس ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 7 = 19 ÷ 133

مثال ضرب: 133 = 7 × 19

10: حرف ص قرآن مجید کی تین سورتوں کے شروع میں آیا ہے۔

سورۃ الاعراف میں ''المص'' کی شکل میں،

سورہ مریم میں ''کھیعص'' کی صورت میں اور

سورہ ص میں حرف ''ص'' کے طور پر۔

ان تینوں سورتوں میں حرف ''ص'' کی تعداد ایک سو باون ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 8 = 19 ÷ 152

مثال ضرب: 152 = 8 × 19

11: سورۃ الاعراف کی انہترویں آیت میں ایک لفظ ''بصطۃ'' آیا ہے۔ عربی میں یہ لفظ س کے ساتھ لکھا جاتا ہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم بھی ہوا کہ اس لفظ کو ''ص'' کے ساتھ لکھا جائے اس کی کیا وجہ تھی۔؟

وجہ یہ بھی کہ اگر اس لفظ کو ''س'' کے ساتھ لکھا جاتا تو اس سورت میں ایک ''ص'' کم ہو جاتا اور ''ص'' والی متذکرہ بالا سورتوں میں حرف ''ص'' کی کل تعداد ایک سو باون کی بجائے ایک سو اکاون ہو جاتی جو انیس پر پوری پوری تقسیم نہ ہوتی اور قرآن حکیم کا حسابی نظام غلط ہو جاتا!

12: جن سورتوں کی ابتداء ایک حرف سے زیادہ حرفوں والے حروف مقطعات سے ہوتی ہے ان سورتوں میں ہر حرف علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حروف جن جن سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان سورتوں میں ان حروف کی اپنی اپنی تعداد کو یکجا کیا جائے تب بھی مجموعی تعداد انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثلاً:

(i) سورہ ''طٰہٰ'' میں دو حروف ''ط'' اور ''ہ'' ہیں۔ اس سورت میں حرف ''ط'' اٹھائیس دفعہ اور ''ہ'' تین سو چودہ مرتبہ آیا ہے اور دونوں کا مجموعہ تین سو بیالیس ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 18 = 19 ÷ 342

مثال ضرب: 342 = 18 × 19

(ii) سورہ یٰس میں حرف ''ی'' کی تعداد دو سو سینتیس، حرف ''س'' کی تعداد اڑتالیس ہے اور دونوں کا مجموعہ دو سو پچاسی ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مثال تقسیم: 15 = 19 ÷ 285

مثال ضرب: 285 = 15 × 19

ایک اور حیرت انگیز حقیقت

قرآن مجید کی انتیس سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں اور یہ حروف جتنی بھی دفعہ ان سورتوں میں آئے ہیں ان کا مجموعہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔!

1: حروف "الم" مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں اور ان حروف کی تعداد جو ان سورتوں میں آئی ہے ساتھ ہی درج ہے۔

سورت	حروف	تعداد
البقرۃ	الٓمٓ	نو ہزار نو سو اکانوے (9991)
ال عمران	الٓمٓ	پانچ ہزار سات سو چودہ (5714)
العنکبوت	الٓمٓ	ایک ہزار چھ سو پچاسی (1685)
الروم	الٓمٓ	ایک ہزار دو سو انسٹھ (1259)
لقمان	الٓمٓ	آٹھ سو تیئس (823)
السجدۃ	الٓمٓ	پانچ سو اسی (580)
الرعد	الٓمٓرٰ	("ر" کو نکال کر) ایک ہزار تین سو چونسٹھ (1364)
الاعراف	الٓمٓصٓ	("ص" کو حذف کر کے) پانچ ہزار دو سو ساٹھ (5260)

جملہ تعداد: چھبیس ہزار چھ سو چھہتر (26676)

یہ مجموعی تعداد چھبیس ہزار چھ سو چھہتر (26676) بھی اُنیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 1404 = 19 ÷ 26676

مثال ضرب: 26676 = 1404 × 19

2: حروف ''الر'' مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ان سورتوں میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ذیل میں دیا جاتا ہے اور سورہ رعد میں حرف ''ر'' کے سابق میں حذف شدہ ٹوٹل کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

سورۃ	حروف	تعداد
یونس	الر	دو ہزار پانچ سو بائیس (2522)
ہود	الر	دو ہزار پانچ سو چودہ (2514)
یوسف	الر	دو ہزار چار سو پانچ (2405)
ابراہیم	الر	ایک ہزار دو سو چھ (1206)
الحجر	الر	نو سو پچیس (925)
الرعد	المر	(صرف ''ر'' کی تعداد) ایک سو پینتیس (135)

جملہ تعداد: نو ہزار سات سو نو (9709)

یہ مجموعی تعداد نو ہزار سات سو نو (9709) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 511 = 19 ÷ 9709

مثال ضرب: 9709 = 511 × 19

3: مندرجہ ذیل سورتوں میں حروف ''حٰم'' آغاز میں آتے ہیں۔ان کی تعداد بھی ساتھ ہی لکھی گئی ہے۔ملاحظہ کیجیے۔!

سورۃ	حروف	تعداد
المومن	حٰم	چار سو ترپن (453)
حٰم السجدۃ	حٰم	تین سو چونتیس (334)
الزخرف	حٰم	تین سو باسٹھ (362)
الدخان	حٰم	ایک سو اکسٹھ (161)

الجاثیۃ	حٰمٓ	دوسو اکتیس(231)
الاحقاف	حٰمٓ	دوسو چونسٹھ(264)
الشوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ	(میں سے صرف "ح" اور "م" کی تعداد) تین سو اکسٹھ(361)

جملہ تعداد: دو ہزار ایک سو چھیاسٹھ(2166)

یہ مجموعی تعداد دو ہزار ایک سو چھیاسٹھ(2166) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثال تقسیم 114 = 19 ÷ 2166

مثال ضرب: 2166 = 114 ÷ 19

4: سورۃ الشوریٰ میں پانچ حروف "حٰمٓ عٓسٓقٓ" ہیں۔ ان پانچوں حروف "ح، م، ع، س اور ق" کی اس سورت میں جملہ تعداد پانچ سو ستر(570) ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

یہ مجموعی تعداد نو ہزار سات سو نو(9709) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 30 = 19 ÷ 570

مثال ضرب: 570 = 30 × 19

5: درج ذیل سورتوں میں حروف "ط" اور "س" آتے ہیں۔ ان کی جملہ تعداد پر غور فرمایئے۔!

سورۃ	حروف	تعداد
النمل	طٰسٓ	ایک سو بیس(120)
الشعراء	طٰسٓمٓ	(میں سے "م" کو حذف کر کے) ایک سو چھبیس(126)
القصص	طٰسٓمٓ	(میں سے "م" کو حذف کر کے) ایک سو انیس(119)
طٰہٰ	طٰہٰ	(میں سے "ہ" کو حذف کر کے د) اٹھائیس(28)

یٰسٓ	یٰسٓ	(میں سے ''ی'' کو حذف کر کے د) اڑتالیس (48)
الشوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ	(میں سے صرف ''س'' کی تعداد) ترپن (53)

جملہ تعداد: چار سو چورانوے (494)

یہ مجموعی تعداد چار سو چورانوے (494) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثال تقسیم: 26 = 19 ÷ 494

مثال ضرب: 494 = 26 × 19

6: سورہ صٓ میں حرف ''ص'' اٹھائیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ سورہ اعراف کا آغاز المٓصٓ سے ہوتا ہے اور اس سورت میں حرف ''ص'' اٹھانوے مرتبہ آیا ہے۔ سورہ مریم کا آغاز ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' سے ہوتا ہے اس سورہ میں حرف ''ص'' چھبیس مرتبہ آیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔!

سورۃ	حرف	تعداد
صٓ	ص	اٹھائیس (28)
اعراف	ص	اٹھانوے (98)
مریم	ص	چھبیس (26)

جملہ تعداد: ایک سو باون (152)

یہ مجموعی تعداد ایک سو باون (152) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثال تقسیم: 8 = 19 ÷ 152

مثال ضرب: 152 = 8 × 19

7: سورہ مریم کا آغاز ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' سے ہوتا ہے۔ اس سورت میں ان تمام حروف کی تعداد یہ ہے۔

حرف	تعداد
ک	ایک سو سینتیس (137)
ہ	ایک سو اڑسٹھ (168)
ی	تین سو پینتالیس (345)
ع	ایک سو بائیس (122)
ص	چھبیس (26)

جملہ تعداد: سات سو اٹھانوے (798)

یہ مجموعی تعداد سات سو اٹھانوے (798) بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ مثال تقسیم: 42 = 19 ÷ 798

مثال ضرب: 798 = 42 × 19

8: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ قرآن مجید کی انتیس (29) سورتوں میں حروف مقطعات آتے ہیں۔ حیرت کی انتہا ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں ہر ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ہر حرف کی جملہ تعداد انیس پر تقسیم ہو جاتی ہے۔

(1) مثلاً ان حروف مقطعات والی سورتوں میں "الف" کی تعداد سترہ ہزار چار سو ننانوے ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 921 = 19 ÷ 17499

مثال ضرب: 17499 = 921 × 19

(2) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ل" کی تعداد گیارہ ہزار سات سو اسی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 620 = 19 ÷ 11780

مثال ضرب: 11780 = 620 × 19

(3) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''م'' کی تعداد آٹھ ہزار چھ سو تیراسی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 457 = 19 ÷ 8683

مثال ضرب: 8683 = 457 × 19

(4) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ر'' کی تعداد ایک ہزار دو سو پینتیس ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 65 = 19 ÷ 1235

مثال ضرب: 1235 = 65 × 19

(5) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ص'' کی تعداد ایک سو باون ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 8 = 19 ÷ 152

مثال ضرب: 152 = 8 × 19

(6) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ح'' کی تعداد تین سو چار ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 16 = 19 ÷ 304

مثال ضرب: 304 = 16 × 19

(7) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ق'' کی تعداد ایک سو چودہ ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم: 6 = 19 ÷ 114

مثال ضرب: 114 = 6 × 19

(8) ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ''ن'' کی تعداد ایک سو تینتیس

ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثال تقسیم:

133 ÷ 19 = 7

مثال ضرب:

19 × 7 = 133

(9) انیس کا ہندسہ ایک اور نو سے مرکب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن سے منسوب ہے۔ ایک کا عدد اللہ تعالیٰ کی وحدت کا آئینہ دار ہے اور نو کا عدد اس کی مخفی صفات کا علمبردار ہے۔ چنانچہ انیس کا عدد جو ایک اور نو کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن کو واضح کرتا ہے۔ حسابی نقطہ نظر سے ایک سے پہلے کوئی ہندسہ نہیں ہے اور نو کے بعد بھی کوئی مفرد ہندسہ نہیں ہے یعنی انیس کا ہندسہ ابتداء و انتہاء کو حاوی ہے اور غالباً اسی لیے قرآن کے حسابی نظام کی اساس اسی ہندسے پر رکھی گئی ہے۔

الحاصل:

اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل و دانش کے بس کی بات نہیں ہے۔ الوہی بصیرت کو قرآن کے ایک ایک لفظ پر کنٹرول ہے۔ فی الحقیقت یہ ساری حسابی ترتیب حیرت انگیز ہے اور بلاشبہ سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی محیر العقول کتاب تصنیف نہیں کر سکتے۔!

اس دور میں قرآن مجید کو پوری طرح کمپیوٹرائز کیا گیا ہے۔ چنانچہ کمپیوٹر سے سوال کیا گیا کہ اگر انسان قرآن جیسی کتاب کی تصنیف کرنا چاہے تو کتنی مرتبہ کوشش

کرنے سے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے۔؟

کمپیوٹر نے جواب دیا کہ..................

"626000000000000000000000000"

مرتبہ کوشش کرنی پڑے گی۔!

بالفاظ دیگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان یا دنیا کے سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی کتاب تصنیف کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔!

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًاo"

(القرآن الحمید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 88)

"اے محبوب! فرما دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو لے آئیں وہ اس جیسا نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوںo"

☆ بہائی اور ۱۹ کا عدد

عدد ۱۹ کا قرآن کے ساتھ ایک خاص تعلق ثابت کیا جاتا ہے اور اسے قرآن مجید کی ریاضیاتی بنیاد بتاتے ہیں۔ پڑھے لکھے اور دین دار لوگ بھی اپنی دانست میں مخلصانہ دینی خدمت سمجھ کر اس کے حق میں مقالات لکھ رہے ہیں۔ کہ عجائبات قرآنی میں یہ بھی ایک معجزہ اور منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔ یہ تحقیقات امریکہ اور جنوبی افریقہ سے درآمد کی جارہی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ قرآن مجید کا ایک عددی نظام ہے اور یہ نظام عدد ۱۹ پر قائم ہے یہ قرآنی معجزہ ہے۔

۲۔ امریکہ میں کمپیوٹر کے ذریعہ یہ معجزہ ظاہر ہوا۔ اس سے پہلے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ان کے صحابہ، مفسرین، محدثین اور فقہاء کو اس معجزہ قرآنی کا علم نہ تھا۔

۳۔ یہ معجزہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں ۱۹ حروف ہیں اور سورۃ مدثر کی آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے جہنم پر متعین فرشتوں کی تعداد ۱۹ بتائی ہے۔ نیز مختلف سورتوں میں مختلف حروف مثلاً سورۃ اعراف میں حرف "ص" کی تعداد ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے اسی طرح حرف "ق" کی تعداد بھی ۱۹ پر مکمل تقسیم ہو جاتی ہے۔ یوں مختلف سورتوں کے مختلف حروف لے کر انہیں جمع۔ ضرب اور تقسیم کر کے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ عدد ۱۹ قرآن کا بنیادی عدد ہے۔

مندرجہ بالا تینوں اقوال کو واقعات اور حقیقتوں کے مقابلے میں رکھنے سے پہلے اس لاعلمی اور جہالت کی داد دیجئے۔ کہ جب ساری دنیا کو یہ معلوم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن تحریری شکل میں لکھا ہوا نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک بائیس سال اور کچھ ماہ چند دن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لکھوا دیتے۔ چونکہ کاغذ بآسانی دستیاب نہ تھا اس لیے کاغذ کے علاوہ چمڑے، ہڈی اور درخت کی چھال وغیرہ پر لکھ لیتے۔ اس کے لیے وہ جو حروف استعمال کرتے وہ کوئی جدید حروف نہ تھے بلکہ وہی مروج عربی حروف تھے۔ جن میں ان کے عہد اور زمانہ جاہلیت کے شعراء کے قصائد لکھے جاتے تھے۔ ان ہی حروف میں قریش کے تجار اپنے تجارتی حساب کتاب لکھتے تھے۔

یہ کیسی قابل داد جہالت ہے کہ کسی سورۃ میں کسی خاص حرف مثلاً "ص" یا "ق" یا کسی اور حرف کو گن کر اس کی تعداد کو قرآن کا ریاضیاتی نظام بتایا جائے۔ حروف اور رسم الخط تو الہامی اور منزل من اللہ ہیں۔ اوران کی تعداد معجزہ کیسے قرار پائی۔ چنانچہ حروف کی تعداد یا لفظوں اور اعراب کی تعداد سے قرآن کے لیے کوئی ریاضیاتی نظام ثابت کرنا ایسی جاہلانہ کوشش ہے جیسے کوئی کھن مجوروں (جزار پاپے) کے چالیس پیروں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی کا سال ثابت کرے۔

☆ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن نے کفار عرب کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تمہیں قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو ایک سورۃ بنالاؤ۔ تو کیا یہ مشکل بات تھی کہ ایک ایسی سورت بنالی جائے جس میں ۱۹ بار۔ ۳۸ بار یا ۵۷ بار کوئی ایسا حرف استعمال ہو کہ وہ عدد ۱۹ پر پورا تقسیم ہو جائے۔ قرآن مجید اپنی تحریر و املاء یا حروف تہجی کی مخصوص تعداد کی وجہ سے معجزہ نہیں بلکہ فصاحت و بلاغت اور مسائل حیات پر ہمہ گیر ہدایات کی وجہ سے معجزہ ہے۔ اور ایسا معجزہ ہے کہ آج تک اس کے مقابلہ میں انسان کوئی تحریر پیش کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ جب کہ بہت لوگوں نے کوشش کی۔ عبداللہ بن المقفع۔ علی محمد باب۔ بہاء اللہ۔ حسین نور۔ جیسوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر کسی کو کچھ حاصل نہ ہوا۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ دعویٰ اور دلیل کے مابین منطقی ربط ہونا چاہیے۔ جو یہاں مفقود ہے کہ بعض سورتوں کے بعض حروف کا ۱۹ پر تقسیم ہو جانا قرآن کے آسمانی ہونے کی دلیل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ زمین کی شکل کروی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ چاول سفید ہوتا ہے۔ یا کوئی علامۃ الدہر یہ کہے کہ لیموں چونکہ درخت پر ہوتا ہے اس لیے مچھلیاں پانی میں ہوتی ہیں۔ ایسی دلیلوں کے جواب میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

☆ چوتھی بات یہ کہ قرآن مجید میں بہت سے اعداد کا ذکر آیا ہے۔ سورۃ الحاقہ میں حاملان عرش کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے بارہ نہریں جاری ہوئیں۔ جس کا ذکر سورۃ بقرہ کے علاوہ کئی جگہ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں سو۔ ہزار۔ ستر اور دیگر اعداد کا بھی ذکر موجود ہے۔ ان تمام اعداد کو چھوڑ کر صرف عدد ۱۹ کو ہی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟ کیا اس عدد سے

کسی گروہ کے افکار وعقائد وابستہ ہیں؟ اس سے پہلے کہ ہم اس پر بحث کریں لوگوں کی عمومی ذہنی حالت کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

لوگ طبعاً عجائب پسند ہوتے ہیں۔ ہر عجیب بات کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں پھر یہ بات خوب چلتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں علم الاعداد پر بہت سی کتابیں اور مقالات موجود ہیں۔ اعداد متبرکہ۔ اعداد منحوسہ۔ اعداد متحابہ۔ اعداد متباغضہ کی تشریحات پر عربی میں بہت سے مقالات اور کتابیں ملتی ہیں۔ ایشیاء اور افریقہ کے جاہلوں سے زیادہ اس کا چرچا یورپ اور امریکہ کے وہمیوں میں موجود ہے۔ انگریزی میں درجنوں کتابیں اعداد اور ان کے اثرات پر ملتی ہیں۔ جن میں مسٹر کیرو کی کتاب الاعداد (The Book of Numbers) کی بڑی شہرت ہے ان میں ہر انسان کا ایک عدد بتایا جاتا ہے۔ پھر اس عدد کے تحت اس کی زندگی کی تشریح کی جاتی ہے۔

۱۹ ہی نہیں بلکہ دوسرے اعداد کو مختلف لوگوں نے بڑا تقدس عطا کیا۔ یہودی عدد سات اور بارہ کو مقدس کہتے ہیں۔ عیسائی عدد تیرہ کو منحوس سمجھتے ہیں۔ ہندو عدد تین کو منحوس اور عدد آٹھ کو باعث شر بتاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قمر در عقرب۔ چہار شنبہ کی نحوست۔ سنیچر کے اثرات اور کتنے ہی ایسے توہمات ہیں جن کی کوئی علمی و عقلی بنیاد نہیں۔ اور نہ کسی نبی برحق نے ان سے متعلق کوئی خبر دی۔

اسلام میں اس قسم کے دیو مالائی اوہام کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود قرآنی آیات کے ابجدی اعداد نکال کر تعویذ لکھے جانے لگے۔ بعض لوگ بسم اللہ کی بجائے ۷۸۶ لکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ بسم اللہ لکھ دیا۔ کہیں جاہلوں نے بجائے محمدؐ کے عدد (۹۲) لکھا بعض نے علیؓ کے بجائے (۱۱۰) لکھا۔ کسی نے ایک قدم اور بڑھایا "یا علی" کے اعداد جمل (۱۲۱) کو سرنامہ پر لکھ دیا۔

ہم اصل موضوع عدد ۱۹ کے تقدس کی طرف پلٹتے ہیں۔ بابی مذہب کا بانی علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں شہر شیراز کے ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوا۔ اگر اس سن کے چاروں اعداد کو جمع کریں (۹+۱+۸+۱) تو حاصل جمع ۱۹ آتا ہے۔ علی محمد باب نے اپنے لیے "باب" کا لقب استعمال کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ امام غائب مہدی تک پہنچنے کا باب یعنی دروازہ ہے۔ علی محمد باب شیعوں کے عقیدہ کا فائدہ اٹھاتے

ہوئے پہلے باب الامام پھر ترقی کر کے باب اللہ یعنی اللہ تک پہنچنے کا دروازہ بن گیا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "البیان" رکھا اور اسے الہامی قرار دیا۔ اور قرآن کی منسوخی کا استدلال سورہ یونس سے کرتا تھا کہ "لکل امۃ اجل" (ہر امت کے لیے ایک مدت ہے) اگلا فقرا خود ساتھ جوڑ دیا کہ "لکل اجل کتاب" چنانچہ قرآن منسوخ ہو چکا ہے۔ نیز خدا اس میں حلول کر چکا ہے۔

علی محمد باب بہت خوش بیان تھا۔ تیس سال کی عمر میں اس کے مریدوں کی تعداد بہت ہو گئی۔ اس کی ایک حسین اور فصیح اللسان مریدنی قرۃ العین طاہرہ نے اس کے حق میں عربی اشعار کہے۔ ۱۹ جولائی ۱۸۵۰ء میں ایرانی حکومت نے اسے اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے اسکی حواری قرۃ العین سمیت قتل کر دیا۔

اس کا خلیفہ اور حواری مرزا حسین علی جو بہائیت کا موسس تھا ایران کے شہر مازندران کی بستی نور میں ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام مرزا بزرگ نوری تھا جو وزارت مال میں ملازم تھا۔

حسین علی کا بھائی یحییٰ نور ازل روسی سفارت خانہ میں ملازم تھا جبکہ اس کا بہنوئی مرزا مجید تہران میں روس کے سفیر کا سیکرٹری تھا۔

علی محمد باب کے قتل کے بعد یہ فرقہ تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک فرقہ علی محمد باب کو عین ذات الٰہی کا ظہور مانتا رہا اور منتظر رہا کہ وہ پھر اس دنیا میں آئے گا۔

دوسرا فرقہ علی محمد باب کے اقرب حواری یحییٰ کو ظہور الٰہی تسلیم کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ یحییٰ نے لقب نور ازل اختیار کیا تھا۔

تیسرا فرقہ یحییٰ کے چھوٹے بھائی حسین نوری کا مرید ہو گیا اور یہ عقیدہ قائم کیا کہ خدائے لم یزل ولا یزال حسین نوری کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ حسین نوری نے بہاء اللہ نوری کا لقب اپنایا۔ چونکہ بابی کے مریدوں کو باغی قرار دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ فرقہ پردہ خفا میں چلا گیا۔ یحییٰ نور ازل شیراز سے بھاگ کر ایران گیا اور وہاں سے قبرص چلا گیا۔ یہ فرقہ بھی پھیل نہ سکا۔

تیسرا فرقہ بہائیہ خوب پھیلا۔ باب کے قتل کے بعد بہاء اللہ کو قید کر کے تہران رکھا گیا۔ چونکہ یہ روس اور برطانیہ کے لیے کام کرتا تھا اس لیے سفارت خانوں کی مداخلت کے سبب اسے سزائے موت نہ دی جا سکی۔ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۲ء (چار ماہ) قید کے دوران اس نے کتاب ایقان لکھی۔ پھر عراق (بغداد) بدر کر دیا گیا۔ وہاں سے حکومت عثمانیہ نے نکال کر ۱۸۶۸ء میں فلسطین کے شہر عکہ بھیج دیا۔ یہاں کے یہودیوں نے اس سے دوران نظر بندی راہ و رسم بڑھائی تاکہ مسلمانوں کے خلاف اس سے کام لیا جا سکے۔ چنانچہ اس نے بھی قرآن کریم کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کیا اور ایک کتابچہ "کتاب الاقدس" لکھا۔ جہاد کو حرام قرار دیا اور دعویٰ الوہیت بھی کر دیا۔ مئی ۱۸۹۲ء میں مجنون ہو کر مر گیا۔ اور عکہ ہی میں دفن کیا گیا۔ اس کا بڑا بیٹا عباس آفندی تھا جسے اس نے اپنے وارث کے طور پر تجویز کیا ۱۹۳۶ء میں عباس آفندی کا نواسہ شوقی اس مرتبہ پر فائز ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک مجلس قائم کی گئی۔ فلسطین میں مقام عکہ میں اس کا صدر مقام ہے اور تمام دنیا میں بہائی ہالوں کے ذریعہ ان کی تبلیغی مہم جاری ہے۔ یہودی حکومت اسرائیل اور یورپ و امریکہ ان کا حامی و مددگار ہے۔

بہائیوں نے خود اعلان کیا کہ انہیں مسلمانوں میں شمار نہ کیا جائے۔ وہ نہ مسلمان ہیں اور نہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عقیدۃً وہ تمام مذاہب کو حق کہتے ہیں (عالمی بہائی چارہ کی تفصیل آگے آئے گی) اور عملاً وہ کسی مذہب کے پابند نہیں۔

عبدالبہاء عباس آفندی ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو طہران میں اس دن پیدا ہوا جس دن علی محمد باب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ بچپن سے اپنے والد بہاء اللہ کے ساتھ ساتھ جلا وطن ہوتا رہا۔ بہائی مذہب میں جماعت کے ساتھ نماز ممنوع تھی مگر عباس آفندی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر بیروت میں پانچوں نمازیں ہی نہیں بلکہ جمعہ بھی جماعت سے پڑھ لیتا تھا۔ (تاریخ الاستاذ الامام از محمد رشید رضا صفحہ ۹۳۰) اور عیسائیوں کے ساتھ ان کے گرجا گھر میں عبادت کرتا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا بھی قائل تھا۔ (مکاتیب عبدالبہاء انگریزی ایڈیشن صفحہ نمبر ۱۳۹۰ از عباس آفندی) امریکہ میں یہ یہودیوں کے صوامع (Synagogue) میں جا کر ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔

(بہاءاللہ والعصر الجدید از اسلمنٹ بہائی صفحہ ۱۲۴)۔

عبدالبہا عباس نے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک امریکہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کی مدد سے مسلمانوں کے خلاف کام کیا اور بہاءاللہ کی جھوٹی نبوت کے مراکز قائم کیے۔ (دائرۃ المعارف صفحہ ۹۴ جلد ۵ پنجاب یونیورسٹی لاہور) عباس آفندی کا نواسہ شوقی آفندی ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوا اور امریکن کالج بیروت سے تعلیم حاصل کی اور تکمیل آکسفورڈ میں کی۔ (عبدالبہاء والبہائیہ صفحہ ۱۸۰ از سلیم قبعین البہائی) شوقی آفندی کا لقب امراللہ تھا اس نے ۱۹۳۷ء میں ایک امریکی عورت ماردی اور ایک عیسائی عورت میکس ویل سے شادی کی۔ ۱۹۵۷ء میں دل کے عارضہ سے مر گیا اور لندن کے عیسائی قبرستان میں دفن ہوا۔ (دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی صفحہ نمبر ۹۴ جلد ۵)

ابراہیم جورج خیراللہ امریکہ میں بہائیت کا پہلا مبلغ تھا۔ یہ ۱۱ نومبر ۱۸۴۹ء کو ملک شام کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ بیروت کے امریکی کالج سے تعلیم حاصل کر کے مصر چلا گیا جہاں اس نے بہائی مذہب قبول کر کے مرکز قائم کیا جو اس وقت دنیا میں ان کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کے قیام میں اس کی انگریز بیوی کی کوشش شامل تھی۔ (دروس الدیانیہ البہائیہ از خطیب صفحہ ۲۳)

مصر کا ایک بہائی راشد خلیفہ جس نے کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی تھی ۱۹۶۰ء میں امریکہ آباد ہو گیا۔ ۱۹۶۸ء میں کمپیوٹر کے ذریعہ "قرآن کی تشکیل اور ترتیب کا معجزہ" کے کام کا آغاز کیا۔ اور قرآن کے حروف تہجی۔ الفاظ و آیات بالترتیب کمپیوٹر میں فیڈ کر دیے اور ان میں کوئی تعلق تلاش کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کام میں اور لوگ بھی شامل ہو گئے ۱۹۶۷ء تک اسے ایک با قاعدہ ریسرچ سنٹر (اکیڈمی) کا درجہ دے دیا گیا۔ اس تحقیق کا محور عدد ۱۹ تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اس موضوع پر کئی کتابچے لکھے۔ اپنے متقدمین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور بالآخر اسی گمراہی کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں مر گیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن میں مختلف مواقع پر ۳۰ ہندسوں کا ذکر کیا ہے۔ ۱۰۰۰۰۰، ۱۰۰،۰۰۰، ۵۰،۰۰۰، ۳۰۰۰۰،
۲۰۰۰، ۱۰۰۰، ۳۰۰۰، ۳۰۰، ۲۰۰، ۱۰۰، ۹۹، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۹، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۴، ۳، ۲، ۱،
لیکن قرآنی معجزہ ثابت کرنے والے حضرات کی دلچسپی کا حامل ۱۹ کا ہندسہ ہی ہے۔ احمد دیدات نے بھی

۱۹ کے ہندسے کو اہمیت دی اور معجزہ ۱۹ القرآن Mercal Quran کے نام سے کتابچہ بھی لکھا۔

قرآن مجید کے لیے ایک ریاضیاتی بنیاد اور اس کے لیے عدد ۱۹ کا تعین قرآن کی شان بڑھانے کے لیے نہیں بلکہ بہائیوں کی تبلیغی مہم کا حصہ ہے جس کے تحت مسلمانوں میں عدد ۱۹ کی اہمیت کا احساس پیدا کرنا ہے۔ تاکہ علی محمد باب کی برتری کو ذہن نشین کرایا جا سکے۔ ورنہ دیگر اعداد بھی موجود ہیں۔ جن کا ذکر قرآن نے کیا۔ ان سب کو چھوڑ کر عدد ۱۹ کو قرآن کی ریاضیاتی بنیاد بتانا قرآن مجید سے عقیدت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ علی محمد باب کے عین ذات الٰہی ہونے کے عقیدہ سے وابستہ ہے۔

کچھ حضرات دو قدم اور بڑھ گئے انہوں نے قرآن کے پاروں اور سورتوں کے درمیان تعلق پر گراف ترتیب دے کر اسے معجزانہ گراف کا نام دے دیا۔ ان کی تحقیق کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو مثلاً پہلے پارہ میں دو سورتیں ہیں اور تیسرے پارے میں صرف سورۃ آل عمران ہے۔ جو چوتھے پارے تک جاتی ہے اور پھر سورۃ نساء شروع ہو کر چھٹے پارے میں ختم ہوتی ہے۔ پھر نئی سورۃ شروع ہوتی ہے اور بارہویں پارے تک بارہویں سورت کا آغاز ہوتا ہے۔ بیسویں پارے تک ۲۹ سورتیں۔ اکیسویں پارے تک ۳۳ سورتیں اور بائیسویں پارے تک ۳۶ سورتیں پچیسویں تک ۴۵ سورتیں۔ اٹھائیسویں تک ۶۶ سورتیں۔ اس کے بعد تیسویں پارے تک ۱۱۴ سورتیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ جسے گراف کی شکل میں ظاہر کر کے اسے قرآن کا معجزہ قرار دیا جا رہا ہے۔

☆ قرآنی معجزہ

آگے منازل ترتیب کے معجزہ کو حسابی فارمولا کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

کسی منزل میں تعداد سورۃ = ۲× منزل نمبر +۱

منزل (۱) میں تعداد ۳ = ۲×۱+۱ — منزل نمبر (۲) میں تعداد ۵ = ۲×۲+۱

منزل نمبر (۳) میں تعداد ۷ = ۲×۳+۱ — منزل نمبر (۴) میں تعداد ۹ = ۲×۴+۱

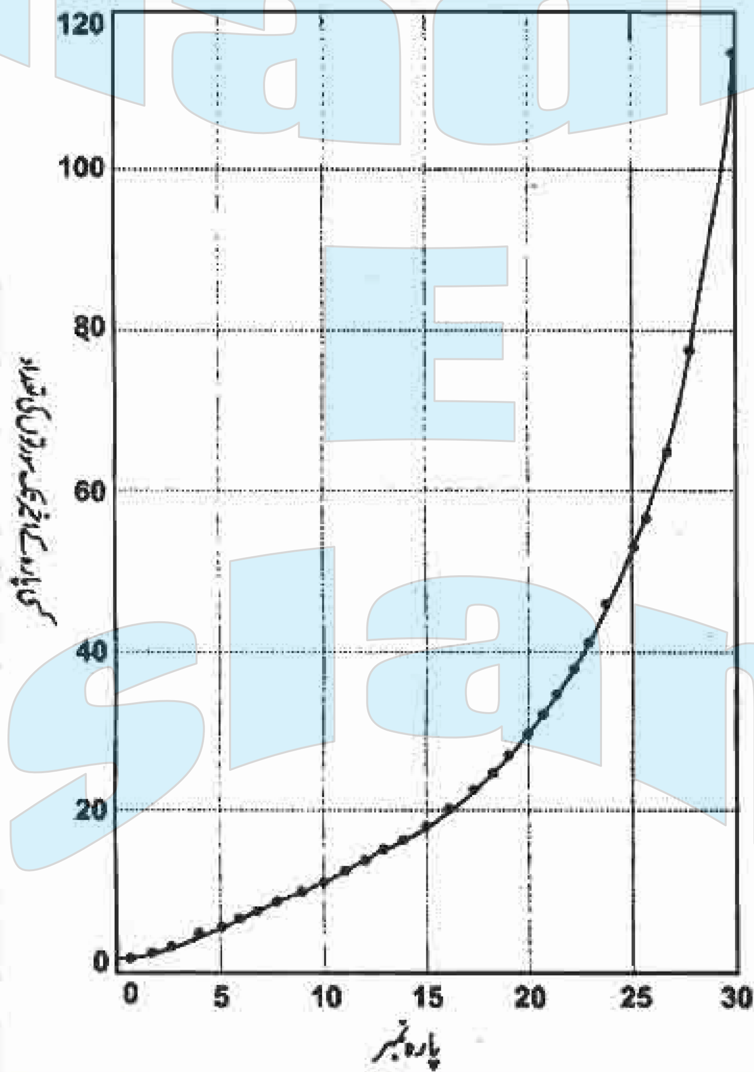
منزل نمبر (۵) میں تعداد ۱۱ = ۲×۴+۱ — منزل نمبر (۶) میں تعداد ۱۳ = ۲×۶+۱

منزل نمبر (۷) میں تعداد ۶۵ = ۲×۷+۱ — (یہاں خود ساختہ فارمولا نے ساتھ نہ دیا)

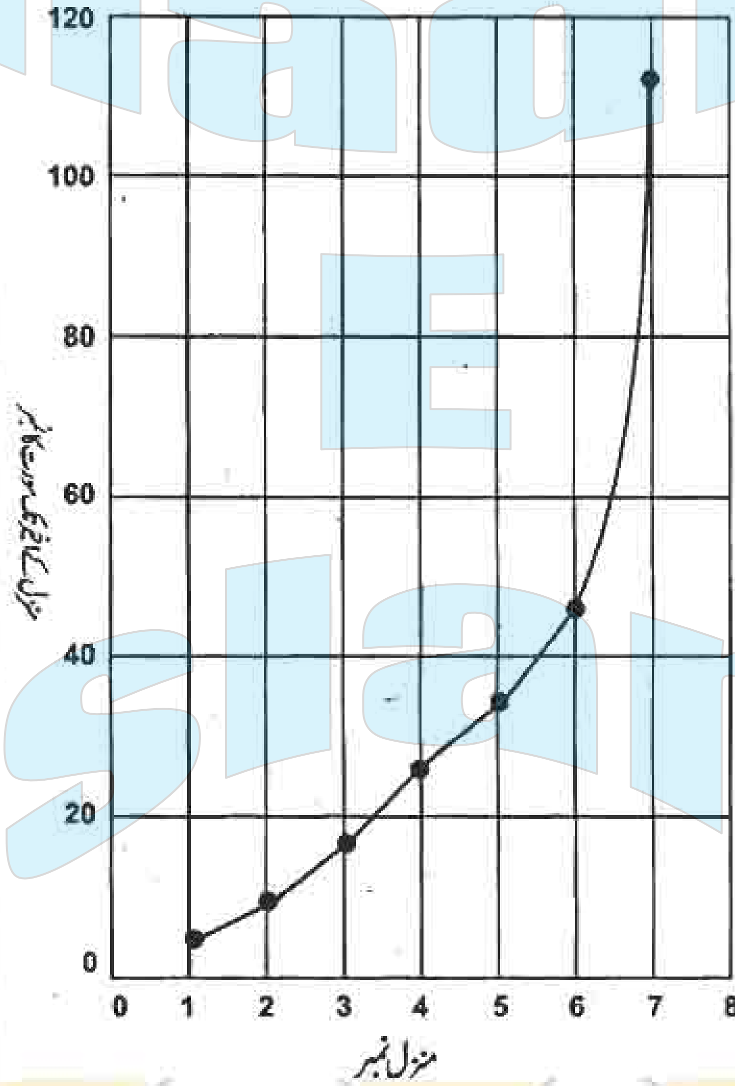
☆ پھر اسے بھی معجزانہ گراف کی شکل میں ترتیب دیا ہے۔

معجزانہ گراف

قرآن حکیم کے پاروں اور سورتوں کے درمیان تعلق کا گراف



معجزاتی گراف



☆قرآن کا ریاضیاتی معجزہ

بعض نام نہاد محقق حضرات یہ کہتے ہیں کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں ہے کہ اس سے بسم اللہ کی تعداد ۱۱۵ ہو جاتی ہے اور قرآن کا ۱۹ کا حاصل ضرب غلط ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کی ساتویں منزل میں اللہ نے سورتوں کی تعداد کم کیوں نہ کر دی تا کہ حاصل ضرب ۱۹ آ سکے۔

اسی طرح مصر کی تنظیم اخوان المومنون کے ایک نام نہاد محقق ڈاکٹر طارق السویدان نے قرآن میں موجود اصطلاحات اور ان کے مترادفات کی تعداد کو قرآنی معجزہ قرار دیا ہے۔ اس کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "یوم" قرآن میں ۳۶۵ مرتبہ آیا ہے کیونکہ شمسی سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ اور اس کی جمع "یومین" ۳۰ مرتبہ ہے۔ یہ ایک مہینہ کے اوسط دن ہیں۔ لفظ "شہر" ۱۲ مرتبہ آیا ہے جو سال کے مہینوں کی تعداد ہے۔ مرد اور عورت (الرجل۔ امراۃ) کے الفاظ ۲۳ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں کیونکہ انسانی کروموسوم کی تعداد بھی تیئیس ہوتی ہے۔ جنت اور جہنم کے الفاظ ۷۷ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ ایمان اور کفر کی تعداد ۲۵ ہے۔ ابرار (نیکوکار) ۶ مرتبہ اور فجار (بدکردار) ۳ مرتبہ آیا ہے کیونکہ انسان میں نیک بننے کے امکانات دوگنے ہوتے ہیں۔ جزا (بدلہ) کا لفظ ۱۱۷ مرتبہ جبکہ مغفرت (معافی) کا لفظ ۲۳۴ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں بھی خود ہی توجیہ کر دی ہے کہ ہم اعمال اچھے کریں اور اپنی کوتاہیوں کی زیادہ معافی مانگیں۔ ملائکہ اور شیطان کا ذکر ۶۸ مرتبہ آیا ہے (ملائکہ اور شیطان کیسے مترادف ہو گئے) خیانت اور خباثت ۱۶ مرتبہ موجود ہے (یہ بھی مترادف نہیں) شراب (خمر) اور اس کا اثر (سکارٰی) ۶ مرتبہ (یہ بھی مترادف نہیں) محبت اور اطاعت ۱۰۷ مرتبہ (یہ بھی مترادف نہیں) شکر اور مصیبت کا لفظ ۷۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اسے جبراً مترادف ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کی ہے کہ نعمت پر ممنون ہونے کے لیے شکر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ ناشکرے پر مصیبت آتی ہے۔ شمس اور نور ۳۳ مرتبہ آیا ہے (قرآن نے دونوں الفاظ کو مختلف معنی میں لیا ہے محقق موصوف نے شمس کو منبع روشنی کی وجہ سے نور کا مترادف بنا دیا) حیات اور موت کے لیے ۱۴۵ دفعہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بصیرت اور بصارت کو ۱۴۸ مرتبہ استعمال کیا (یہ بھی

مترادف نہیں) آسانی (الیسر) اور مشکل (العسر) ۳۶ مرتبہ استعمال ہوا (یہ مترادف نہیں بلکہ متضاد ہیں) سلام اور طیب کا لفظ ۵۰ مرتبہ آیا ہے (یہ بھی مترادف نہیں) زکوٰۃ کی وجہ سے برکت ہوتی ہے اس لیے یہ دونوں الفاظ ۳۲ مرتبہ استعمال ہوئے۔ "اسلام" اور "الدین" ۷۰ مرتبہ استعمال ہوا۔ جہاد چونکہ مسلمین کا دعویٰ ہے اس لیے یہ دونوں لفظ ۴۱ مرتبہ آئے ہیں۔

آج سے تیس سال پیشتر جب کمپیوٹر صرف ڈوس (DOS) پروگرام پر چلتا تھا اس وقت ایک روسی نومسلم نے ایک چھوٹا سا پروگرام "مسلسبیل" بنایا تھا۔ جس کے ذریعہ آپ قرآن کے ہر لفظ بلکہ حرف اور زیر زبر وغیرہ کی تعداد معلوم کر سکتے تھے اور ان تمام کو سکرین پر دیکھ سکتے تھے۔ آج ونڈوز پروگرام کے لئے "ذوکر" کے نام سے سوفٹ ویئر موجود ہے۔ معلومات کی حد تک تو یہ درست ہے لیکن کوئی فارغ شخص ان کا آپس میں تعلق جوڑ کر اسے معجزہ قرآنی ثابت کرنے لگے تو اسے کیا کہا جا سکتا ہے۔

ان محققین کے نزدیک قرآن کے ترتیبی نظام میں ۱۹ کے ہندسہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

☆ مثلاً بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف کی تعداد ۱۹ بتائی جا رہی ہے (جبکہ یہ اکیس حروف کا مجموعہ ہے جس کا ذکر آگے آئے گا) اسی طرح لفظ اسم قرآن میں ۱۹ مرتبہ آیا ہے لفظ اللہ ۲۶۹۹ مرتبہ جو انیس کے حاصل ضرب ۱۴۲ اور ایک حاصل جمع کا مرکب ہے (معجزانہ ترتیب یہاں خود ہی غلط ہو گئی اب صرف تاویل ہی کی جا سکتی ہے۔) الرحمٰن ۵۷ مرتبہ آیا ہے جو ۱۹ کا ۳ سے حاصل ضرب ہے۔ اسی طرح الرحیم ۱۱۴ مرتبہ استعمال ہوا ہے جو ۱۹ کا ۶ سے حاصل ضرب ہے۔

☆ معجزانہ ترتیب کے قائلین نے اگلا قدم اٹھایا کہ قرآن کی ۱۱۴ سورتیں ۱۹ کے حاصل ضرب ۶ کا مجموعہ ہے اور اللہ نے کائنات کی تخلیق ۶ دن میں کی چنانچہ اس سے قرآن اور کائنات کا آپس میں تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

☆ سورۃ توبہ کے علاوہ ۱۱۳ سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ ہے اور سورۃ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط بسم اللہ شامل کر کے ۱۱۴ ہو گئیں جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ سورۃ توبہ کا نمبر ۹ ہے اور سورۃ نمل کا ۲۷۔ ان دونوں کے درمیان آنے والی سورتوں کے نمبر کا

حاصل جمع ۳۴۲ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

(۹ +۱۰+ ۱۱+۱۲ +۱۳ +۱۴+......۲۵+۲۶+۲۷)= ۳۴۲ =۳×۶×۱۹= ۳۴۲

(اسی طرح کی الٹی سیدھی ترکیبوں سے تو موجودہ بائبل، گرنتھ یا رامائن بھی درست ثابت ہو سکتی ہے)

☆سورۃ العلق کی پانچ آیات (پہلی وحی) کے الفاظ ۱۹ ہیں اور حروف کی تعداد ۷۶ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆سورۃ العلق آخر قرآن سے ۱۹ ویں نمبر پر ہے اس سے پہلے ۹۵ سورتیں ہیں جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

ان فارغ محققین کے نزدیک پہلی وحی جس کے ۱۹ الفاظ تھے کو ۱۹ آیات والی سورت میں رکھا اور اس کے حروف کو ۷۶ تک محدود کر دیا۔ تاکہ ۱۹ کا فارمولا قائم رہے پھر قرآن کی ترتیب میں ۹۶ نمبر پر رکھا۔ تاکہ اس سے پہلے ۹۵ جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے اور بعد میں ۱۹ ہو۔ بلکہ پوری سورت کے حروف ۳۰۴ ہیں جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆آخری سورۃ نصر کا ترتیبی نمبر ۱۱۰ ہے۔ یہ بھی ۱۹ الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی آیت میں ۱۹ حروف ہیں چنانچہ یہ ۱۹ کے کلیدی ہندسہ کا زندہ معجزہ ہے۔

☆اللہ کے بعض صفاتی نام (باقی کیوں نہیں؟) ۱۹ مرتبہ آئے ہیں مثلاً واحد وغیرہ یا ۱۹ کے حاصل ضرب کے مطابق جامع ۱۱۴ مرتبہ۔ مجید ۵۷ مرتبہ وغیرہ

☆اللہ کا ذاتی نام اللہ قرآن میں ۲۶۹۹ مرتبہ ہے۔ اسے ۱۹ کا ہندسہ تقسیم نہیں کرتا بلکہ ایک بچ جاتا ہے۔

اس خودساختہ معجزانہ ترتیب کے موجد ڈاکٹر راشد خلیفہ مصری جس نے بعد میں خود نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی اس ترتیب کے مطابق یہ کہا کہ قرآن میں اللہ کا ایک نام زیادہ ہے۔ جو غلطی سے لگا دیا گیا ہے۔ اس نے قرآن کی تصحیح کرتے ہوئے سورۃ توبہ کی آخری دو آیات نمبر ۱۲۸۔ ۱۲۷ کو قرآن سے خارج کر دیا۔ یوں اللہ کا ایک نام بھی نکل گیا۔ اس طرح اللہ کے لفظ کا مجموعہ

۲۶۹۸ رہ گیا جو ۱۹ کا حاصل ضرب تھا۔ اور کمپیوٹر کا فارمولا غلط ہونے سے بچ گیا۔

آج کے محققین نے اس میں کچھ تبدیلی کر لی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تقسیم کے بعد ایک بچ جانا اللہ کے واحد ہونے کی علامت ہے۔

☆ عدد ۱۹ کو کلیدی سمجھنے والوں کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ قرآن کی تمام سورتیں آپس میں جمع کرتے جائیں (۱+۲+۳ +۴ .... ۱۱۴) تو اس کا مجموعی عدد ۶۵۵۵ ہوگا۔ جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ سورۃ شوریٰ کے حروف مقطعات (حٰمٓ عٓسٓقٓ) اور سورۃ ق بھی حروف مقطعات ق سے شروع ہوتی ہے۔ ان دونوں سورتوں میں حرف ''ق'' ۵۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔ نیز دونوں سورتوں میں ق کا مجموعہ ۱۱۴ ہے۔ جو کلام اللہ کی کل سورتوں کی تعداد ہے۔ نیز لفظ قرآن بھی کلام اللہ میں ۵۷ مرتبہ آیا ہے اور مجید بھی ۵۷ مرتبہ۔

☆ سورۃ شوریٰ کی آیات ۵۳ ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے ۴۲ نمبر پر ہے دونوں کا مجموعہ ۹۵ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔ سورۃ ق کا نمبر ۵۰ اور آیات ۴۵ ہیں دونوں کا مجموعہ ۹۵ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ قرآن کی ہر سورت کی انیسویں آیت میں آنے والے تمام قاف کا مجموعہ ۷۶ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ سورۃ القلم کی آیت حروف مقطعات ''ن'' سے شروع ہوتی ہے اس سورۃ میں کل ''ن'' کی تعداد ۱۳۳ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ سورۃ اعراف، سورۃ مریم اور سورۃ صٓ میں حرف صاد کی کل تعداد ۱۵۲ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ سورۃ یٰسین میں (''ی'') ۲۳۷ مرتبہ اور حرف سین ۴۸ مرتبہ آیا ہے جن کا مجموعہ ۲۸۵ ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

☆ حروف مقطعات (ح اور م) قرآن کی سات سورتوں (سورۃ نمبر ۴۰ سے ۴۶ تک) میں کل

۲۱۴۷ مرتبہ آیا ہے جو ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔

اب اس ریاضیاتی بنیاد کو علمی انداز میں پرکھیئے۔ کیا واقعی یہ علمی لحاظ سے بے بنیاد ہے یا معجزہ؟
لفظ بسم الله الرحمن الرحیم کو لیجئے۔ یہ حروف نہیں بلکہ ۲۱ حروف ہیں جو رسم الخط کی وجہ سے ۱۹ دکھائی دیتے ہیں۔ لفظ اسم کا الف علم الرسم میں خاص طرز کتابت کی وجہ سے نہیں لکھا جاتا۔ ورنہ قرآن میں اقرأ باسم ربك اور فسبح باسم ربك میں الف موجود ہے۔ اگر بسم اللہ میں الف نہ مانا جائے تو یہ ب س۔ م رہ جائے گا۔ جس کا معنی "بے آواز ہنسنا" کے ہیں۔ اسی طرح الرحمٰن کا وزن فعلان ہے جیسے سعدان۔ حیران وغیرہ۔ اور قرآن کے رسم الخط میں جب الف کو طویل انداز میں ادا کرنا مقصود نہ ہو تو الف کی بجائے کھڑا زبر لگا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ تجوید و قرأت کے مطابق سینکڑوں آیات میں الف ساکن کی جگہ پر کھڑا زبر موجود ہے۔ شمار میں الف ہی شمار ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ فاتحہ میں ملٰلِكِ (میم الف کے ساتھ نہیں بلکہ کھڑے زبر کے ساتھ ہے) اسی طرح سورۃ مائدہ آیت ۴ میں الطیبٰتُ۔ آیت نمبر ۵ میں الکتٰب۔ المحصنٰت۔ المومنٰت۔ الخسرین۔ آیت نمبر ۶ میں لٰمستم۔ آیت نمبر ۹ میں الصلحٰت آیت نمبر ۱۰ میں اصحٰب وغیرہ۔ اگر ان تمام آیات کے مذکورہ الفاظ سے الف خارج کر دیا جائے تو یہ اپنے معنی میں قائم نہیں رہ سکتے۔ یہی صورت لفظ الرحمٰن کی ہے۔

بسم اللہ کے ۱۹ حروف ثابت کرنے والوں نے تفسیر ابن کثیر کی ایک روایت کو اپنا مدار بنایا ہوا ہے۔ کہ علامہ ابن کثیرؒ نے سورۃ مدثر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف ایک قول منسوب کیا ہے کہ بسم اللہ کے حروف ۱۹ ہیں اس روایت پر اہل فن نے کلام کیا ہے۔ کیونکہ اہل عرب صیغوں کے اوزان اور قواعد کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ کمپیوٹر کے ذریعہ ریاضیاتی معجزہ ثابت کرنے والے حضرات چونکہ علم القرأت اور عربی اوزان سے ناواقف رہے ہیں اس لیے ان کی تاویلیں بھی عجیب ہیں۔

عدد ۱۹ کو قرآن کا ریاضیاتی معجزہ ثابت کرنے والے حضرات ضرب اور تقسیم کا عمل کرکے مختلف جگہ ۱۹ کو حاصل جمع یا مقسوم علیہ دکھاتے ہیں اس معجزہ کا نہ تو صاحب وحی کو علم ہوا نہ کسی صحابی کو اطلاع

ہوئی۔اور اب تک سب ہی اس سے ناواقف رہے۔اور امریکہ میں کمپیوٹر نے یہ ریاضیاتی بنیاد ثابت کی۔ یہ تو درست ہے کہ کمپیوٹر کسی بھی دیئے ہوئے اعداد پر صحت کے ساتھ حسابی عمل کر دیتا ہے۔ لیکن یہ کسی کے لیے کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے کہ کمپیوٹر کسی عدد کو مقدس بنا کر پیش کر دے۔اس طرح جمع تفریق اور ضرب تقسیم کے ذریعہ بیسیوں عددی عجائبات قرآن ہی نہیں بلکہ کسی انسانی تصنیف میں پیدا کی جاسکتی ہیں۔مثلاً حم کے اعداد جمل (۴۸) کو سورۃ الحاقۃ آیت نمبر ۱۷ میں بیان کیے گئے عدد ملائکہ حاملان عرش ۸ پر تقسیم کیا جائے تو چھ کا عدد برآمد ہوگا۔اور الم چھ سورتوں کی ابتدا میں ہے قرآن میں ۲۹ سورتوں میں حروف تہجی بطور حروف مقطعات موجود ہیں ان کا مجموعہ ۱۴ ہے۔۱۴ کو ۱۴ سے ضرب دیں حاصل ضرب ۱۹۶ آئے گا۔اسے اصحاب کہف کے عدد ۷ پر تقسیم کریں تو چاند کے لمعات ۲۸ نکل آئیں گے۔اس طرح کے عجائبات قرآن سے ہی نہیں بلکہ ہزار داستان۔ہیر رانجھا۔ دیوان حافظ سے بھی بہت سے عجائبات برآمد کرلیں۔

اللھم اخرجنا من ظلمات الوھم و اکرمنا بنور الفھم وثبت اقدامنا علیٰ صراطك المستقیم۔

اب ہم اپنے موقف کو مزید تقویت دینے کے لیے صدیقی ٹرسٹ کراچی کے منصور الزمان صدیقی صاحب کا خط مورخہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۲۶ کتوبر ۱۹۸۰ء اور مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کا مکمل جواب نقل کر رہے ہیں۔جو حضرات شائق ہوں وہ احسن الفتاویٰ جلد ۶ میں دیکھ سکتے ہیں۔

بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ

ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

حضرت محترم مزاجِ عالی،

ایک مصری عالم ڈاکٹر رشاد خلیفہ کی تحقیق کے مطابق کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن پر تحقیقات کا سلسلہ دنیا کے ممالک میں جاری ہے، یہ سلسلہ اب پاکستان میں اسلام آباد یونیورسٹی میں بھی شروع ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوا تھا، اس کی نقول پاک و ہند کے متعدد رسائل میں بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اور اب یہ مضامین عربی اخبار و جرائد میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ۱۹ کا ہندسہ خاص طور پر زیر بحث آیا ہے اور یہی تحقیق سب سے اوّل شائع ہوئی تھی، اس پر متعدد حضرات نے اعتراضات بھی شائع کئے ہیں لیکن یہ اعتراضات محدود پیمانہ پر سامنے آئے ہیں۔ اب ایک پاکستانی مسلمان برطانیہ سے یہ تحریر کرتے ہیں کہ علماء کرام کی رائے اس سلسلہ میں دریافت کی جائے۔

ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیق بصورت انگریزی رسالہ، اور دیگر حضرات کی تحقیقات بصورت اُردو رسالہ "قرآن کریم کا اعجاز" ہمراہ روانہ خدمت ہے۔ براہ کرام اس سلسلہ میں جواب سے مطلع فرمایئے کہ یہ تحقیقات اسلامی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہیں اور اس کی اشاعت جائز ہے یا یہ طریق کار خلاف اسلام ہے؟ والسلام

احقر الزمان، محمد منصور الزمان

☆

محترم جناب محمد منصور الزمان صاحب، صدیقی ٹرسٹ کراچی

قرآن کریم کے کمپیوٹری تجزیے سے متعلق آپ کا استفسار موصول ہوا۔ جواب ارسال ہے۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

میں زبان وقلم کی طرح آنکھ اور کان کی بھی لغویات سے حفاظت کا اہتمام کرتا ہوں، مع ہذا کان میں کچھ لغو باتیں پڑ ہی جاتی ہیں، بالمشافہ کسی کو کم ہمت ہوتی ہے۔ ٹیلیفون پر اس کا شکار ہو جاتا ہوں، اسی سلسلہ کی ایک خبر وہ بھی ہے جس سے متعلق استفسار کیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایک صاحب نے بذریعہ فون بزعم خود اس "عجب انکشاف" کی خبر سے میرے کان کو ملوث و متوحش کیا۔ میں اس وقت اس کا حاصل صرف یہ سمجھا کہ ماڈرن مسلم کے نیو ماڈل جوڑے کو ابلیس نے روح قرآن کے فہم اور

اس کے مطابق عمل سے غفلت میں رکھنے کے لئے ایسی لغویات کو ان کی نظر میں مزین کر دیا ہے اور ان کو اس فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ بس حاصل قرآن یہی ہے۔ مگر بعد میں جب یہ سنا کہ یہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی مہم چلائی جا رہی ہے تو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں اسکے پس پشت کوئی طاغوتی قوت تو کارفرما نہیں؟ اور دشمنان اسلام اعجاز قرآن کے نام سے اسلام و قرآن کے خلاف سازش میں تو مصروف نہیں؟

اس سازش کے دو رُخ ہو سکتے ہیں

پہلا رُخ:

فرقہ بہائیہ کے مقدس عدد "انیس" کو پورے قرآن کا محور ثابت کر کے یہ تاثر دیا جائے کہ بہائیت نہ صرف یہ کہ قرآن سے ثابت ہے بلکہ پورے قرآن کی روح ہے۔ فرقہ بہائیہ نے اس عدد کا تقدس ہند کی جہالت قدیمہ سے لیا ہے جس میں "انیس" کے عدد کو اس لئے متصرف و مؤثر گردانا جاتا تھا کہ یہ سب سے چھوٹی اکائی اور سب سے بڑی اکائی یعنی ایک اور نو کا مجموعہ ہے۔

مذہب بہائی کا اصل بانی علی محمد باب ہے۔ ان کے عقیدہ میں یہ باب "ظہور الٰہی" تھا۔ اس کے بعد اس کی امت کے مختلف فرقے ہو گئے جن میں سے بہاء الدین کے پیروکار بہائی کہلاتے ہیں اس لئے فرقہ بہائیہ بھی مذہب بابی ہی کے شجر خبیث کا ثمر ہے۔

علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا جس کے اعداد کا مجموعہ "انیس" ہے ۹+۱+۸+۱=۱۹۔ اس بناء پر فرقہ بہائیہ کے عقیدہ میں یہ عدد بہت مقدس اور پوری کائنات کا محور ہے، اسی لئے یہ لوگ سال میں انیس مہینے اور ہر ماہ انیس دن کا شمار کرتے ہیں۔ اپنی تحریریں اسی عدد سے شروع کرتے ہیں اور اپنے معبدوں و تبلیغی مرکزوں (بہائی ہال) کی دیواروں پر یہ عدد نمایاں طور پر لکھتے ہیں۔

ان کا مرکز فلسطین میں مقام "عکہ" ہے حکومت اسرائیل کی سرپرستی میں ان کی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں۔ امریکہ میں ان کی کافی تعداد ہے۔ ممکن ہے کہ "قرآن کا کمپیوٹری اعجاز" انہی کی سازش ہو۔

دوسرا رخ:

سازش کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس عدد کے محورِ قرآن ہونے کی خوب تشہیر کی جائے حتیٰ کہ مسلمان بھی اس فریب میں آجائیں اور اس غلط نظریہ کو قبول کرلیں کہ "انیس" کا عدد قرآن میں وجہ اعجاز ہے اور پورے قرآن کا محور ہے۔ اس کے بعد بیشتر ابدل کر اس عدد کی نحوست کی تشہیر شروع کردی جائے مثلاً: جہنم کے فرشتے اُنیس ہیں۔ نار جهنم هم فيها خالدون کے حروف مکتوبہ اُنیس،

فرعون، ہامان، شداد، نمرود کے حروف مکتوبہ کا مجموعہ انیس،

بعض عامل بچھو کا زہر اُتارنے کے لئے زمین پر گول دائرہ میں اُنیس کا عدد لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس سے ثابت کریں:

معاذ اللہ قرآن انسان کو ملائکہ جہنم کے سپرد کرتا ہے، ہمیشہ کے لیے نارِ جہنم میں پھینکتا ہے،

فرعون جیسے کفار کے زمرہ میں شامل کرتا ہے، حیات قلب کے لئے سم قاتل ہے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ایسے کفریات سے حفاظت فرمائیں

یا اسی قسم کے اعداد کسی دوسرے کلام میں دکھادیں، اس طرح قرآن کی حقانیت واعجاز کو مخدوش کرنے کی کوشش کریں۔

اگر بالفرض اس تحریک میں شیطان کے کسی انسانی کارندہ کا ہاتھ نہ بھی ہو تو براہ راست شیطان خود اس کی کمان کررہا ہے۔ اس لئے کہ اس میں مذکورہ دو مفاسد بہر کیف موجود ہیں خواہ اس میں کسی دشمن اسلام انسان کی سازش ہو یا نہ ہو۔

قرآن کے کمپیوٹری تجزیہ کے مفاسد:

مزید برین اس میں دوسرے مفاسد بھی ہیں مثلاً

ا۔ اس تحریک کی بدولت مسلمان قرآن کی دعوت اور اس پر عمل سے اور زیادہ غافل ہو جائیں گے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے ساتھ صرف ایسا تعلق رکھنا چاہتی ہے جس میں دعوت

قرآن پر غور و فکر کی مشقت اور قرآن پر عمل کے مجاہدہ کی بجائے پیٹ اور آنکھ کان وغیرہ کی لذت حاصل ہو، اس میں ان کے دو فائدے ہیں:

(۱)۔ تدبر قرآن، ترک منکرات اور حدود اللہ پر قائم رہنے کی محنت و مشقت کی بجائے راحت و نفسانی لذت۔

(۲)۔ اس طریقہ کار سے یہ فریب دہی مقصود ہے کہ یہ لوگ محبت قرآن کے حقوق ادا کر رہے ہیں اور سرتاپا مخالفت قرآن کے باوجود عشق قرآن میں مرے جا رہے ہیں۔

ہم فراق یار میں گھل گھل کے ہاتھی ہو گئے
اتنے گھلے اتنے گھلے رستم کے ساتھی ہو گئے

۲۔ دماغ و قلم کی قوتوں اور قیمتی وقت کی اضاعت:

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"بندہ سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کی یہ علامت ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جائے" اور فرمایا

"لایعنی کاموں سے احتراز حسنِ اسلام کی علامت ہے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع، قلب غیر خاشع اور دعا غیر مستجاب سے پناہ مانگی ہے۔ ان تینوں جملوں میں یہ ربط ہے کہ اجابت دعا خشوع قلب پر موقوف ہے اور خشوع قلب علم غیر نافع سے احتراز پر موقوف ہے۔

شیطان اپنی اس کامیابی پر کتنا مسرور ہوگا کہ خدمت دین میں ایسے منہمک لوگ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ پاس انفاس کی صورت کی بجائے اس کی روح کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ آج وہ بھی ایسی لغویات کی تردید میں مشغول ہیں۔

عدد انیس کے وجہ اعجاز قرآن ہونے کا ابطال:

انیس کے عدد کو محور قرآن اور وجہ اعجاز قرار دینا بوجوہ ذیل بالکل لغو، باطل اور نقل وعقل کے سراسر

خلاف ہے۔

۱۔ شریعت میں اس عدد کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں، عقلاً بھی یہ کوئی کمال نہیں، ایسے مفروضات تو ہر کس وناکس کے کلام میں نکالے جاسکتے ہیں۔ اگر ایسے ساقط امور کو وجہ اعجاز فرض کرلیا جائے تو معاذ اللہ کلام حریری کلام اللہ سے زیادہ معجز قرار پائے گا۔

تعداد حروف کا قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی اعتبار نہیں، نہ ہی فن فصاحت وبلاغت میں اس کا کوئی اعتبار ہے، نہ ہی اور کسی لحاظ سے اس میں کوئی حسن وخوبی ہے۔

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اُنیس حروف ہونے کی وجہ سے، جس طرح اس عدد کا تقدس ثابت کیا جارہا ہے اسی طرح بعض دوسرے کلمات کے عدد سے اس کی نحوست پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ جس کی چند مثالیں اوپر لکھی جاچکی ہیں، وجہ ترجیح کیا ہے؟

۳۔ اگر بالفرض عدد حروف ہی پر قرآن کی بنیاد ہوتی تو اسم ذات اللہ کے حروف بنیادی قرار پاتے۔

۴۔ نزول قرآن کے زمانے میں تین، چار، پانچ، چھ، سات، دس اور ہزار کے اعداد خصوصیات ریاضیہ کی وجہ سے کثرت کے لئے استعمال ہوتے تھے، بالخصوص سات کا عدد زیادہ مشہور تھا، اس کی قوت کی وجہ سے اس کا نام سبع رکھا گیا ان اعداد کی خصوصیات ریاضیہ کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

اگر کوئی عدد قرآن مجید کا محور ہوتا تو ان اعداد میں سے ہوتا خصوصاً جبکہ قرآن وحدیث میں بھی یہ اعداد محاورہ کے مطابق تکثیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

حساب جمل کی حقیقت:

۵۔ تعداد حروف اس حساب جمل ابجد کی حقیقت سوائے ظرافتِ طبع کے کچھ نہیں، اگر حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہوتا تو کافر کا سنِ ولادت یا سنِ وفات مغفورلہ نکالنے سے وہ جنتی ہوجاتا اور اسکے عکس سے مسلمان جہنمی بن جاتا اور اگر ایک ہی شخص کے بارے میں دو متضاد عدد نکال دیئے جاتے تو کیا ہوتا؟

کسی نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا سنِ ولادت کرم عظیم

۱۴۰۰/۱۲۸۰ھ نکالا، حضرت نے فرمایا: "مخالفین کفر عظیم کہہ سکتے ہیں"

کسی ظریف شاعر کے عربی، فارسی اور اُردو اشعار میری نظر سے گزرے ہیں، جن میں اعداد حروف میں تصرف کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکالنے کے ضوابط مذکور تھے۔

گرونانک سے لولاک لما خلقت الافلاک کی تخریج یوں نقل کی گئی ہے:

"اعداد میں جوڑ توڑ کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نکالا جاسکتا ہے کوئی بھی لفظ لے کر اس کے عدد میں یہ عمل کریں:

عدد لفظ x ۴ + ۵/۲۰، باقی x ۹ + ۲ = ۹۲ ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عدد ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض ظرافت ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر ایسی ظرافت کو حقیقت تسلیم کرلیا جائے تو ہر باطل مذہب والے اپنے معبود ومقتدا سے متعلق ایسی ظرافت پیش کر کے ان کا ہر شے کی بناء اور جملہ کائنات کا محور ہونا ثابت کرسکتے ہیں۔ مثلاً ابلیس کا عدد ۱۰۳ ہے۔ اس کو ہر لفظ سے یوں حاصل کیا جاسکتا ہے:

عدد کا لفظ x ۴ + ۲ x ۵/۲۰، باقی x ۱۰ + ۳ = ۱۰۳"

میں نے مرسلہ مضامین بار بار غور سے پڑھے جس سے دو امر ثابت ہوئے:

اس سلسلہ کے محرک نے عدد انیس 19 کے تقدس کا دعویٰ صراحتہً نہ بھی کیا ہو تو بھی اسکے طریق کار یعنی پورے حساب کی بنیاد اسی عدد پر رکھنے سے اس کے تقدس کے اظہار واشاعت میں کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ خود استفسار میں بھی اس کا اعتراف ہے اور روزنامہ جنگ بابت ۸۰/۱۰/۲۴ کی مرسل کاپی میں تو مضمون نگار نے گویا انیس 19 کو اللہ ہی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ ان اعداد کے جوڑ توڑ سے قرآن کا آسمانی کتاب ہونا، معجز ہونا، تغییر وتبدیل سے محفوظ ہونا وغیرہ کا اثبات تو درکنار ان سے تو کوئی بھی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، محض ظرافت طبع کا سامان ہے۔ دوسرے کلاموں میں بھی ایسی ظرافتیں تلاش کی جاسکتی ہیں، بلکہ بعینہ ان ہی ظرافتوں پر مشتمل کلام

مرتب کیا جا سکتا ہے۔

اس سے زیادہ بہتر تو مقطعات سے متعلق مفسر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ لطائف ہیں، اس کے باوجود علماءِ اُمت نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

ہاں قرآن کی سورتیں، ہر سورت کی آیات، ہر آیت کے الفاظ، ہر لفظ کے حروف اور ہر حرف کی حرکات وسکنات شمار کرنے کی محنت اور اس کی حفاظت، واشاعت بہت اہم فریضہ ہے۔ اس لئے کہ یہ حفاظتِ قرآن کا ذریعہ ہے، مگر اس کا بھی اعجازِ قرآن وتدبرِ قرآن سے کوئی تعلق نہیں صرف حفاظت قرآن سے تعلق ہے۔

۶۔ اسم کی تعداد اور بسم کی تعداد کا حاصل ضرب رحمٰن کی تعداد کے برابر بتایا ہے، اگر اس حساب کی کوئی حقیقت ہوتی تو حاصل ضرب اللہ کی تعداد کے برابر ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ اسم ذات ہونے کے علاوہ لفظ بسم کے ساتھ متصل بھی ہے۔

☆ بانی تحریک کی کھلی فریب کاریاں:

۷۔ اس تحریک کے بانی نے خود اپنی طرف سے انیس 19 کا عدد متعین کر کے اس کو قرآن کی روح ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کی ہے کہ کہیں جمع، کہیں ضرب، کہیں تقسیم، کہیں حروف کی تعداد اور کہیں الفاظ کی اور کہیں بعض سورتوں کے ایک خاص حرف کی، غرض یہ کہ جس طرح بھی انیس 19 کا عدد بن سکتا تھا اسے زبردستی بنایا ہے اور جہاں نہیں بن سکا اسے چھوڑ دیا ہے۔

اس دورِ ترقی کے دانشوروں کی دانش پر تعجب ہے کہ ایسے کھلے فریب کو بھی نہ سمجھ سکے مختلف ترکیبوں سے کھینچ تان کر زبردستی انیس 19 سازی کی بطورِ نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ قرآن کریم میں کتابت مقصود نہیں بلکہ قراءت مقصود ہے، کتابت صرف ذریعہ حفاظت ہے۔ لہٰذا قرآن میں حروف مقروءہ کا اعتبار ہے نہ کہ حروف مکتوبہ کا، اسی لئے صحتِ نماز کے لئے بشمول حروف محذوفہ تیس ۳۰ حروف مقروءہ کی قراءت شرط ہے۔

اس حساب سے بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کے بائیس ۲۲ حروف ہیں، مگر اشاعت بہائیت کی

خاطر ان کو اُنیس ۱۹ بنادیا گیا۔

بعض نے تفسیر ابن کثیر سے حضرت ابن مسعودؓ کا قول پیش کیا ہے کہ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کا ہر حرف جہنم کے اُنیس ۱۹ داروغوں میں سے ہر ایک سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

اگر اس قول کی سند صحیح تسلیم کر لی جائے تو یہ تقریب یا ظاہر کتابت کے پیش نظر طلب رحمت کی ایک صورت ہے ورنہ در حقیقت حروف کی اصل تعداد بائیس ۲۲ ہے۔

۲۔ کُل اُنتیس ۲۹ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان میں سے صرف سورۂ قلم سے حرف نون اور سورۂ اعراف، مریم اور ص سے حرف صاد کی تعداد کو اُنیس ۱۹ پر تقسیم کیا ہے، باقی پچیس ۲۵ سورتوں کو بالکلیہ اور سورۂ اعراف و مریم کے دوسرے مقطعات کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان سے اُنیس کا دیوتا نہیں بن سکا۔

۳۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کے عدد حروف پر اسم، اللّٰہ، الرحمٰن الرّحیم کے عدد الفاظ کو تقسیم کر کے اُنیس پیدا کیا گیا، باقی تین صورتیں (صورت مذکورہ کا عکس، سب کے حروف، سب کے الفاظ) سے اُنیس پیدا نہیں ہو سکا اس لئے ان کو چھوڑ دیا، حالانکہ یکسانیت مقدم تھی، مع ہٰذا زبردستی اُنیس ۱۹ پیدا کرنے کی غرض سے ایک طرف کے حروف اور دوسری طرف کے الفاظ لئے ہیں۔

۴۔ لفظ بسم کا اصل بھی لفظ اسم ہی ہے ب حرف زائد ہے، اس طرح لفظ اسم کی تعداد بائیس ۲۲ بنتی ہے مگر اُنیس ۱۹ بنانے کے لئے بسم کو چھوڑ کر صرف اسم شمار کیا ہے۔

۵۔ اسم کی تعداد ۱۹x بسم کی تعداد ۳=۵۷، جو اُنیس ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، یہاں بذریعہ ضرب اُنیس ۱۹ پیدا کیا اور مقطعات میں بصورت جمع ۱۴+ ۱۴+۲۹=۵۷ بنایا، خواہ ضرب سے ہو یا جمع سے، جیسے بھی ہو سکے بس اُنیس ۱۹ بنانا مقصود ہے،

عمر رسول ﷺ

سوال6: مسلمان کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ کیا یہ کسی آیت سے ثابت ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ بھی کرومو سومز کی طرح الفاظ کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید کی کئی آیات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی۔ چنانچہ چند آیات اور ان کے الفاظ کی تعداد ملاحظہ ہو!

"وَسَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ٥" 45/14

"حالانکہ تم آباد تھے گھروں میں ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا تھا اپنے اوپر اور واضح ہو چکا تھا تم پر کہ کیا سلوک کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور بیان کر دی ہیں ہم نے تمہارے لئے ہر قسم کی مثالیں۔"

وس ک ن ت م ف ی م س ک ن ال ذ ی ن ظ ل م و آ ان ف س ھ م و ت ب ی ن ل ک م ک ی ف ف ع ل ن ا ب ھ م و ض ر ب ن ا ل ک م ال ا م ث ا ل=63

"يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ٥" 59/16

"وہ چھپا تا پھرتا ہے لوگوں سے اس بری خبر پر جو اسے سنائی گئی (سوچتا ہے) کہ کیا رہنے دے اس کو ذلت کے باوجود یا دبا دے اسے مٹی میں، دیکھو تو کیسے برے ہیں وہ فیصلے جو یہ کرتے ہیں۔"

ی ت و ار ی م ن ال ق و م م ن س و ء م اب ش ر ب ہ ا ی م س ک ہ ع ل ی ھ و ن ام ی د س ہ ف ی ال ت ر اب ال اس آ ء م ا ی ح ک م و ن=63

"وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا٥" 73/17

"اور ان کی کوشش یہ ہے کہ فتنے میں ڈال کر تمہیں پھیر دیں اس وحی سے جو بھیجی ہے ہم

نے تمہاری طرف تا کہ گھڑ لو تم ہمارے بارے میں اس کے علاوہ کچھ اور اس صورت میں وہ ضرور بنا لیتے تم کو اپنا دوست۔"

وان ک ادوال ی ق ت ن ون ک ہ ن ال ذ ی او ح ی ن آ ک ل ی ک ل ت ف ت ر ے ع ل ی ت ا غ ی ر ہ ، و ا ذ ا ل ا ت خ ذ و ک خ ل ی ل ا = 63

"اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ؀" 46/18

ال م ال وال ب ن ون ز ی ن ۃ ال ح ی و ۃ ال د ن ی ا وال ب ق ی ت ال ص ل ح ت خ ی ر ع ن د ر ب ک ث و اب ا و خ ی ر ام ل ا = 63

"اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا" 102/18

"کیا خیال کرتے ہیں یہ کافر لوگ کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے سوا اپنا کارساز یقیناً بنا رکھا ہے ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے۔"

ف ح س ب ال ذ ی ن ک ف روآ ان ی ت خ ذ وا ع ب ادی م ن د ون ی اول ی اء ان ا ا ع ت د ن ا ج ہ ن م ل ل ک ف ر ی ن ن ز ل ا = 63

"اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ" 39/20

"اسے (موسیٰ علیہ السلام کو) رکھ دو اسے صندوق میں پھر ڈال دو صندوق کو دریا میں تو پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر اور اُٹھائے گا اسے ایک شخص جو ہے میرا دشمن اور اس کا دشمن۔"

ان اق ذ ف ی ہ ف ی ال ت اب وت ف اق ذ ف ی ہ ف ے ال ی م ف ل ی ل ق ہ ال ی م ب ال س اح ل ی اخ ذ ہ ع دو ل ے وع دو ل ہ = 63

"فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا

يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ؀" 47/29

"سو وہ لوگ جنہیں دی تھی ہم نے کتاب تو وہ ایمان لاتے ہیں اس پر اور ان (اہلِ مکہ) میں سے بھی کچھ ایسے ہیں جو ایمان لا رہے ہیں۔ اس قرآن پر اور نہیں انکار کرتے ہمارے آیات کا مگر کافر۔"

ف ال ذی ن ات ی ن ہ م ال ک ت ب ی و م ن و ن ب ہ و م ن ہ و ل آ ء م ن ی و م ن ب ہ و م ا ی ج ح د ب ا ی ا ت ن ا ا ل ا ال ک ف ر و ن = 63

سورۃ الرعد کی طرح یہاں پر بھی آیت مبارکہ کو اگر غور سے دیکھیں تو آیت میں وقف کے بعد 23,15,25 حروف بالترتیب ہیں۔ 25 سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنوارے رہے لیکن کسی نے آپ کو کسی بھی برائی میں ملوث نہ پایا۔ پندرہ سال بعد یعنی 40 سال میں اعلانِ نبوت کیا اور 23 سال قرآن مجید نازل ہوا اور آپ نے کل 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔

"اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" 51/29

"کیا (یہ نشانی) کافی نہیں ہے ان کے لئے کہ ہم نے نزل کی ہے تم پر یہ کتاب جو پڑھ کر سنائی جاتی ہے انہیں بے شک اس میں بڑی رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔"

او ل م ی ک ف ہ م ا ن ا ا ن ز ل ن ا ع ل ی ک ال ک ت ب ی ت ل ی ع ل ی ہ م ا ن ف ی ذ ل ک ل ر ح م ۃ و ذ ک ر ی ل ق و م ی و م ن و ن = 63

اعلانِ نبوت کے وقت عمر

سوال26: مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اکثر انبیاء نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کیا۔ کیا یہ قرآن مجید سے ثابت ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ بات بھی قرآن مجید کی آیات کے حروف سے ظاہر ہوتی ہے۔ چند آیات اور ان کے حروف کی تعداد پر غور کیجئے جو بتا رہے ہیں کہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام نے چالیس سال کی عمر میں اظہار و اعلانِ نبوت کیا!

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً"

(سورۃ نمبر 13، آیت نمبر 38)

"اور بے شک ہم نے بہت سے رسول آپ سے پہلے بھیجے اور ان کے بیوی بچے بنائے۔"

و ل ق د ا ر س ل ن ا ر س ل ا م ن ق ب ل ک و ج ع ل ن ا ل ھ م ا ز و ا ج ا و ذ ر ی ت=40

"وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ"

(سورۃ نمبر 12، آیت نمبر 53)

و م ا ا ب ر ی ن ف س ی ا ن ا ل ن ف س ل ا م ا ر ۃ ب ا ل س و ا ل ا م ا ر ح م ر ب ی=40

"وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝"

(سورۃ نمبر 21، آیت نمبر 83)

و ا ی و ب ا ذ ن ا د ی ر ب ہ ا ن ی م س ن ی ا ل ض ر و ا ن ت ا ر ح م ا ل ر ح م ی ن=40

"فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ"

(سورۃ نمبر 10، آیت نمبر 98)

ف ل و ل ا ک ا ن ت ق ر ی ۃ ا م ن ت ف ن ف ع ھ ا ا ی م ا ن ھ ا ا ل ا ق و م ی و ن س=40

"سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝"

(سورۃ نمبر 27، آیت نمبر 7)

س ات ی ک م م ن ھ اب خ ب راوات ی ک م ب ش ھ اب ق ب س ل ع ل ک
م ت ص ل ط ل ون=40

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّاo"

(سورۃ نمبر19، آیت نمبر51)

واذ ک رف ی ال ک ت ب م وس ی ان ہ ک ان م خ ل ص اوک ان رس ول ان ب
ی ا=40

"اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰىo"

(سورۃ نمبر20، آیت نمبر18)

ات وک واع ل ی ھ اواھ ش ب ھ اع ل ی غ ن م ی ول ی ف ی ھ ام ارب اخ
ری=40

"وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"

(سورۃ نمبر7، آیت نمبر145)

وک ت ب ن ال ہ ف ی ال ال واح م ن ک ل ش ی م وع ظ ۃ وت ف ص ی ل ا
ل ک ل ش ی=40

"فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِo"

(سورۃ نمبر38، آیت نمبر22)

ف اح ک م ب ی ن ن اب ال ح ق ول ات ش ط ط واھ دن اال ی س واال ص
راط=40

"فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ"

(سورۃ نمبر27، آیت نمبر19)

ف ت ب س م ض اح ک ام ن ق ول ھ اوق ال رب اوز ع ن ی ان اش ک رن
ع م ت ک=40

"عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ"

(سورۃ نمبر 27، آیت نمبر 40)

ع ن د ہ ع ل م م ن ال ک ت ب ان ا ات ی ک ب ہ ق ب ل ان ی رت د ال ی ک ط رف ک=40

"قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ"

(سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 258)

ق ال ان ی ی ح ی ھ ذ ہ ال ل ہ ب ع د م وت ھ اف ام ات ہ ال ل ہ م ات ع ام ث م ب ع ث=40

"ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ"

(سورۃ نمبر 9، آیت نمبر 30)

ذ ل ک ق ول ھ م ب اف واھ ھ م ی ض اھ ون ق ول ال ذ ی ن ک ف روا م ن ق ب ل=40

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً"

(سورۃ نمبر 13، آیت نمبر 38)

"اور بے شک بھیجے ہیں ہم نے بہت سے رسول تم سے پہلے اور بنایا تھا ہم نے انہیں بیوی بچوں والا۔"

ول ق د ار س ل ن ا ر س ل ا م ن ق ب ل ک وج ع ل ن ا ل ھ م از واج او ذ ر ی

"تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ"

(سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 252)

"یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم پڑھ کر سنا رہے ہیں تم کو ٹھیک ٹھیک اور یقیناً تم (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسولوں میں سے ہو۔"

ت ل ک ای ت ال ل ہ ن ت ل وھ اع ل ی ک ب ال ح ق وان ک ل م ن ال م ر س ل ی ن=40

عیسیٰ علیہ السلام اور تئیس کروموسومز

سوال 25: مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ قرآن و حدیث کا ظاہری بیان ہے۔ کیا قرآن مجید بتاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں 46 کے بجائے 23 کروموسومز پائے جاتے تھے؟

جواب: جی ہاں! قرآن مجید اس بات کا بھی اپنے حروف کی تعداد کے ذریعے برملا اظہار کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس لئے ان کے 23 کروموسومز تھے۔

قرآن حکیم کی رو سے یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ ایک ایسے فرد ہیں یا نبی ہیں جو کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ جیسا کہ موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام انسان جو اس روئے زمین پر آئے ان کی تخلیق کا طریقہ کار اللہ رب العزت نے وضع فرمایا کہ 23 کروموسوم والد (مرد) کی طرف سے ملے اور 23 کروموسوم والدہ (عورت) کی طرف سے ملے اور کل 46 ہوئے، اس کے بعد انسان کی تخلیق کا عمل معرض وجود میں آیا۔

لیکن حضرت عیسیٰ کیونکہ فقط والدہ ہی سے تخلیق ہوئے ہیں اس لئے ہمیں قرآن حکیم سے یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن حکیم کی رو سے حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور فقط 23 کروموسوم سے ان کی تخلیق ہوئی۔ اس کا ثبوت قرآن حکیم نے بار بار مہیا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سورۃ البقرہ میں اس طرح فرمایا گیا!

"وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ"

(سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 87)

"اور عطا کی ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں۔"

وات ی ن ا ع ی س ی ا ب ن م ر ی م ا ل ب ی ن ت = 23

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ"

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 44)

ذ ل ک م ن ا ن ب ا ا ل غ ی ب ن و ح ی ہ ا ل ی ک = 23

یہ آیت قرآنِ حکیم میں دو مرتبہ نازل فرمائی گئی ایک مرتبہ سورۃ آل عمران میں اور دوسری مرتبہ سورۃ الیوسف میں۔ جہاں پر اس بات کا تذکرہ فرمایا گیا کہ یوسف علیہ السلام اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے 23 سال بعد ملے اور آیت مبارکہ کے 23 حروف ہیں۔

آیت مبارکہ ملاحظہ ہو!

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ"

(سورۃ نمبر 12، آیت نمبر 102)

ذ ل ک م ن ا ن ب ا ل غ ی ب ن و ح ی ہ ا ل ی ک=23

ان دونوں آیات میں زیر و زبر کا بھی فرق نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کی طرز بیان میں معمولی سا فرق ہے۔ فرق ہے تو اتنا ہے کہ یہاں مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا 23 کروموسوم سے یعنی فقط مریم علیہ السلام کے ہی بدن سے اور وہاں پر مطلب ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے 23 سال کے بعد ملے۔ یہ 23 کی مثال کوئی معمولی سی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کو معمولی سمجھے۔ کیونکہ قرآن کریم جو بات بھی کرتا ہے۔ وہ دراصل حقیقی بات ہوتی ہے۔ اللہ پاک کی بات بے معنی نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ○"

(سورۃ نمبر 21، آیت نمبر 107)

"اور ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا تمام جہانوں کے لئے۔"

و م ا ا ر س ل ن ا ک ا ل ا ر ح م ت ل ل ع ل م ی ن=23

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا○"

(سورۃ نمبر 17، آیت نمبر 105)

"اور یقیناً ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

و م ا ا ر س ل ن ک ا ل ا م ب ش ر ا و ن ذ ی ر ا=23

23 سال کو وہ زمانہ جس میں آپ علیہ السلام نے دنیا کو ایک نئی راہ دکھلائی اور اللہ تعالیٰ سے روشناس فرمایا۔ وہ زمانہ 23 سال کا ہے۔ یہاں پر 23 کا مطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا 23 سالہ عرصہ ہے یا نزولِ قرآن کا زمانہ مراد ہے۔ اسی طرح سورۃ یاسین میں ارشاد ہوا!

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ"

"اور نہیں سکھائی ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری اور نہ ہی تھی ان کے شایانِ شان یہ چیز۔"

وم اع ل م ن ہ ال ش ع ر وم ا ی ن ب غ ی ل ہ=23

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شاعری نہیں سکھائی بلکہ اُن پر 23 سال میں قرآن مجید کا نزول فرمایا۔ جو ان کے شایانِ شان تھا۔ شاعری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان نہیں تھی۔ یہاں پر 23 حروف سے مراد 23 سالہ نزولِ قرآن ہے، جس کو زمانہ جانتا ہے۔

"اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ" 47/3

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 47)

اذ اق ض ی ام راف ان م ا ی ق ول ل ہ ک ن=23

23 سے مراد یہی ہے کہ اللہ پاک نے ارادہ فرمایا کہ عیسیٰ کو 23 کروموسوم سے تخلیق ہونا چاہیے تو اس نے حکم فرمایا کہ تو 23 سے ہی مکمل ہو جا۔

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ" 55/3

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 55)

"اور جب کہا اللہ تعالیٰ نے "اے عیسیٰ بے شک میں تمہیں (قریب قیامت کے دور میں) موت دوں گا۔"

اذ ق ال ال ل ہ ی ع ی س ی ان ی م ت وف ی ک=23

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ"

(سورۃ نمبر3، آیت نمبر59)

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے ہاں آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔"

ا ن م ث ل ع ی س ی ع ن د ا ل ل ہ ک م ث ل ا د م =23

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے......

"قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ"

(سورۃ نمبر19، آیت نمبر30)

"کہا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔"

ق ا ل ا ن ی ع ب د ا ل ل ہ ا ت ن ی ا ل ک ت ا ب =23

"فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ○"

(سورۃ نمبر3، آیت نمبر61)

"اور بھیجیں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر۔"

ف ن ج ع ل ل ع ن ت ا ل ل ہ ع ل ی ا ل ک ذ ب ی ن =23

"وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا"

"اور تاکہ ہم بنائیں اسے نشانی انسانوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے۔"

و ل ن ج ع ل ہ ا ی ت ل ل ن ا س و ر ح م ت م ن ا =23

"وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○"

(سورۃ نمبر21، آیت نمبر91)

"اور ہم نے بنایا مریم اور اس کے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے لئے۔"

و ج ع ل ن ھ ا و ا ب ن ھ ا ا ی ت ل ل ع ل م ی ن =23

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی طرف اشارہ فرمادیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو 23 کروموسوم سے تخلیق کر کے جہان والوں کے لئے ایک معجزہ بنادیا یعنی ناممکن کو ممکن بنادیا۔

"اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌO"

"یقیناً اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ سو اسی کی عبادت کرو اور یہ سیدھا راستہ ہے۔"

یعنی میں 23 کروموسومز سے پیدا فرمایا گیا ہوں تو بندہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام جو کہ حضرت مریم کے کفیل تھے۔ جس وقت مریم رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت مریم علیہ السلام کے پاس ایسے میوے پڑے ہوئے تھے جو کہ بے موسم کے تھے۔ آپ نے حضرت مریم سے سوال فرمایا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں تو حضرت مریم نے کہا!

"اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍO"

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 37)

"بے شک اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بے حساب۔"

ان ال ل ہ ی رزق م ن ی ش اب غ ی ر ح س اب = 23

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!

"اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ"

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 49)

ان ن ی ق د ج ء ت ک م ب ا ی ت م ن ر ر ب ب ک م = 23

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں 32 سال قیام پذیر رہے۔

"اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ"

(سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 39)

"بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تم کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا کَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ (عیسیٰ علیہ السلام) کی۔"

ان ال ل ہ ی ب ش ر ک ب ی ح ی م ص د ق اب ک ل م ت م ن ال ل ہ = 32

قرآنِ مجید اور دھاتوں کا اٹامک ویٹ

سوال 33: قرآنِ مجید میں جن دھاتوں کا تذکرہ کیا گیا، کیا ان دھاتوں کے اٹامک ویٹ نمبر بھی کسی طریقہ سے درج کیے گئے ہیں؟

جواب: جی ہاں! قرآنِ مجید میں جن دھاتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے اٹامک ویٹ نمبر بھی کسی نہ کسی طرح ذکر کر دیے گئے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کریم کا طرزِ تکلم عام کتابوں سے مختلف ہے۔ ایک بات بیان ہو رہی تو فوراً ہی اگلی آیت مبارکہ بات کا رُخ دوسری طرف چلا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود انتہائی ضبط اور نظم موجود ہے۔ بالکل اسی طرح دھاتوں کے اٹامک ویٹ نمبر بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ایک ہی طریقہ کے تحت اخذ نہیں ہو سکتے تھے مگر قرآنِ مجید میں انہیں ایک ہی طریقے سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں پانچ دھاتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پانچ دھاتوں کا اٹامک نمبر بھی بیان فرما دیا ہے۔ جو کہ جدید ترین سائنس نے بیان کیا ہے۔ لوہے اور تانبے کا سورۃ الکہف میں، سونے چاندی کا سورۃ زخرف میں اور سکے کا اٹامک ویٹ نمبر سورۃ الصف میں بیان فرمایا گیا۔ مگر ان کو معلوم کرنے کے طریقے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

لوہے اور تانبے کا اٹامک ویٹ نمبر:

سورۃ الکہف رکوع نمبر 11۔ یہ رکوع اس طرح ختم ہوتا ہے: 11/19/2

اس رکوع میں اسکندر ذوالقرنین بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ یاجوج ماجوج کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان کے آگے لوہے اور تانبے کی دیوار بنانے کا فرمایا گیا ہے۔

اب دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس رکوع میں پانچ (5) مرتبہ رب کا لفظ ارشاد ہوا اور اسی 5 عدد کی بدولت ہم لوہے اور تانبے کے اٹامک نمبر کو معلوم کر سکتے ہیں۔

طریقہ نمبر 1:

یہ رکوع سورۃ کا رکوع نمبر 11 ہے، اس کی 19 آیات اور سپارے کا رکوع نمبر 2 ہے تو

11 x 5 = 55

لوہے کا اٹامک نمبر 26
تانبے کا اٹامک نمبر 29
دونوں کا مجموعہ 55

طریقہ نمبر 2:

یہاں پر سپارہ نمبر 16 کا دوسرا رکوع ہے یعنی رکوع نمبر 2 اور رکوع کی 19 آیات ہیں۔ 5 مرتبہ رب کا لفظ آیا ہے۔

تانبے کا اٹامک نمبر 29 = 19 + 2 x 5=10

لوہے کا اٹامک نمبر 26 = 19 + 7 = 5 + 2

دونوں کا مجموعہ 55

یعنی اگر 2 کو پانچ کے ساتھ ضرب دیں اور اس میں 19 جمع کریں تو تانبے کا اٹامک نمبر آئے گا اور اگر 2 کو 5 میں جمع کریں بعد میں 19 کو اس میں جمع کریں تو لوہے کا اٹامک نمبر آئے گا۔

سونے اور چاندی کا اٹامک ویٹ:

سورۃ الزخرف کے رکوع کا اختتام اس طرح ہوتا ہے: 5/11/11

سورۃ کا رکوع نمبر 5، رکوع کی آیات 11 اور پارے کا رکوع نمبر 11

11 x 11 + 5 = 26

سونے کا اٹامک نمبر = 89
چاندی کا اٹامک نمبر = 47
دونوں کا مجموعہ = 126

سیسے کا اٹامک ویٹ:

سورۃ الصف کا رکوع نمبر 1 رکوع کی آیات 9 سپارے کا رکوع نمبر 9

9 x 9 + 1 = 82

اور یہی سیسے کا اٹامک نمبر ہے۔

فلکیات (ASTRONOMY)

تخلیق کائنات (The Big Bang)

ماہرین فلکیات کائنات کی تخلیق کی وضاحت ایک مقبول نظریے بگ بینگ سے کرتے ہیں۔ ماہرین فلکیات (Astrophysicists) اور فلکی سائنسدانوں (Astronomers) کا سالہا سال کے مشاہدات اور تجربات سے جمع کردہ مواد اس بات کی تائید کرتا ہے۔ بگ بینگ کے مطابق تمام کائنات شروع میں ایک بڑی کمیت (Primary Nebula) تھی پھر بگ بینگ (ثانوی علیحدگی) ہوئی، جس کی وجہ سے کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں۔ پھر یہ ستاروں، سیاروں، سورج اور چاند کی صورت میں تقسیم ہوگئیں۔ کائنات کی ابتداء بالکل اچھوتی تھی اور ایسا اتفاقیہ ہوجانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کائنات کی ابتداء سے متعلق مندرجہ ذیل آیت ہمیں بتاتی ہے کہ:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	''کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ بیشک
اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم
كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ	نے جدا جدا کردیا'' (پارہ نمبر ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۳۰)

اس آیت قرآنی اور بگ بینگ کے نظریے کے درمیان ہم آہنگی سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ ایک کتاب جو کہ چودہ سو سال پہلے عرب میں نمودار ہوئی اس عمیق سائنسی حقیقت کی حامل کیسے ہوسکتی ہے؟

کہکشاؤں کی تخلیق سے پہلے دھواں
(Initial Gaseous Mass Before Creation of Glaxies)

سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آنے سے پہلے فلکیاتی مادہ گیس کی صورت میں تھا۔ مختصر یہ کہ گیس کے مرغولے

یا بادل کہکشاؤں (Galaxies) کی تشکیل سے پہلے موجود تھے۔ اس فلکیاتی مادہ کے لئے دھوئیں کا لفظ گیس کی بہ نسبت زیادہ موزوں ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کائنات کی اس حالت کی طرف دخان کے لفظ کے ذریعے اشارہ کرتی ہے، جسکے معنی دھواں کے ہیں۔

میں دہریے سے پوچھتا ہوں جو کہ سائنس پہ ایمان رکھتا ہے کہ یہ دنیا وجود میں کیسے آئی؟

تو وہ مجھے یہ بتاتا ہے کہ شروع میں تمام کائنات ایک اکائی تھی پرائمری نیبولا، پھر بگ بینگ ہوا، ثانوی علیحدگی، جس نے کہ کہکشاؤں کو جنم دیا اور اس نے ستاروں اور سیاروں کو جنم دیا جس میں ہم رہتے ہیں۔

میں اس سے پوچھتا ہوں کہ اسے ان دیومالائی پریوں کی داستان کس نے سنائی؟

وہ کہتا ہے کہ نہیں! یہ جنوں پریوں کی کہانی نہیں ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقائق ہیں۔ ہمارے پاس ان کے ثبوت ہیں۔ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ کہاں سے معلوم کیا؟ کیا یہ جنوں پریوں والی کہانی سنی، وہ کہتا ہے نہیں، یہ سائنسی حقائق ہیں محض کہانیاں نہیں، ہم نے انہیں کل، پرسوں جانا، کل سے مراد ۵۰ سال پہلے، یا شاید ۱۰۰ سال پہلے، کل اور ۱۹۷۳ء میں دو سائنسدانوں نے بگ بینگ تھیوری پیش کرنے پہ نوبل پرائز حاصل کیا، لہٰذا میں پھر تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے کہ میں اسے جانتا ہوں لیکن تم کیا کہتے ہو کہ جو قرآن نے ۱۴۰۰ سال قبل بیان کیا، (پارہ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۳۰)

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا

ترجمہ: ”کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے جلے تھے

کروموسومز اور قرآنِ مجید

سوال 1: ہم کچھ دوست ہیں اور ہم میں سے ہر ایک آپ سے سوال کرنا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے مجھے سوال کرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ذاکر بھائی! میرا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ہر چیز کا ذکر کیا گیا ہے، کسی کا تفصیلاً اور کسی کا اجمالاً، کسی کا ظاہراً اور کسی کا اشارۃً۔ آپ یہ بتایئے کہ کسی طرح قرآن مجید میں انسانی کروموسومز کا ذکر بھی ہوا ہے؟ جن کی تعداد ڈاکٹر حضرات کے مطابق 46 ہے۔

جواب: بھائی! میں آپ کے سب دوستوں کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے تیار ہوں اور خوش ہوں کہ آپ پہلے سے سوال سوچ کر آئے ہیں۔ میں آپ کو تہہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ یقیناً قرآن مجید فرقان حمید علوم کا خزینہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی طریقے سے اس میں ہر چیز کا بیان فرما دیا ہے۔ پوچھے گئے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے انسانی کروموسومز کا ذکر بھی قرآن مجید میں فرما دیا ہے یعنی کچھ ایسی آیات ہیں کہ جن کے الفاظ 46 ہیں اور وہ بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو 46 کروموسومز سے تخلیق فرمایا ہے۔ پھر سب سے عجیب بات یہ کہ انسانی تخلیق کے بارے میں جو آیت ہے اس کے الفاظ 46 ہیں جو بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی 46 کروموسومز سے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ آپ کے سوال کے جواب میں کئی گھنٹے بولا جا سکتا ہے اور ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہیں لیکن میں مختصر بیان کرتا ہوں۔ آیئے! قرآن مجید کی بعض آیات کو اس موضوع کے لحاظ سے پرکھتے ہیں!

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ"

"ہم عنقریب انہیں آفاق اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کے سامنے یہ بات کھل کر آ جائے گی کہ یہ قرآن سچا ہے۔"

اس آیت کے الفاظ کی تعداد پر غور فرمائیں!

س ن ر ی ھ م ا ی ت ن ا ف ی ا ل ا ف ا ق و ف ی ا ن ف س ھ م ھ ت ی ی ت ب
ی ن ل ھ م ا ن ہ ا ل ح ق=46

اس آیت کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے انسانی کروموسوم نمبر رکھ دیا جو کہ نزول قرآن مجید کے وقت معلوم نہ تھا۔

"وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ"9/30

"اور کہا یہود نے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔"

اللہ رب العزت نے ایک طرف تو ان کا دعویٰ بیان فرمایا اور دوسری طرف ان کے دعوے میں ہی جواب دے دیا۔ اس آیت کے الفاظ ملاحظہ کیجیے!

و ق ا ل ت ا ل ی ھ و د ع ز ی ر ا ب ن ا ل ل ہ و ق ا ل ت ا ل ن ص ر ی ا ل م س ی ح
ا ب ن ا ل ل ہ=46

انسان جو کہ 46 کروموسوم سے تخلیق کیا گیا اس کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟

"فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا" 36/2

"پھر پھسلا دیا شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر بالآخر نکلوا دیا ان دونوں کو اس (عیش و آرام) سے، وہ جس میں تھے اور ہم نے حکم دیا کہ اُتر جاؤ تم سب (یہاں سے)۔"

اسی طرح کا مضمون سورۂ طٰہٰ میں بھی موجود ہے۔ ارشاد ہوا!

"قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى"O 123/20

"اُتر جاؤ تم دونوں یہاں سے سب کے سب (اور رہو گے تم) ایک دوسرے کے دشمن پھر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت ضرور آئے گی۔"

ان دونوں آیات کے حصوں کے حروف 46،46 ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا جا رہا ہے۔ تفصیل ملاحظہ کیجیے!

ف ا ز ل ہ م ا ل ش ی ط ن ع ن ہ ا ف ا خ ر ج ہ م ا م م ا ک ا ن ا ف ی ہ ص و ق ل
ن ا ا ھ ب ط و ا = 46

ق ا ل ا ھ ب ط ا م ن ہ ا ج م ی ع ا ب ع ض ک م ل ب ع ض ع د و ف ا م ا ی ا ت
ی ن ک م م ن ی ھ د ی = 46

''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o'' 172/7

''اور یاد کرو جب نکالا تھا تیرے رب نے اولادِ آدم علیہ السلام میں سے یعنی ان کی پشتوں میں سے ان کی نسل کو اور گواہ بنایا تھا ان کو خود ان کے اُوپر اور پوچھا تھا کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ سب کے نے کہا تھا ہاں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا تھا کہ کہیں (نہ) کہو تم قیامت کے دن کہ ہم تو تھے اس بات سے بے خبر۔''

ساری اولادِ آدم کا قول ''قالو بَلٰی'' سے آیت کے آخر تک الفاظ کی تعداد ملاحظہ کیجیے!

ق ا ل و ا ب ل ی ش ہ د ن ا ا ن ت ق و ل و ا ی و م ا ل ق ی م ت ا ن ا ک ن ا ع ن
ہ ذ ا غ ف ل ی ن = 46

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پیغمبر مبعوث ہوئے۔ آپ ایک عرصہ دراز لوگوں میں رہے اور رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر آپ کی قوم کی اکثریت نے حق پر ایمان لانے سے انکار کیا تو آپ نے ایک کشتی بنائی اور اس پر فقط ان لوگوں کو سوار کیا جو مومن تھے۔

''وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o'' 41/11

''اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے اس کا چلنا ہے اور ٹھہرنا بھی، بے شک میرا ربّ بڑا معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔''

وق ال ارک ب واف ی ھاب س م ال ل ہ م ج رھ او م رس ھا ان رب ی ل غ ف
ورر ح ی م=46

"وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" 3/10

"اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور بنایا ہم نے ان کو (زمین میں) خلیفہ اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیات کو۔"

دم ن م ع ہ ف ی ال ف ل ک وج ع ل ن ھ م خ ل ف وا غ رق ن اال ذ ی ن
ک ذ ب وا ب ای ت ن ا=46

"وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْطَةً"

"اور یاد کرو اس (احسان) کو کہ اس نے بنایا ہے تم کو سردار بعد قوم نوح کے اور زیادہ عطا کی ہے اس نے تمہیں تخلیق میں وسعت۔"

واذ ک روا اذ ج ع ل ن ک م خ ل ف اء م ن ب ع دق وم ن وح وزادک م ف ی ا
ل خ ل ق ب ص طت=46

"قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝" 50/11

"اور عاد کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی ہود کو، ھود نے کہا! اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہو تم (اپنے شرک میں) مگر جھوٹ گھڑنے والے۔"

ق ال ی ق وم اع ب دال ل ہ م ال ک م م ن ال ہ غ ی رہ ان ان ت م ال ام ف
ت رون=46

"وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝" 77/11

''پھر جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس تو بہت ناگوار گزرا انہیں ان کا آنا اور دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے یہ دن ہے مصیبت کا۔''

ول م اج اء ت رس ل ن ال وط اس ی ب ھ م وض اق ب ھ م ذرع اوق ال ھ ذا ی وم ع ص ی ب=46

''فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍo''74/11

''پھر جب دور ہوگئی ابراہیم کی گھبراہٹ اور مل گئی ان کو اولاد کی خوشخبری تو اُس نے جھگڑنا شروع کردیا ہم سے قومِ لوط کے بارے میں۔''

ف ل م اذ ھ ب ع ن اب راہ ی م ال روع وج اء ت ہ ال ب ش ری ی ج ادل ن ا ف ی ق وم ل وط=46

''اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ''4/60

''رہ گیا قول ابراہیم کا جو اس نے اپنے چچا سے کہا تھا کہ میں ضرور استغفار کروں گا تیرے لئے اور نہیں اختیار رکھتا میں تم کو بچانے کا اللہ سے ذرا بھی۔''

ال اق ول اب راہ ی م ل اب ی ہ ل اس ت غ ف رن ل ک وم اام ل ک ل ک م ن ال ل ہ م ن ش ی=46

''قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo'' 95/3

''آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے فرما دیجئے پس پیروی کرو دین ابراہیم کی جو سب سے کٹ کر اللہ کا ہو رہا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

ق ل ص دق ال ل ہ ف ات ب ع وام ل ۃ اب راہ ی م ح ن ی ف اوم اک ان م ن ال م ش رک ی ن=46

"اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَo" 96/3

"بے شک پہلا جو گھر (عبادت کے لئے) بنایا گیا لوگوں کے لئے یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور مرکزِ ہدایت تمام جہان والوں کے لئے۔"

ان اول ب ی ت وض ع ل ن اس ل ل ذ ی ب ب ک ۃ م ب ر ک ا وھ د ی ل ل ع ل م ی ن = 46

اس کے علاوہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا!

"يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ"

"اے اہل کتاب! اپنے دین کے معاملے میں مبالغہ مت کرو اور مت کہو اللہ کی شان میں وہ بات مگر جو سچ ہے۔"

ی اھ ل ال ک ت ب ل ا ت غ ل وا ف ی دی ن ک م ول ا ت ق ول وا ع ل ی ا ل ل ہ ال ا ال ح ق = 46

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" 76/27

"بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے ان باتوں میں سے اکثر (کی حقیقت) جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔"

ان ھ ذ ا ال ق ر ان ی ق ص ع ل ی ب ن ی اس ر ا ء ی ل ا ک ث ر ال ذ ی ھ م ف ی ہ ی خ ت ل ف ون = 48

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَo" 172/7

"اور یاد کرو جب نکالا تھا تیرے ربّ نے اولادِ آدم کو اور گواہ بنایا تھا ان کو خود ان کے اُوپر اور پوچھا تھا! کیا نہیں ہوں میں تمہارا ربّ؟ سب کے نے کہا تھا ہاں (تو ہی ہمارا ربّ ہے) ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا تھا کہ کہیں (نہ) کہو تم قیامت

کے دن کہ ہم تو تھے اس بات سے بے خبر۔"

"قَالُوْا بَلٰی" سے آیت کے آخر تک یعنی جب اولاد آدم علیہ السلام ساری کی ساری اولاد حاضر تھی اور سب نے یک زبان اقرار کیا۔

ق ال وا ب ل ی ش ھ د ن ا ا ن ت ق ول وا ی وم ال ق ی م ت ان ا ک ن ا ع ن ھ ذ ا غ ف ل ی ن=46

جانوروں کے کرموسوم نمبر

سوال30: انسان کی طرح جن جانوروں کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے کیا کسی آیت میں ان جانوروں کے کروموسوم کا ذکر بھی موجود ہے؟

گھوڑا، خچر، گدھا:

جواب: قرآن مجید نے جانوروں کا ذکر بھی فرمایا اور ان کے کروموسوم نمبر بھی بیان فرمائے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے!

سورۃ النحل رکوع نمبر 1، اس کی 9 آیات ہیں اور پارے کا رکوع نمبر 7

رکوع کا اختتام کچھ اس طرح ہے۔ 1/9/7

7 x 9 + 1 = 64

کیونکہ رکوع میں تین جانوروں (گھوڑے، خچر اور گدھے) کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے

64 x 3 = 192

اب 66 کروموسوم گھوڑے کے ہیں۔ 64 خچر کے ہیں اور 62 کروموسوم گدھے کے ہیں۔ یہ ایک سو بانوے ان کا مجموعہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے!

62 + 64 + 66 = 192

مختلف جانور:

سورۃ الانعام، رکوع نمبر 18 کا اختتام کچھ اس طرح ہوا ہے: 18/6/5

سورۃ کا رکوع نمبر 18 اور اس کی 6 آیات میں اور سپارے کا رکوع نمبر 5۔

5 x 6 = 30   اب48 = 18 + 30

اس رکوع میں 4 جانوروں کا ذکر فرمایا گیا ہے!

48 x 4 = 192

نام جانور	کروموسوم نمبر
خنزیر	38
لومڑی	34
گائے	60
بکری	60
مجموعہ	192

کتے کا کروموسوم نمبر:

سورۃ الکہف میں رکوع اس طرح ختم ہوتا ہے:3/5/15

سورۃ کا رکوع نمبر 3، اس کی 5 آیات اور سپارے کا رکوع نمبر 15 ہے۔

15 x 5 = 75   75 + 3 = 78

78 کتے کا کروموسوم نمبر ہے، جس کا ذکر اس رکوع میں چار مرتبہ کیا گیا ہے۔

☆انسانی کروموسومز

انسانوں اور جانوروں کے کروموسومز کے بارے میں الٹے سیدھے حسابات بھی ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ان کی کیا حقیقت ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن لاتعداد علوم کا خزانہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قرآن انسان کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ نہ کہ انسانی کروموسومز اور دیگر سائنسی انکشافات کی تصدیق کرنے کے لیے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے 46 انسانی کروموسومز کو قرآن کی مختلف آیتوں سے ثابت کرنے کی ایک بھونڈی کوشش کی ہے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کوئی آیت پڑھتے ہیں اور جہاں 46 حرف ہو جائیں وہاں فرماتے ہیں کہ اس آیت کے 46 حروف ہیں۔ لہٰذا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسانی کروموسومز 46 ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ تمام دلائل پر علیحدہ علیحدہ جرح وقدح کرنا محض تضیع اوقات ہوگا۔ اس لیے چند بنیادی نقائص جو تقریباً ان کی ہر دلیل میں موجود ہیں آپ کے سامنے ذکر کیے دیتے ہیں۔

☆ان کے دلائل کئی وجوہات کی بناء پر درست نہیں۔ اول اس لیے کہ اکثر جو آیات وہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان کا انسانی تخلیق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک دلیل جو انہوں نے پیش کی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے (وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ ......) جس کو کشتی میں سوار ہوتے ہوئے پڑھنے کا حکم اللہ کی جانب سے ہوا تھا۔ اس آیت کا انسانی تخلیق یا کروموسومز سے سرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں والے قصہ پر مشتمل آیت اور حضرت ہود علیہ السلام کے تذکرہ پر مبنی آیت کے ایک ٹکڑے کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کا بھی کروموسومز سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کے علاوہ بھی جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بھی کروموسومز یا تخلیق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ دلائل اس لیے بھی لائق التفات نہیں کہ وہ آیت کا اتنا حصہ بتاتے ہیں

جہاں 46 حروف ہوجائیں۔ چاہے مضمون مکمل ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات وہ ایسی جگہ سے آیت شروع کرتے ہیں جس کا ماقبل سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے وہ پچھلے ٹکڑے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے درج ذیل آیت پیش کی ہے۔

الاقول ابراھیم لابیہ.............. الخ۔ اس کا ماقبل سے گہرا تعلق ہے۔ اور اس کا معنی بھی اس وقت سمجھ آئے گا جب پچھلا حصہ بھی ملایا جائے گا۔

☆ اگر بفرض محال یہ تسلیم کرلیں کہ یہ تمام آیات انسانی کروموسوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں تب بھی مسئلہ حل نہ ہوگا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے شمار کے دوران کئی ایسے حروف چھوڑ دیے جو اگرچہ لکھے ہوئے نہیں لیکن وہ پڑھے جاتے ہیں اور آیت کے الفاظ کا جزء ہیں۔

مثلاً پہلی دلیل مَتٰـٌـبِهِمْ ایلٰفَا میں لفظ ایلٰفَا دو محذوف الرسم الفوں کو بھی شامل ہے۔ دونوں الفوں کا اظہار کھڑی زبر سے ہو رہا ہے۔ اور ان الفات کے بغیر یہ لفظ بھی بے معنی ہوجائے گا۔ لہٰذا یہ تو طے ہے کہ یہ الفات اس کا لازمی جزء ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنا الوسیدھا کرنے کے لیے ان الفات کو شمار نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے یہاں حرف مشدد کو ایک ہی حرف شمار کیا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے 23 کروموسوم قرآن سے ثابت کرتے ہوئے ایک دلیل پیش کی ہے اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور اس میں تمام حروف مشددہ کو دو حرف شمار کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے بنیادی اصولوں میں ہی تضاد و تناقض ہے۔

اگر انہی دو اصولوں کو مد نظر رکھیں کہ ''الفات محذوفہ ملفظہ بھی حرف مستقل کا درجہ رکھتے ہیں اور حرف مشدد در اصل دو حروف کا مجموعہ ہے'' تو ڈاکٹر صاحب کی تمام دلیلیں ہوا ہوجائیں گی۔

کیونکہ ان اصولوں کے مطابق پہلی دلیل تقریباً 53 الفاظ پر مشتمل ہوگی۔ یہی حال باقی دلائل کا ہوگا اس لیے کہ ان تمام آیات میں کم از کم ایک حرف مشدد اور ایک الف محذوفہ موجود ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب کی ایک پیش کردہ آیت اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ.......... ظاہری اعتبار سے ہی 47 حروف پر مشتمل ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب 46 کروموسوم ثابت کررہے تھے۔

یہ تو ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے وسیع مطالعے اور قرآن فہمی کا حال ہے۔ کہ دلیل ایسی دے رہے ہیں جو دعویٰ کے مخالف ہے۔

☆ جانوروں کے کروموسومز

ڈاکٹر صاحب نے انسانی کروموسومز کے ساتھ ساتھ دیگر جانوروں کے کروموسومز کو بھی قرآن کے سے ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ لیکن دلائل پہلے کی طرح ہی پھسپھسے اور محل نظر ہیں۔

اول اس بناء پر کہ انسانی کروموسومز ثابت کرنے کے لیے جو طریقہ اپنایا گیا تھا۔ یہاں اس پر عمل کرنے کی بجائے ایک نیا طریقہ ترتیب دیا گیا۔ کیونکہ پچھلے طریقہ پر عمل کرنے کی صورت میں مطلوبہ عدد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن جو طریقہ اور اصول اس بار اپنایا گیا اس پر بھی پوری طرح عمل نہیں کیا۔

مثلاً پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ نحل کا رکوع نمبر ایک ہے۔ اس کی 9 آیات ہیں اور پارے کا رکوع نمبر 7 ہے۔ لہٰذا 64 = 1 + 9 x 7 اور اس رکوع میں تین جانوروں کا ذکر ہے لہٰذا 192=64x3 اور 192 تینوں جانوروں کے کروموسومز کا مجموعہ ہے۔

عقل کی رو سے بھی یہ طریقہ حجت نہیں۔ کیونکہ اس میں علیحدہ علیحدہ تینوں کے کروموسومز کی تعداد ثابت نہیں ہو رہی۔ اور دلیل کے ناقابل حجت ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے اس رکوع میں ان تین جانوروں کے ساتھ انسان کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ اور انسان سائنس کے مطابق حیوانات میں شامل ہے۔ اصولاً تو انسان کے کروموسومز بھی اس میں شامل ہونے چاہیے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے انسان کا تذکرہ ہی گول کر دیا۔

اس کے علاوہ اس بات پر کوئی عقلی دلیل نہیں کہ جہاں ڈاکٹر صاحب نے ضرب دی ہے وہاں ضرب ہی دی جائے۔ اگر وہاں ضرب کے بجائے جمع کا عمل کر دیا جائے تو ڈاکٹر صاحب کے دلائل کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی۔ مثال ملاحظہ ہو

7+9x1=16 ۔ 16x3=48 اب یہاں نتیجہ حاصل نہ ہو سکا۔

اصل میں قرآن کو بائیالوجی یا فزکس کی کتاب سمجھ لیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کے متعلق معلومات تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب کا اصل مقصود نسل انسانی کو ہدایت دینا ہے۔ اس کے معجزہ ہونے کا تعلق اس کی فصاحت و بلاغت اور حیران کن اسلوب سے ہے۔ نہ کہ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ لفظوں کے بے مقصد الٹ پھیر سے۔ اگر اس میں جانوروں کے کرموسوم کی تعداد نہ ملے تو اس کے معجزہ ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ ہی اس میں کوئی نقص لازم آئے گا۔

سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ ابن سینا منطق و فلسفہ اور طب دونوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اور اس نے ان دونوں فنون پر کتب تحریر کی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے اپنی کتاب القانون جو کہ طب کے موضوع پر ہے اس میں منطق کا فلاں مسئلہ کیوں بیان نہیں کیا۔ تو یہ اس شخص کی جہالت کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح ہر چیز کے قرآن سے ثبوت کا مطالبہ کرنے والے جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی مختلف عنوانات کے تحت حیوانات کے کروموسوم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کروموسوم۔ مختلف دھاتوں کے اٹامک ویٹ۔ تخلیق کائنات (Big Bang) کی الٹی سیدھی تحقیقات کا جواب عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پیش آمدہ واقعہ پر قیاس کر لیا جائے جو ہم آگے پیش کر رہے ہیں۔ البتہ اس واقعہ اور ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات میں مہارت کا فرق ملحوظ رہے۔ کیونکہ بعض جگہوں پر ڈاکٹر صاحب نے آیات کے حروف تہجی کو قرآنی علم الرسم کے مطابق لیا ہی نہیں۔ اور کہیں ضرب، تقسیم کے الٹ پھیر کے ذریعہ اپنا مطلوبہ جواب حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور بعض جگہوں پر اپنے ہی خودساختہ قاعدہ سے انحراف کر جاتے ہیں۔

☆ حیرت انگیز کرتب

کسی شخص نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک حیرت انگیز کرتب دکھانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل گئی تو دربار میں حاضر ہو کر فرش کے درمیان میں ایک سوئی کھڑی کر دی اور کچھ فاصلے پر کئی سوئیاں ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے ایک سوئی اٹھائی اور فرش پر کھڑی ہوئی سوئی کا نشانہ لیا۔ حاضرین کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ دوسری سوئی پہلی سوئی

کے ناکے میں داخل ہو کر پار ہو چکی ہے۔اس طرح اس نے تقریباً دس سوئیاں پھینکیں اور سب کی سب پہلی سوئی کے ناکے سے پار ہو گئیں۔ہارون الرشید نے یہ حیرت انگیز کمال دیکھا تو حکم دیا کہ "اس شخص کو دس دینار انعام میں دیے جائیں اور دس کوڑے لگائے جائیں"۔حاضرین نے اس عجیب وغریب انعام کی وجہ پوچھی تو ہارون الرشید نے کہا: "دس دینار اس شخص کی ذہانت ونشانے کی سچائی کا انعام ہے اور دس کوڑے اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنی خداداد صلاحیتیں اور قیمتی وقت ایک ایسے کام میں صرف کیا جس کا دین ودنیا میں کوئی فائدہ نہیں"۔

(بحوالہ اسلام اور جدت پسندی صفحہ 147 از مفتی تقی عثمانی مدظلہ۔متاع وقت اور کاروان علم صفحہ 84 از مولانا ابن الحسن عباسی صاحب)

☆ یزید

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں "میں نے یزید کو رحمہ اللہ کہا تو اگر میں کافر ہوں تو انہیں نعوذ باللہ نعوذ باللہ یہ کہنا چاہیے کہ امام غزالی کافر ہیں۔جس نے بخاری شریف کی شرح لکھی حافظ ابن حجر عسقلانی وہ بھی کافر ہے نعوذ باللہ۔

☆حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب شام کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے وہاں کے قبیلہ بنو کلب کی خاتون میسون (Maysun) سے شادی کی۔ان کا شجرہ میسون بنت بجدل بن انیف بن دلجہ بن قنافہ بن عدی بن زہیر بن حارثہ بن خباب ہے۔جو خود تو مسلمان ہو گئی تھیں مگر ان کے عزیز واقارب بدستور عیسائی رہے۔یزید انہی کے بطن سے پیدا ہوا۔یزید ایک طرف اپنے گھر میں اسلامی معاشرت اور عربی تہذیب کی خوبیاں دیکھتا تھا۔تو دوسری طرف جب وہ ننھیال جاتا تو عیسائی تہذیب وتمدن کے مظاہر دیکھتا تھا۔وہیں اس نے گھڑ سواری اور شاعری سیکھی۔یہاں تک خیریت تھی۔لیکن آگے بڑھ کر اس نے ایسے مشاغل بھی سیکھ لیے جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھے۔نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی سیرت منحل ہوتی چلی گئی۔(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ مارچ 2004 صفحہ 85۔ابن خلدون)

اللہ تعالیٰ نے جن ظالموں کو دائرہ "امامت امت" سے باہر رکھنے کا عہد کیا (سورۃ بقرہ آیت 124)

اپنے اعمال کی وجہ سے یزید اس کا سب سے بڑا مصداق بنا۔ اس لیے یزید کو امیر۔ امام۔ خلیفہ کہنا درست نہیں۔ قالباً یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے یزید کو "امیر المومنین" کہا تو آپؒ نے اسے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ (الصواعق المحرقہ لابن حجر عسقلانی صفحہ 221)

امام بخاریؒ نے قتال روم کے باب میں روایت درج کی ہے کہ "حضرت ام حرامؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ میری امت کے وہ مجاہدین جو پہلا بحری جہاد کریں گے یقیناً (اپنے لیے جنت) واجب کرلیں گے۔ حضرت ام حرامؓ کہتی ہیں۔ میں نے کہا یارسول اللہ! میں بھی ان میں شامل ہوں گی؟ فرمایا۔ تو بھی ان میں ہوگی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے وہ مجاہدین جو شہر قیصر (قسطنطنیہ۔ موجودہ استنبول) پر پہلا حملہ کریں گے مغفرت یافتہ (مـغـفـور لهـم) ہوں گے۔ میں نے عرض کیا۔ میں ان میں ہوں گی یارسول اللہ۔ فرمایا نہیں"۔ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 409)

یاد رہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قسطنطنیہ لشکر روانہ کیا تھا۔ چونکہ اس مہم کے لیے مغفرت کی بشارت مشہور تھی۔ اس لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ۔ حضرت امام حسینؓ اس لشکر میں شریک ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو بھی جانے کا کہا لیکن اس نے بہانا کردیا۔ قسطنطنیہ میں اس لشکر کو شدید مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جب دمشق میں یہ خبر پہنچی تو یزید اپنے نہ جانے پر خوش ہوا حضرت امیر معاویہؓ کو علم ہوا تو انہوں نے موسم گرما میں یزید کو بھاری کمک دے کر حضرت سفیانؓ بن عوف کے پاس قسطنطنیہ روانہ کیا۔ (الکامل لابن اثیر جلد 3 صفحہ 458۔ عمدۃ القاری جلد 14 صفحہ 198)

علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں مزید لکھا ہے کہ "یہ جلیل القدر صحابہ حضرت سفیانؓ بن عوف

کی قیادت میں تھے۔ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کے ماتحت ہوتے۔ بعض نے اس حدیث کو یزید کی منقبت میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث سے یزید کی کوئی منقبت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا حال تو مشہور و معروف ہے۔

اول تو یزید اس لشکر میں شامل ہی نہ تھا۔ اس لیے وہ مغفرت کی اس بشارت میں داخل ہی نہیں۔ وہ اس بشارت کا مستحق ہو بھی جائے تو یقیناً اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوئے۔ اور آئندہ کے گناہوں اور مظالم کا اسے جواب دینا ہوگا۔

جس وقت صحابہ نے یزید کی بیعت کی اس وقت فسق و فجور پوشیدہ تھا۔ خانوادہ رسول پر مظالم سامنے آئے تو مدینہ طیبہ سے ایک وفد جن میں غسیل ملائکہ حضرت حنظلہؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ اور حضرت عبداللہ بن ابوعمرو مخزومیؓ بھی شامل تھے۔ دمشق پہنچا۔ انہوں نے یزید کے اخلاق و اطوار کا مشاہدہ کیا اور واپس آ کر بیعت توڑ دی۔ صحابہ کرامؓ کی اس خلع بیعت کا ذکر امام بخاری نے اپنی صحیح کی جلد دوم کے صفحہ 1053 پر کیا ہے۔

اس خلع بیعت کی وجہ سے یزید کو اتنا طیش آیا کہ خانہ کعبہ پر چڑھائی کر دی۔ حرہ (مدینہ منورہ) کے شرمناک واقعہ میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ کو نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ (جن کی روایتوں کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے) کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال نوچ لیا گیا۔ (وفاء الوفاء جلد اول صفحہ 135)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا (اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا۔ بخاری) ابن زیاد ایک چھڑی آپؓ کی ناک میں مارنے لگا اور کہا۔ "یہ بھی کوئی حسن ہے؟"۔ میں نے کہا سنو! یہ سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہیں"۔ (ترمذی۔ مشکوۃ۔ مناقب اہل بیتؓ)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ "آپؓ کی آنکھوں اور ناک میں چھڑی مارنے لگا تو میں نے کہا۔ اپنی چھڑی اٹھا لو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جگہ چومتے ہوئے دیکھا ہے"۔

بزار کی روایت میں ہے کہ "میں نے کہا۔ جہاں تیری چھڑی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جگہ سونگھتے دیکھا ہے۔ (مرقات۔ جلد 11 صفحہ 397)

اگر یزید کی مرضی کے خلاف یہ سب کچھ کیا گیا تھا تو یزید نے ابن زیاد اور شمر وغیرہ کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کیوں نہ کی نہ ہی معزول کیا۔ حتیٰ کہ ملامت کا ایک حرف بھی انہیں لکھ کر نہیں بھیجا۔ اسی لیے حضرت حسینؓ کا سر مبارک دیکھ کر تاسف کا اظہار ازراہ مداہنت ہی تھا۔

امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے موقف کی وجہ سے جس کا انہیں حق تھا۔ بیعت سے انکار کیا۔ اس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کیا ہے۔ اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کا جواب دیا۔ تاریخ نے یہ خط اور اس کا جواب اپنے دامن میں محفوظ کر کے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھا دیا ہے۔

پہلے حضرت ابن عباسؓ کے نام یزید کا خط ملاحظہ ہو۔

"...... مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن زبیر نے آپ کو اپنی بیعت کی دعوت دی تھی۔ لیکن آپ ہم سے وفا کرتے ہوئے ہماری بیعت پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک رشتہ دار کی طرف سے وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو وہ صلہ رحمی کرنے والوں کو اور عہد نبھانے والوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔ اب میں کچھ بھی بھولوں پر آپ سے حسن سلوک اور آپ کے شایان شان صلے کا فوری انتظام نہیں بھول سکتا۔ اب آپ ذرا اتنا خیال اور رکھیں کہ باہر سے جو لوگ آپ کے پاس آئیں۔ جنہیں ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے متاثر کر لیا ہو۔ تو آپ ابن زبیر کے حال سے انہیں آگاہ کر دیا کریں۔ کیونکہ اس حرم کعبہ کی حرمت پامال کرنے والے (ابن زبیر) کی نسبت لوگ آپ کی بات زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں"۔

اور اب حضرت ابن عباسؓ کا صاف جواب بھی ملاحظہ ہو۔

"....تمہارا خط مجھے ملا۔ میں نے جو ابن زبیر کی بیعت نہیں کی تو واللہ اس امید پر نہیں کی کہ تم مجھ پر احسان کرو گے اور میری تعریف کرو گے۔ میری جو نیت ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے۔

تم نے یہ جو کہا کہ تم مجھ سے حسن سلوک کو فراموش نہیں کرو گے تو اے انسان! تم اپنے حسن سلوک کو اپنے پاس رکھو۔ کیونکہ میں تم سے اپنا سلوک نہیں رکھنا چاہتا۔

تم نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں لوگوں میں تمہاری محبت اور ابن زبیر سے نفرت پیدا کروں اور انہیں ابن زبیر کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کروں۔ تو یہ نہیں ہوگا۔ یہ کام میرے لیے باعث مسرت ہے نہ باعث عزت۔

اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ تم نے حسینؓ اور خاندان عبدالمطلب کے ان جوانوں کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے انہیں ایک کھلے میدان میں اس حال میں چھوڑا کہ وہ خون میں لت پت تھے۔ ان کے بدن پر جو کچھ تھا چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں انہیں قتل کیا گیا اور بے دفن رہنے دیا گیا۔ ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور دھلے بجو بار بار ان کی لاشوں پر آتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم کو ان کے کفن دفن کی توفیق دی جو ان کے خون میں شریک نہ تھی۔

قسم ہے میرے رب کی ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے۔

سو اب میں سب کچھ بھول سکتا ہوں لیکن یہ بات نہیں بھول سکتا کہ تیرے جبر سے حسینؓ حرم نبوی سے نکل کر حرم الٰہی میں آئے۔ پھر تو اپنے سواروں کو مسلسل ان کے پاس بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ انہیں عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا اور وہ اس حالت میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا۔ پھر تیرے لشکر نے انہیں جالیا۔ اور یہ سب کچھ تو نے اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہل بیت کی عداوت میں کیا جن سے اللہ نے گندگی کو دور کر کے انہیں خوب پاک صاف کر دیا تھا۔

حسینؓ نے تمہیں یہ بھی کہا کہ میں لڑائی بھڑائی نہیں چاہتا۔ مجھے واپس چلے جانے دو۔ لیکن تم نے یہ

موقع غنیمت جانا کہ انصار کی تعداد کم ہے اور پورے خاندان کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ تو تم مل کر ان پر یوں ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔

تو نے میرے باپ کے خاندان کو قتل کیا۔ تیری تلوار سے میرے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔

اور میرا ایک مدعا علیہ تو ہے۔ ان حالات میں تو مجھ سے مودت کا طلبگار ہے۔ اس سے بڑھ کر عجیب چیز کیا ہوگی؟۔

اور کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ اگر آج تو نے ہم پر فتح پائی ہے تو ایک دن یقیناً ہم تجھ پر فتح پائیں گے"۔ (الکامل لابن اثیر۔ جلد 4۔ صفحہ 51,50)

☆ یزید کا حضرت حسینؓ سے رشتہ

حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی دختر سیدہ ام محمد یزید کے نکاح میں تھیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم صفحہ 62)

اس رشتہ کے اعتبار سے یزید حضرت حسینؓ کی بھتیجی کا داماد تھا اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے حضرت حسینؓ اس کے بہنوئی تھے۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کی زوجہ اولی آمنہ (والدہ علی اکبر ابن الحسین) حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی تھیں۔ یعنی میمونہ بنت ابی سفیانؓ کی دختر تھیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم صفحہ 255)

☆ یزید کی اولاد

یزید کی بیوی ام ہاشم بنت ابوہاشم بن عتبہ بن ربیعہ اموی سے خالد۔ ابوسفیان اور معاویہ پیدا ہوئے خالد بن یزید مشہور شاعر و عالم تھے۔ ان کی بیوی آمنہ بنت سعید بن العاص تھی۔ (آمنہ کی والدہ ام عمرو بنت عثمان بن عفان تھی۔ اور ام عمرو کی والدہ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھی۔) ان سے سعید پیدا ہوئے۔ دیگر کنیزوں کے بطن سے حرب۔ عتبہ۔ یزید۔ عبداللہ۔ اور ابوسفیان پیدا ہوئے۔

عبداللہ بن خالد بن یزید کا نکاح نفیسہ بنت عبداللہ بن عباس بن علی بن ابوطالب سے ہوا۔ ان سے علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید پیدا ہوا۔

یزید کی بیوی ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس سے عبداللہ بن یزید اور عاتکہ بن یزید پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن یزید بن معاویہ سے ابو محمد (اسے عباسی خلیفہ منصور کے دور میں مدینہ منورہ قتل کر دیا گیا) اور ام یزید پیدا ہوئے۔ ام یزید کا نکاح سلیمان بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔ عبداللہ بن یزید کی دوسری بیوی ام عثمان بنت سعید بن العاص اموی سے ابو سفیان اور ابو عبید پیدا ہوئے۔ ان کی نانی یعنی ام عثمان کی والدہ امیمہ بنت جریر بن عبداللہ البجلی تھی۔

یزید بن معاویہ بن ابو سفیان کی بیوی ام کلثوم بن عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس سے عبداللہ بن یزید۔ یزید بن یزید۔ اور عاتکہ بن یزید پیدا ہوئے۔

عاتکہ کا نکاح عبدالملک بن مروان سے ہوا۔ اس سے مروان بن عبدالملک اور یزید بن عبدالملک پیدا ہوئے۔

یزید بن معاویہ بن ابو سفیان کے مختلف کنیزوں سے درج ذیل اولاد ہوئی۔

عبدالرحمٰن۔ ابوبکر۔ محمد۔ عثمان۔ عتبہ۔ یزید۔ ام یزید۔ ام محمد۔ رملہ۔ ام عثمان۔ ام عبدالرحمٰن۔

ام یزید کا نکاح صبغ بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم سے ہوا۔ اس سے وحیہ بن الاصبغ پیدا ہوا۔

ام محمد بنت یزید کا نکاح عمرو بن عتبہ بن ابو سفیان بن حرب سے ہوا۔ اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔

رملہ بنت یزید کا نکاح عتبہ بن عتبہ بن ابو سفیان بن حرب سے ہوا۔

ام عثمان بنت یزید کا نکاح عثمان بن ابو سفیان سے ہوا۔ اس سے ام الحکم پیدا ہوئی۔

ام عبدالرحمٰن بنت یزید کا نکاح عباد بن زید بن ابو سفیان سے ہوا۔ اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔

(اسد الغابہ۔ جلد ۱۱)

☆ اعتراف معاویہ بن یزید

علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمہ اللہ (۷۴۲ھ۔۸۰۸ھ) نے معاویہ بن یزید کی مجلس کا حال یوں بیان کیا ہے۔

"..................... پھر خلافت میرے والد کی طرف منتقل ہوئی۔ وہ تمہارے امیر بن گئے۔ اور اس

امارت میں ان کے والدؓ (حضرت امیر معاویہؓ) کی خواہش کا عمل دخل تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے والد یزید اپنے برے کردار اور اسراف نفس کی وجہ سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خلافت کے اہل نہیں تھے۔ چنانچہ وہ اپنی خواہشات پر سوار رہے۔ اپنی خطاؤں کو درست سمجھتے رہے۔ بڑی دیدہ دلیری سے اللہ کے احکام کو توڑا۔ اور اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو اپنی عزت کی خاطر پامال کیا۔

پس ان کا وقت گھٹ گیا۔ خیر کا سلسلہ کٹ گیا۔ اور وہ اپنے عمل کے ساتھ سو گئے۔ آج وہ اپنے گڑھے کی آغوش میں اپنے جرم کے گروی ہیں۔ اور ان کی برائیوں کے نتائج دنیا میں باقی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ پالیا۔ وہ شرمندہ ہیں لیکن بے فائدہ۔ ...... آج ان کی موت کا نہیں خود ان کا غم ہمیں کھا رہا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ ان کے بارے میں جو کچھ قیل وقال ہے کیا یہ ان کی برائیوں کی سزا اور ان کے عمل کا بدلہ ہے؟۔ (تو بھی مجھے اطمینان ہو جائے کہ جان سستی چھوٹی) اور یہ میری خود فریبی ہے"۔

اتنا کہہ کر اس کی آواز بھر آگئی۔ دیر تک روتا رہا اور زور زور سے ہچکیاں لیتا رہا۔ پھر بولا۔

"تیسرا حکمران میں بنا اور حال یہ ہے کہ مجھ سے راضی لوگ کم ہیں۔ ناراض زیادہ ہیں۔ میں تمہارے گناہ اٹھانے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں نہ دیکھے کہ تمہارے بوجھ میرے گلے میں ہوں اور تمہارے تاوان میں بھروں۔ سو تم جانو اور تمہاری حکومت جانے۔ جسے چاہو اپنا حکمران بنالو۔ میں نے تو اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتار پھینکا۔ والسلام علیکم"۔

علامہ دمیریؒ نے لکھا ہے۔ "یزید کی حکومت 3 سال نو ماہ رہی۔ (بعض مؤرخین نے دو سال آٹھ ماہ یا تین سال آٹھ ماہ لکھی ہے) پھر اس کے بیٹے معاویہ کو حکومت سونپی گئی۔ لیکن وہ بھی اس جابرانہ حکومت کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور چالیس دن میں ہی حکومت سے الگ ہو گیا۔ علیحدگی سے چالیس یا ستر روز بعد 21 یا 23 سال کی عمر میں اس جہاں سے لاولد رخصت ہو گیا"۔ (حیاۃ الحیوان جلد اول صفحہ 88)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ ”سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا“۔ (تاریخ ابن کثیر جلد 8 صفحہ 237)

ابوالفرج ابن الجوزیؒ اپنی کتاب ”المنتظم فی تواریخ الملوک والامم“ میں لکھتے ہیں۔

”یزید نے اپنے والد کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے۔ اور یزید تک ہماری سند بھی متصل ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا۔ کیا یزید سے حدیث روایت کی جاسکتی ہے؟۔ فرمایا۔ ”نہیں۔ اس میں کوئی عزت نہیں“۔ اس لیے ہم نے یزید کی وساطت سے کوئی حدیث روایت نہیں کی“۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کو امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ پر بھی نقل کیا ہے۔

قاتل و مقتول اللہ جل جلالہ کی عدالت میں پہنچ چکے۔ چنانچہ یزید کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ لانحبہ ولا نسبہ۔ نہ ہم اسے گالی دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے محبت رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یزید کی تکفیر میں توقف اور سکوت فرمایا ہے (الصواعق المحرقہ لابن حجرؒ صفحہ 221) اس کی تفسیق میں نہیں۔ ”وبعد اتفاقھم علی فسقہ اختلفوا فی جواز لعنہ باسمہ“ (الصواعق المحرقہ لابن حجرؒ صفحہ 222) یعنی اس کے فاسق ہونے پر اہل السنّت و الجماعت کا اتفاق ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب نے امام غزالی اور علامہ ابن حجر پر بہتان باندھا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے یزید کو رحمہ اللہ نہیں کہا۔ بلکہ علامہ ابن حجر نے اس کے فسق پر اہل السنّت والجماعت کا اتفاق نقل کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ یزید کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ”اس کی بدبختی میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ اس نے جو کام کیا وہ کافر فرنگی بھی نہیں کرسکتا“۔ (مکتوبات دفتر اول۔ نمبر ۵۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "اور گمراہی وضلالت کے داعی شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے"۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ مبحث الفتن)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "بہر حال یزید کے فسق وفجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب متفق ہیں۔ خواہ متابعین ہوں یا مخالفین۔ پھر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ بھی متفق ہیں۔ اور ان کے بعد علماء راسخین۔ محدثین اور فقہاء مثل علامہ قسطلانی۔ علامہ بدر الدین عینی۔ علامہ ہیثمی۔ علامہ ابن جوزی۔ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ محقق ابن ہمام۔ حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اسی کے قائل ہیں تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟"۔

(شہید کربلا اور یزید۔ صفحہ ۱۵۲)

بعض حضرات (یزید) کے فسق وفجور کی روایات کو یکسر غلط کہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا رحمہ اللہ یزید کی لشکر قسطنطنیہ میں شمولیت کے تحت فرماتے ہیں۔ "رہی یہ بات کہ اس (یزید) کے فسق وفجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں یہ دعویٰ مشکل ہے جبکہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو حد تواتر تقریباً پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیتاً اعتماد اٹھاتا ہے۔ اگر یہ سب روایات اتنی کثرت کے باوجود رد کی جا سکتی ہیں تو پھر یہی کون سی نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔ یہ بھی تاریخی ہی روایات ہیں۔ مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی بھی تغلیط کر دے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا"۔ (معارف شیخ۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۷)

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "یزید لا ریب فی کونہ فاسقا" (معارف السنن۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۸) یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ یزید کو امیر المومنین کہنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ملاحدہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکتی ہے۔ کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا؟۔ اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی۔

واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المؤمنین اور خلیفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا؟"۔ (تقریظ بر تسکین الصدور۔ صفحہ ۲۳۔ طبع دوم)

امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں تین اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک گروہ تکفیر کا قائل ہے۔ دوسرا گروہ اسے صالح وعادل قرار دیتا ہے۔ جبکہ تیسرا گروہ اسے عام بادشاہ کا درجہ دیتا ہے۔ جس میں اگر اچھائیاں تھیں تو برائیاں بھی تھیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ موقف نقل کیا ہے کہ لا نسبہ ولا نحبہ۔ نہ ہم اسے گالی دیتے ہیں اور نہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ جلد 4 صفحہ 483)

ڈاکٹر ذاکر صاحب یزید کے بارے میں اپنا عقیدہ جو بھی رکھیں۔ لیکن اکابرین امت کی تائید اہل بیت کے ساتھ ہی ہے۔ وہ انہیں شعائر اللہ میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ (المتوفی 676ھ) نے اپنی کتاب ریاض الصالحین میں اہل بیت کے اکرام وفضیلت کے بیان میں مستقل باب قائم کر کے اس کے تحت یہ آیت نقل کی ہے۔ "ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب" (سورۃ الحج آیت 32) اور جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یقیناً یہ بات دلوں کے تقویٰ سے (پیدا ہوتی) ہے۔

یعنی شعائر اللہ کی تعظیم کو تقویٰ کی علامت بتایا اور اہل بیت کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے۔

☆ جادو

گفتگو نامی پروگرام میں سوال کیا گیا کہ جادو کیا ہے؟ کیا یہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصر سا جواب دیا کہ جادو کرنا حرام ہے۔ لیکن اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اس پر ان کا کوئی مطالعہ ہی نہ تھا۔ ہم اس بارے میں قارئین کو بتاتے ہیں:

☆ جادو کفر ہے اور سات مہلک ترین کبیرہ گناہوں میں شامل ہے جو سراسر نقصان دہ عمل ہے۔ اس کو سیکھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم (البقرۃ ۱۰۲)
اور یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے۔

ولا یفلح الساحر حیث اتی (طٰہٰ: ۶۹) اور جادوگر کہیں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔

جادو کا شغل کرنے والا کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وما روت وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنہ فلا تکفر (البقرہ: ۱۰۲)

سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا بلکہ شیطان نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔

جادو میں جنات شیاطین کو وکیل و کارساز کہہ کر ان سے مدد اور استعانت چاہی جاتی ہے۔ اور ایسے افعال کیئے جاتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتے ہیں، چنانچہ شیاطین خوش ہو کر ان کی مدد کرتے ہیں اور تکمیل خواہشات کی کوشش کرتے ہیں۔

شیاطین چونکہ انسان کے خون میں دوڑتے پھرتے ہیں (بحوالہ بخاری) اس لیے جادو کرنے والے کی خواہش معلوم کر کے دوسرے انسان کو جسمانی نقصان یا بیماری پہنچا سکتے ہیں یا کسی عضو کو بیکار کر سکتے ہیں یا کسی دوسری طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

بعض شیاطین کی حدیث کے مطابق لمبی سے سونڈ ہوتی ہے اور وہ کمر کی طرف سے اپنی سونڈ کس شخص کے دل میں داخل کرتے ہیں اور وسوسہ ڈالتے ہیں، اسے آج کے جدید دور میں لیپروسکوپی سمجھ لیجئے یا الٹراساونڈ سسٹم۔ بہرحال اس طریقہ سے شیاطین کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کیا خواہش رکھتا ہے اور اس کے لیے کس حد تک اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے پھر وہ اپنے اس سونڈ والے طریقے سے مزید الٹے سیدھے طریقے اس کے دل میں ڈالتے ہیں جو جادو کے زمرے میں آتے ہیں،

☆ جادو اتارنے کا مسنون طریقہ

یہود کا ایک بچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اسے یہودیوں نے

بہکا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے چند بال اور کنگھی کے چند دندانے منگوا لئے اور ان میں جادو کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے۔ سر کے بال جھڑنے لگے۔ خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا ہوں حالانکہ آتے نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے۔ لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ چھ ماہ یہی حالت رہی، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے۔ کہ عائشہ! میں نے اپنے رب سے پوچھا۔ اور میرے پروردگار نے بتلا دیا۔ دو شخص آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھا۔ ایک پائینتی۔ سرہانے والے نے دوسرے سے پوچھا۔ ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا۔ کس نے جادو کیا ہے؟ کہا سید ابن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہود کا حلیف ہے۔ اور منافق شخص ہے۔ کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں اور کنگھی میں، پوچھا رکھا کہاں ہے؟ کہا تر کھجور کے درخت کے چھال میں پتھر کی چٹان تلے۔ ذروان کے کنویں میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنویں کے پاس تشریف لائے اور اس میں سے وہ چیزیں نکلوائیں۔ ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اور ہر ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں (الفلق۔ الناس) اتاریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک گرہ ان کی خود بخود کھلتی جاتی تھی۔ جب یہ سورتیں پوری ہو گئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل شفایاب ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نوٹ:۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس چیز کے ذریعے جادو کیا ہے وہ سامنے رکھے بغیر ہی معوذتین پڑھنے سے جادو کا اثر ختم ہو جائے لیکن اگر کسی وجہ سے یہ اثر ختم نہ ہو تو اس چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کے ذریعہ جادو کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دیوانے یا وہ لوگ جن پر جنوں کا تسلط ہوتا لائے جاتے۔ آپ ان کے سینوں پر ضرب لگاتے اور وہ ٹھیک ہو جاتے۔ اس طرح کی ایک عورت (حضرت ام زفرؓ) لائی گئی۔ آپ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی لیکن وہ شفایاب نہ ہو سکی۔ فرمایا۔ وہ دنیا میں اسی طرح رہے گی مگر آخرت میں اس کے لئے بھلائی

ہے۔(یعنی آخرت کے حساب کتاب سے بچ جائے گی)۔ بحوالہ اسد الغابہ جلد سوم باب النساء صحابیات۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو فرشتوں کے ذریعہ بتلا دیا گیا تھا۔ مگر دیگر عامل حضرات اکثر ڈھکوسلے کرتے ہیں اور بہت سے شعبدے دکھاتے ہیں۔ بلکہ اپنا اعتقاد بٹھانے کی خاطر تعویذ تک برآمد کر دیتے ہیں۔ اور بعض خیالی موکلوں سے یک طرفہ باتیں بھی کر کے دکھا دیتے ہیں ایک صاحب تو خیالی جنات سے ہوا میں ادھر اُدھر ہاتھ مارتے لڑتے بھی رہتے تھے اور "وہ مار دیا" وغیرہ کے نعرے بھی لگاتے تھے۔ معمول بیچارے پر نفسیاتی اثر ہو جاتا تھا، کہ واقعی جنات کو مار بھگایا ہے۔

☆ (البتہ جادو کرنے والے کی تلاش کرنا عبث ہے۔ بعض عامل حضرات مختلف مبہم نشانیاں بتا دیتے ہیں جو کسی عورت یا مرد جاننے والے پر فٹ ہو جاتی ہیں اور اس کے بارے میں بغض یا کینہ رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ پوچھنا بتلانا دونوں شرعاً ممنوع ہیں)۔ تفصیل جاننے کے لئے کتاب جن جادو اور اسلام مولفہ ابو لیق بخاری کا مطالعہ کیجئے۔

۱۸ رمضان ۱۴۳۰ھ

The End = 09-09-09



مطالعہ کے لیے چند مفید کتب

المنتخب من الاحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم
مولانا سید خلیق ساجد بخاری
منشورات قلم، مسلم سنٹر، اردو بازار، لاہور۔

تعبیر الرویاء (جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن)
مولانا سید خلیق ساجد بخاری
علی میاں پبلیکیشنز، العزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

شجرہ مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم ابولبیق بخاری
محمد عبدالرحیم ناشران قرآن، العزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

تسہیل اوراد رحمانی (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ)
ابولبیق بخاری
محمد عبدالرحیم ناشران قرآن، العزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

القاب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
مولانا سید خلیق ساجد بخاری
منشورات قلم، مسلم سنٹر، اردو بازار، لاہور۔

جن جادو اور اسلام
مولانا سید خلیق ساجد بخاری
منشورات قلم، مسلم سنٹر، اردو بازار، لاہور۔